۷۸۶

۹۲-۱۱۰

یا صاحب الزماں ادرکنی

لبیک یا حسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

DvD Version

NOT FOR COMMERCIAL USE

Knowledge for All
SABIL-E-SAKINA

www.ziaraat.com

SABEEL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.co.cc
sabeelesakina@gmail.com

Presented by www.ziaraat.com

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

Presented by www.ziaraat.com

الخلفاء

بجواب

المرتضیٰ

مولف

فروغ کاظمی

Presented by www.ziaraat.com

جملہ حقوق بحق مؤلف وناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : ـــــ الخلفاء
مولف : ـــــ فروغ کاظمی
تعداد اشاعت ـــــ ایک ہزار
سن اشاعت : ـــــ ۱۹۹۵ء
طباعت : ـــــ سرفراز پریس، لکھنؤ ۳
قیمت : ـــــ ۱۴۰/ ساٹھ روپے
ناشر : ـــــ ادارہ تہذیب ادب ۳۹۲/۸ میدان ایل ایچ خاں خمینی لین۔ لکھنؤ ۳

ـــــ : ـــــ

ملنے کے پتے :

- عباس بک ایجنسی رستم نگر لکھنؤ ۳ (درگاہ حضرت عباسؑ)
- ادارہ تہذیب وادب ۳۹۲/۸ میدان ایل۔ ایچ خاں، خمینی لین لکھنؤ ۳
- صادق بک ایجنسی، چوک۔ لکھنؤ ۳
- صدیق بک ڈپو امین آباد لکھنؤ ۳۶
- احباب پبلشرس مقبرہ عالیہ گولہ گنج لکھنؤ
- حیدری کتب خانہ ۱۴/۱۵ مرزا علی اسٹریٹ بمبئی
- شیعہ جامع مسجد کشمیری گیٹ دہلی
- شاندار بک ڈپو نہرو کراس رکاب گنج لکھنؤ ۲۲۶۰۰۴
- مکتب خانہ اثنا عشری، چوک، لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام
علی سید الانبیاء والمرسلین وآلہ الطیبین الطاہرین

امابعد

اس
کتاب
کی
تالیف کا مقصد
کسی مسلمان کی دل آزاری نہیں
بلکہ
میرے مخاطب
صرف ابوالحسن ندوی اور وہابی مسلک کے افراد ہیں
اور
میری یہ کتاب
مولانا ندوی کی کتاب المرتضیٰ کے جواب میں ہے۔

فروغ کاظمی

Presented by www.ziaraat.com

انتساب

اس مظلوم شہزادے کے نام

جو ضربِ عمری کا شکار ہو کر

بطنِ مادر میں شہید ہو گیا

فروغ کاظمی

انڈکس

عنوانات	صفحہ نمبر
عرض مولف	۹
ابتدائیہ	۱۲
مختصر مختصر	۱۷
پہلا باب	
سید ابوالحسن ندوی کے نام ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی کا کھلا خط	۱۹
کھلا خط بنام شیخ عزیز الرحمن صاحب مفتی جماعت اسلامی ہند بمبئی	۳۷
کھلا خط جناب ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی تیونسی	۷۳
دوسرا باب	
عمری بسیار خوری	۷۸
پیٹ میں قراقر	۷۸
مال کا درد	۷۹
گھوڑے کی سواری	۸۰

عنوانات	صفحہ نمبر
گھوڑے کی لید	۸۱
ایستادہ پیشاب	۸۲
عمری استنجاء	۸۳
سٹّہ بازی	۸۳
حالت صوم میں جماع	۸۴
عمری جوئیں	۸۵
جوتیوں کا رومال	۸۶
اعتراف منافقت	۸۷
حضرت عمر کی یہودیت	۸۸
اسلامی غزوات سے حضرت عمر کا فرار اور شجاعت	۹۳
عمری تشدد	۱۰۱
ابوہریرہ	۱۰۱
سعد بن ابی وقاص پر تشدد	۱۰۴
نصر بن حجاج پر تشدد	۱۰۶
ابو شحمہ پر تشدد	۱۰۷
جبلہ بن ایہم پر تشدد	۱۰۹

Presented by www.ziaraat.com

عمری جھوٹ ۱۱۰
عمری تجسس ۱۱۱
سرمہ دانی میں سلائی ۱۱۴
جو چاہے کرے ۱۱۵
حفصہ کی پیش کش ۱۱۵
تین، چار ماہ میں ۱۱۷
اسلام کے والدین ۱۱۸
اولاد ایک فتنہ ۱۱۹
ایسی عورت ملتی ۱۲۰
بیت المال کا مال ۱۲۱
کبشہ کا بیٹا ۱۲۲
ضبیع تمیمی کی پٹائی ۱۲۵

تیسرا باب

واقعۂ حدیبیہ ۱۲۶
جیش اسامہ سے تخلف ۱۳۳
واقعہ قلم و قرطاس ۱۳۵
توجیہات و تاویلات ۱۴۵

چوتھا باب

ڈنڈے کے زور پر اعلان خلافت ۱۶۴
ابوبکر پر عمری غلبہ ۱۶۷
عہدِ عمری کے اہم واقعات ۱۶۸
فتوحات عمری پر ایک نظر ۱۷۱
فتوحات سے رسول اکرمؐ کو پریشانی ۱۷۹
اسلامی اور غیر اسلامی فتوحات ۱۸۳
عمری نکتہ چینیاں اور منصب نبوت ۱۹۱
دینی و مذہبی اصلاحیں، متعۃ الحج و متعۃ النساء ۱۹۷
تراویح کی بدعت ۲۰۳
چار تکبیریں ۲۰۶
عمری جہالت اور علوی فراست ۲۰۶

پانچواں باب

مجلس شوریٰ کی تشکیل اور اس کا لائحہ عمل ۲۱۱
حضرت عمر کی وفات ۲۱۵
ازواج ۲۱۷
اولادیں ۲۱۷

چھٹا باب حضرت عثمان

نام و نسب ۲۱۹

عثمانی خانوادہ ۲۲۱
اروی بنت کریز ۲۲۲
پیدائش ۲۲۴
حلیہ ۲۲۴
ابتدائی حالات ۲۲۵
تعلیم و تربیت اور پیشہ ۲۲۶
پوشاک و خوراک ۲۲۷
عثمانی اسلام ۲۲۷
کفار مکہ کا ریلا اور آپ کی ہجرت ۲۲۹
مواخات ۲۳۰
غزوات میں عثمانی حصہ ۲۳۱
جنگ بدر ۲۳۲
جنگ احد ۲۳۴
دیگر غزوات ۲۳۶
حضرت عثمان عہد رسالت میں ۲۳۸
حضرت عثمان عہد شیخین میں ۲۴۰
عثمان کے بارے میں رسول اللہ کی ۲۴۲
پشین گوئی ۲۴۲
شوریٰ پر تبصرہ ۲۴۳
شوریٰ کا انجام ۲۴۷
خاموش انتقام ۲۵۰
خلافت عثمانیہ کی ابتدا ۲۵۱

ساتواں باب

عثمانی نظام حکومت ۲۵۲
حکم بن عاص ۲۶۰
مروان بن حکم ۲۶۴
حارث بن حکم ۲۶۵
سعید بن عاص ۲۶۶
ولید بن عقبہ ۲۶۷
عبداللہ بن سعد بن سرح ۲۷۰
عبداللہ بن خالد ۲۷۰
عاملوں کی معزولی اور تقرری ۲۷۲
دور عثمانیہ کے اہم واقعات ۲۷۴
قتل ہرمزان ۲۷۴
حضرت ابوذر غفاری کی جلاوطنی ۲۷۸
حضرت عمار بن یاسر پر عمری تشدد ۲۸۲
عبداللہ بن مسعود ۲۸۷
عثمانی فتوحات ۲۹۱
مسجد نبوی کی توسیع ۲۹۳
مسجد الحرام کی توسیع ۲۹۳
جمع قرآن ۲۹۴
منیٰ میں عثمانی نماز ۲۹۹

Presented by www.ziaraat.com

آٹھواں باب

سیرت شیخین	۳۰۲
مسلمانوں میں ہیجان	۳۰۷
حضرت عثمان سے حضرت عائشہ کا اختلاف	۳۰۸
حضرت عثمان پر پتھراؤ	۳۲۴
حضرت علیؑ سے فریاد	۳۲۵
مروان کا فریب اور عثمان کا جھوٹ	۳۲۶
نائلہ اور مروان کی مبتذل گفتگو	۳۲۷
قتل عثمان کا فتویٰ اور اس پر عمل درآمد	۳۳۴
حضرت عثمان کا محاصرہ اور قتل	۳۳۸
مدفن	۳۴۵
مدت اقتدار	۳۴۷
ازواج	۳۴۸
اولادیں	۳۴۹
فہرست قاتلین عثمان (ازواج واصحاب رسولؐ)	۳۴۹
حضرت عائشہ کے قاتل ہونے پر صحابۂ کرام کی گواہیاں (تاریخ کی روشنی میں)	۳۵۱
حضرت عائشہ کا اقرار	۳۵۳
تاثرات	۳۵۶
اظہارِ تشکر	۳۶۰
کتابیات	۳۶۱

حضرت فروغ کاظمی کا ایک اور قلمی شاہکار

حضرت عائشہ کی تاریخی حیثیت

بہت جلد منظر عام پر آ رہی ہے

ASSOCIATION KHOJA SHIA ITHNA ASHERI JAMATE MAYOTTE

عرض مؤلف

"ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا"

"الخلفاء حصہ اول" اور "تفسیر کربلا" کی مقبولیت اور کامیابی کے بعد محترم قارئین کے پیہم اصرار اور حوصلہ افزائی کا تقاضہ تو تھا کہ الخلفاء کی یہ دوسری جلد بہت پہلے منظر عام پر آجاتی مگر افسوس! کہ یہ ممکن نہ ہو سکا اور اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ میری اہلیۂ ثانیہ ایک قلبی دورہ میں مبتلا ہو کر ۱۶؍ اگست ۱۹۹۳ء کو اچانک اس دنیا سے رحلت فرما گئیں۔ یہ وہ حادثہ تھا کہ جس کے بعد میری زندگی مکمل ایک سال تک غم و آلام کی آماجگاہ بنی رہی اور تالیفات و تصنیفات کا سلسلہ اپنی جگہ مفلوج و منجمد رہا۔

بہرکیف یہی وجہ تھی کہ میری یہ کتاب کافی تاخیر سے میرے محترم قارئین کی خدمت میں پہنچ رہی ہے جس کا مجھے شدت سے احساس ہے اور اس تاخیر کے لیے میں معذرت خواہ ہوں۔

میری یہ کتاب بھی الخلفاء حصہ اوّل کی طرح مولوی سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب "المرتضیٰ" کے جواب میں ہے اور میں نے موصوف کی تمام معترضہ باتوں کے جوابات کو اس کی تحریروں ہی میں منحصر کر دیا ہے جسے ہر جستجو آمیز نظر آسانی سے تلاش کر سکتی ہے۔ الگ الگ جوابات کی صورت

میں یہی کتاب کئی جلدوں میں مشتمل ہوتی اور طوالت کی بنا پر قارئین کرام کے ذوق مطالعہ پر بار ہوتی۔

ASSOCIATION KHOJA SHIA ITHNA ASHERI JAMAT

یہ بھی واضح کردوں کہ اس کتاب کی تالیف کا مقصد کسی مسلمان کی دل آزاری ہرگز نہیں، درحقیقت یہ کتاب المرتضیٰ کے جواب میں ہے اور اس کا مقصد اسلام کی ان منافق اور تخریب کار شخصیتوں کے "ڈھکے چھپے" کردار کو سامنے لانا ہے جو ندوی صاحب کی عقیدتوں کا محور و مصدر ہیں اور جن کے سیاہ کارناموں کی بدولت اسلام تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگیا۔

میں ان تمام حضرات کا ممنون و متشکر ہوں جنھوں نے الخلفا حصہ اول اور تفسیر کربلا کے مطالعہ کے بعد اپنے مخلصانہ تاثرات کا اظہار فرمایا اور تحسین آمیز خطوط کے ذریعہ حوصلہ افزائی کی، اس کے ساتھ ہی میں ان لوگوں کا شکرگزار بھی ہوں جنھوں نے الخلفاء (اول) کی اشاعت کے بعد مجھے گالیوں بھرے مکتوب سے نوازا اور دھمکیاں دیں۔

خصوصی طور پر میں برادرِ محترم سید علی عباس طباطبائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی حق پرستی اور انسانیت نوازی نے اس کتاب کی تالیف کے دوران میرا بھرپور ساتھ دیا۔

میں نواب باقر علی خاں روش لکھنوی اور جناب فرحت صاحب رضوی (راجہ جی پورم)، کا ممنون بھی ہوں جن کی کوششوں کے نتیجہ میں میری پہلی کتاب "الخلفاء حصہ اول" اشاعت پذیر ہوئی۔

آخر کلام میں یہ مسرت خیز اعلان بھی سماعت فرمالیں کہ "حضرت عائشہ کی تاریخی حیثیت" مکمل ہوکر کتابت کی منزلوں سے گزر رہی ہے انشاءاللہ عنقریب منظر عام پر آئے گی اور یقیناً آپ اس سے لطف اندوز

ہوں گے۔

تاریخ اسلام پر ایک مکمل، مستند اور معتبر کتاب "تفسیر اسلام" کی تالیف کا سلسلہ شروع ہوچکا ہے جو کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہوگی۔ لیکن اس کی تالیف، کتابت اور طباعت میں کافی سرمایہ اور وقت کی ضرورت ہے۔ دعا کیجیے کہ خداوند عالم اپنے خزانۂ غیب سے اس کا انتظام فرمائے۔

والسلام

خادم شیعیت

فروغ کاظمی

۱۳ / اپریل ۱۹۹۵ء

ابتدائیہ

اسلام نے تمام مذاہب کے لوگوں کو اپنے اپنے مذہب کے بارے میں تبلیغ کی اجازت بھی دی ہے اور مناظرہ کے آداب بھی سکھائے ہیں چنانچہ آدابِ مناظرہ میں پہلی چیز جو غور و فکر کی محتاج ہے وہ "حق" اور "حقیقت" کا اظہار ہے۔ مثلاً کوئی شخص، کسی شخص کو بغیر ثبوت و دلیل کے اگر زناکار کہتا ہے تو اسے فتنہ انگیزی، بہتان، تہمت اور دل آزاری کہا جائے گا۔ لیکن اگر وہی زناکار کہنے والا شخص عدالت کا فیصلہ اور جیلر کا صداقت نامہ حاصل کر کے دوسرے شخص کو زناکار کہے اور یہ ثبوت فراہم کرے کہ وہ زناکاری کے جرم میں عدالت سے سزایاب بھی ہو چکا ہے تو نہ یہ فتنہ انگیزی ہوگی نہ بہتان نہ تہمت اور نہ دل آزاری، بلکہ حق کا اظہار ہوگا اور ہر انصاف پسند انسان عدالت کے حکم اور جیلر کے صداقت نامہ کی روشنی میں یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ پہلے شخص نے دوسرے شخص کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے، حق ہے اور حقیقت ہے۔

معلوم ہوا کہ حق کا اظہار نہ فتنہ انگیزی ہے نہ بہتان ہے نہ تہمت ہے اور نہ دل آزاری ہے۔ اس طرح مناظرہ کا ایک بنیادی اصول یہ طے پایا کہ حق کا اظہار فتنہ انگیزی یا دل آزاری ہرگز نہیں ہے۔ اور اگر اس اصول کو تسلیم نہ کیا گیا تو اسلام کا "کلمہ" دل آزاری کی تعریف میں

داخل ہو جائے گا۔ اس لیے کہ پیغمبر اسلامؐ کی بعثت سے پہلے کفار مکہ ہزاروں "معبودوں" کو اپنا خدا مانتے تھے اور ان کی پرستش کرتے تھے ان تمام معبودوں کی نفی کر کے صرف ایک خدا کے وجود کو صحیح کہنا کفار کی دل آزاری نہیں تو پھر اور کیا ہے؟

بہر حال حقیقت و حقائق کا اظہار نہ فتنہ انگیزی ہے نہ عصبیت اور نہ دل آزاری بلکہ کسی اختلاف کی بنا پر حق پر باطل کا پردہ ڈالنا فتنہ انگیزی بھی ہے عصبیت بھی ہے اور دل آزاری بھی۔

گزشتہ چند برسوں سے شیعوں، شیعیت اور آل رسولؐ کے خلاف ایک مخصوص گروہ کی طرف سے کچھ ایسی کتابیں اشاعت پذیر ہو رہی ہیں جن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ منافقین صرف رسولؐ ہی کے عہد میں نہیں تھے بلکہ آج بھی موجود ہیں جو اپنے مکروہ چہروں پر اسلام کی نقابیں ڈال کر اسلام دشمنی کے منصوبوں کی تکمیل میں مصروف ہیں اور جن کی تائید مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی کتاب "المرتضیٰ" نیز مولوی عتیق الرحمٰن سنبھلی کی کتاب "واقعۂ کربلا اور اس کا پس منظر" سے ہوتی ہے۔

خدا سلامت رکھے محقق بصیر جناب فروغ کاظمی کو کہ انھوں نے مذکورہ دونوں کتابوں کے جوابات مندرجہ بالا اصول مناظرہ کے تحت "الخلفاء" اور "تفسیر کربلا" کی شکل میں تحریر کر کے شیعوں اور شیعیت پر بہت بڑا احسان کیا ہے جیسا کہ ملاذ العلماء مولانا سید حسن صاحب قبلہ مجتہد نے تفسیر کربلا کی رسم اجرا کے موقع پر بعد نماز جمعہ مسجد آصفی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

Presented by www.ziaraat.com

"ایک خاص گروہ ہے جسے امت مسلمہ کے تمام فرقے ازروئے اسلام غیر مسلم ٹھہراتے ہیں۔ اس گروہ کا کوئی تعلق رابطہ اسلام سے نہیں ہے۔ یہ شیعہ سنی فیلنگ پھیلا کر اس کو مسئلہ بناتا ہے جس کے نتیجہ میں ہر سنی یہ سمجھتا ہے کہ میرے خلاف ایک کام ہو رہا ہے، ایک اقدام ہو رہا ہے۔ ہمیں، آپ کو، سب کو یہ سمجھانا چاہیے کہ شیعہ سنی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

ابھی کل پرسوں آپ نے قومی آواز میں پڑھا ہوگا کہ نسلیں گزر گئیں راون کو برا کہتے مگر آج لکھنؤ میں یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ ہمیں راون کی پوجا کرنے اور اس کی حمایت میں جلوس نکالنے کی اجازت دی جائے۔ راون کی مدح کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کی فطرت میں ظلم پرستی آگئی ہے۔ لہٰذا ہر مظلوم کے ساتھی کو ان ظلم کی پرستش کرنے والوں کو طمانچہ لگانا چاہیے۔

میں امت مسلمہ کے درمیان اتحاد کا حامی ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں یزید کو اچھا کہنے لگوں، اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ میں ابو سفیان کو اچھا کہنے لگوں، اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ میں قنفذ کو رضی اللہ عنہ کہنے لگوں، اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ میں شمر کو رضی اللہ کہنے لگوں۔

اگر اسلام کے معاملات کچھ اور ڈھیلے ہوئے تو یہی گروہ ایک دن کہنے لگے گا کہ اسلام کے سائے میں ہم کو پھر ان پرانے بتوں کی پوجا کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ اس گروہ سے جس طرح پیغمبر اسلامؐ کو لڑنا تھا، حیات پیغمبرؐ کے بعد ہر معصوم لڑا ہے، اسی طرح ہم بھی

لڑ رہے ہیں اور ہماری یہ لڑائی جاری ہے۔

خدا جزائے خیر دے، مجھ تک کلب صادق صاحب کی جو لفظیں پہنچی ہیں میں انھیں نقل کر رہا ہوں کہ فروغ کاظمی صاحب نے وہ کام انجام دیا ہے جو مولویوں کو کرنا چاہیے تھا۔

بے شک یہ ایک شاعر کا کام نہیں ہے۔ نظم کے ذریعہ حالات بدلنا، قوم پر اثر انداز ہونا ازل سے چلا آ رہا ہے۔ شعرا اثر ڈالتے رہے ہیں اور قومی خدمتیں کی ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ نے بھی غدیر کے اعلان کو صرف نثر میں نہ رہنے دیا بلکہ اسے نظم میں بھی نشر کیا۔

یہ کام تو ان لوگوں کا ہے جو دین کے ذمہ دار سمجھے جاتے ہیں، ان کو چاہیے تھا کہ اس گروہ کے خلاف کتاب لکھتے۔ فروغ کاظمی صاحب نے ہماری پوری قوم پر احسان کیا ہے اور وہ کتاب لکھی ہے جو ابھی آپ کے سامنے آنا چاہتی ہے۔

آپ کو علم ہوگا کہ ایک طریقہ جڑ کاٹنے کا وہ انداز ہے کہ خنجر پر مخمل کا غلاف چڑھا ہو، تو اس کا نام "المرتضیٰ" ہوگا اور جب خنجر نمایاں ہو جائے، برہنہ ہو جائے تو وہ عتیق الرحمٰن سنبھلی کی کتاب "واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر" ہے جو انھوں نے اپنی نئی نظر سے مطالعہ کے بعد ترتیب دی ہے۔ کاش اسلام کی عینک لگا کر مطالعہ کرتے تو نتیجہ کچھ اور ہوتا۔ انھوں نے اسلام کی عینک اتار دی نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے جد کی آبائی نگاہ واپس آگئی"۔

اس کتاب (تفسیر کربلا) کو فروغ کاظمی صاحب کی کتاب کہیے یا یہ کہیے کہ نیا ٹیسٹ کر کے چشمہ چڑھایا جا رہا ہے۔ پوری قوم کو

Presented by www.ziaraat.com

فروغ کاظمی صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہیے، پوری قوم کو خوش آمدید کہنا چاہیے اور پوری قوم کو ادب سے سر جھکانا چاہیے کیونکہ انھوں نے اپنے لیے کچھ نہیں کیا بلکہ پوری قوم کی عزت بچالی۔ (صلواۃ)

ہم سب ان کے ممنون ہیں۔ یہ مشہور شاعر ہیں اور بحیثیت شاعر آپ انھیں پہچانتے ہی ہوں گے۔ لیکن میں ان کا جو تعارف کرا رہا ہوں وہ بحیثیت شاعر نہیں بحیثیت مصنف کے کرا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ادب میں کوئی تنقیدی مقالہ لکھتے مگر انھوں نے جو کام انجام دیا ہے وہ تحقیقی مقالہ واقعۂ کربلا پر ہے جو ایک یزیدی کا جواب ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر تنقیدی مقالہ لکھتے تو دنیا میں واہ واہ ہوتی مگر میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ انھیں نے جو مقالہ لکھا ہے اس کا شکریہ میں نہیں بلکہ فاطمہ زہراؑ ادا کریں گی۔ (صلواۃ)

لہٰذا آپ حضرات پذیرائی کیجیے، انھیں ویل کم کہیے اور انھیں آگے بڑھائیے تاکہ یہ اہل بیت کے دشمنوں کو اور بھی جواب پر جواب دیتے رہیں۔"

ملاذ العلماء کے اس تقریری اقتباس کے بعد جناب فروغ کاظمی صاحب کے بارے میں مزید کچھ کہنا میرے لیے قطعی مناسب نہیں ہے۔ مگر یہ کہ الخلفاء حصہ اول اور تفسیر کربلا کی کامیابی کے بعد موصوف کی تیسری پیش کش الخلفا حصہ دوم جس کا قارئین کرام کو بے چینی سے انتظار تھا، منظر عام پر آرہی ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب الخلفاء حصہ اول سے زیادہ کامیاب ثابت ہوگی اور مومنین کرام اس کے مطالعہ سے انشاء اللہ بے حد لطف اندوز ہوں گے۔ والسلام

خادم ملت

سید علی عباس طباطبائی

مختصر مختصر

محقق بصیر جناب فروغ کاظمی کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ آپ ایک حق پرست اور کامیاب شاعر ہیں۔ یہ تائیدِ غیبی ہے کہ آپ نے تالیفات کے میدان میں قدم رکھا تو یکایک ایک شاعر سے مصنف، محقق اور تاریخ داں بن گئے اور آپ نے "الخلفاء" لکھ کر جاں نثارانِ اہلبیتؑ میں اپنا نام شامل کرلیا۔ یہ مرتبہ وہ ہے جس کے لیے جتنی بھی دعائے خیر کی جائے کم ہے۔

فروغ کاظمی کے زور قلم کا نتیجہ "الخلفاء" کی دوسری جلد اب منظرِ عام پر آرہی ہے۔ تمام مومنین کو اس کی کامیابی کی دعا کرنی چاہیے۔ چونکہ کاظمی صاحب صحیح النسل ہیں اس لیے اہلِ بیتِؑ اطہار کی محبت سے سرشار و مالا مال ہیں۔ جب آپ نے دیکھا کہ کچھ یزیدی اپنے مشن میں آج بھی لگے ہیں اور حسینؑ مظلوم کو (معاذ اللہ) باغی، ہٹ دھرم اور خطا کار ثابت کرنے میں تن، من، دھن سے مصروف ہیں اور یزید، معاویہ اور ان کے جرگہ کے لوگوں کی برتری ثابت کرتے ہیں یعنی کذابوں، زانیوں اور شراب خواروں کے جسموں پر لگی ہوئی غلاظت کو اپنی ناپاک اور نجس زبان سے چاٹ چاٹ کر صاف کرنے کی سعئ لاحاصل کر رہے ہیں تو فروغ کاظمی کا جذبہ ایمانی بیدار ہوا

Presented by www.ziaraat.com

اور آپ نے اپنے قلم کی نوک سے باطل کا پردہ چاک کرنا شروع کر دیا خدا کا شکر ہے کہ کاظمی صاحب اپنے اس جہاد میں بہت کامیاب ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی آلِ رسولؐ پر مظالم کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ان کے فضائل و مناقب کے مقابلہ میں جھوٹی حدیثوں کے کارخانے کھل گئے اور جب جھوٹی حدیثیں ہوں گی تو وہ جھوٹے اور چھچھورے لوگوں کی ہی تعریف میں ہوں گی۔ وہ زمانہ درہم و دینار کا تھا لالچ میں علماء، مورخین اور محدثین گونگے اور بہرے بن گئے، باطل کو حق اور حق کو باطل کہنے لگے۔ مگر اب نہ درہم ہے اور نہ دینار اور نہ وہ زمانہ البتہ سعودیت باقی ہے جو عتیق سنبھلی جیسے ناپاک و نامراد انسانوں کو خرید کر معاویہ و یزید کی وکالت کے لیے چھوڑ دیتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ "واقعۂ کربلا اور اس کا پس منظر" جیسی کتابیں وجود میں آتی رہتی ہیں اور فروغ کاظمی ایسے حق پرست "تفسیر کربلا" کے ذریعہ اس کا جواب دیتے رہتے ہیں۔

یہ ملت اسلامیہ کی بدقسمتی ہے کہ ایسے لوگوں کی تعریفیں ہو رہی ہیں جو رسول اکرمؐ کے جنازہ کو چھوڑ کر ایک نابکار عورت کی انگلیوں پر ناچ رہے تھے اور پیغمبرؐ کا جانشین بننے کے لیے انسانی اور شریفانہ حدود کو تجاوز کر چکے تھے۔

فروغ کاظمی صاحب انھیں خوشامدی لوگوں کے چہروں سے نقابیں اٹھا رہے ہیں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ خداوند عالم کاظمی صاحب کو اپنے مقاصد میں کامیاب کرے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین۔

احقر العباد

حکیم آغا شیرازی، وکٹوریہ اسٹریٹ، لکھنؤ

(پہلا باب)

سید ابوالحسن علی ندوی ہندی کے نام
ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی تیونسی کا
کھلا خط!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مجھے محمد تیجانی سماوی تیونسی کہتے ہیں۔ خدا نے ہدایت و توفیق کے ذریعہ مجھ پر احسان کیا اور میں طویل تحقیق کے بعد مذہب شیعہ سے متمسک ہو گیا ہوں جبکہ اس سے قبل میں مالکی تھا اور شمالی افریقہ صوفیوں کے مشہور سلسلہ تیجانیہ کا پیرو کار تھا۔ شیعہ علماء کے پاس آمدرفت کے ذریعہ میں نے حق کو پہچانا اور اس سے متعلق ایک کتاب لکھی اور اس کا نام "ثم اهتديت" رکھا جو آپ کے ملک ہندوستان میں بھی "مجمع علمی اسلامی" کی طرف سے متعدد زبانوں میں چھپ کر ختم ہو چکی ہے۔ اسی مناسبت سے مجھے ہندوستان آنے کی دعوت دی گئی۔

سیدی عزیز! میں مختصر زیارت کے لیے ہند آیا۔ میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا تھا کیونکہ میں نے آپ کے بارے میں سنا تھا کہ اہل سنت والجماعت کے مرجع آپ ہی ہیں لیکن مسافت کی زیادتی اور وقت کی تنگی کی بنا پر ملاقات نہ کر سکا

Presented by www.ziaraat.com

اور صرف بمبئی، پونہ، جبل پور اور گجرات کے کچھ شہروں تک ہی جا سکا لیکن ہندوستان میں سنی اور شیعوں کے درمیان بغض و عداوت دیکھ کر بہت تکلیف ہوئی۔

یقیناً یہ بات میں پہلے بھی سنتا تھا کہ ہندوستان میں مذہب کے نام پر جنگ وجدل ہوتی ہے اور کبھی نیک مسلمانوں کا خون بہہ جاتا ہے۔ میں اس کی تصدیق نہیں کرتا تھا سوچتا تھا کہ مبالغہ آرائی ہے لیکن جو میں نے اپنے سفر کے دوران وہاں دیکھا اور سنا اُس سے میری حیرت و تعجب ہوا ہو گئی اور مجھے یہ یقین ہو گیا کہ (یہاں) اسلام اور شیعہ سنی مسلمانوں کے خلاف پست سازشیں اور بڑی منصوبہ بندی سے کام ہو رہا ہے۔ میرے اس علم و یقین کو اس بالمشافہہ گفتگو نے اور تقویت بخشی جو میرے اور اہل سنت کے علمار کی ایک جماعت کے درمیان ہوئی تھی۔ اس جماعت میں جماعت اسلامی کے مفتی شیخ عزیز الرحمٰن پیش پیش تھے۔ یہ ملاقات ان ہی کی دعوت پر بمبئی میں ان ہی کی مسجد میں ہوئی تھی۔

میں صحیح طریقہ سے ان کے درمیان پہنچا بھی نہیں تھا کہ انھوں نے شیعان اہل بیتؑ پر لعن طعن کرنا شروع کر دی اور زہر اُگلنے لگے۔ وہ مجھے ذلیل اور قتل کرنا چاہتے تھے کیونکہ انھیں یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ میں نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اہل سنت کو مذہب اہل بیتؑ اختیار کرنے کی دعوت دی ہے۔ لیکن میں ان کے ارادوں کو بھانپ گیا۔ میں نے اپنے اعصاب پر قابو کیا اور مسکراتے ہوئے کہا: "میں تمھارا مہمان ہوں، تم نے مجھے دعوت دی" میں حاضر ہو گیا۔ کیا تم نے مجھے اسی لیے بلایا ہے کہ مجھ پر سب و شتم کرو، کیا اسلام نے تمھیں اسی اخلاق کی تعلیم دی ہے؟ انھوں نے بہت ہی

منھ پھٹ انداز میں اور حلفیہ جواب دیا کہ میں اپنی عمر کے کسی دن میں مسلمان تھا ہی نہیں کیونکہ میں شیعہ ہوں اور شیعہ مسلمان نہیں ہیں۔

میں نے کہا: میرے بھائیو! خدا سے ڈرو۔ ہمارا ایک خدا، ایک نبیؐ، ایک کتاب اور ایک قبلہ ہے اور شیعہ خدا کو ایک جانتے ہیں اور نبیؐ و اہلبیتؑ کی اقتدا کرتے ہوئے اسلام پر عمل کرتے ہیں۔ وہ نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، حج کرتے ہیں۔ انھیں کافر قرار دینا تمھارے لیے کیسے جائز ہو گیا؟

انھوں نے جواب دیا: تمھارا قرآن پر ایمان نہیں ہے۔ تم منافق ہو، تقیہ پر عمل کرتے ہو، تمھارے امام کہتے ہیں کہ تقیہ میرے آبا و اجداد کا دین ہے، تم یہودی ہو، کیونکہ اس کا مؤسس عبد اللہ ابن سبا یہودی ہے۔

میں نے مسکراتے ہوئے کہا: مجھ سے شیعہ ہونے کی حیثیت سے گفتگو نہ کریں۔ میں خود تمھاری ہی طرح مالکی تھا اور تحقیق و چھان بین کے بعد میں اس بات سے مطمئن ہو گیا کہ اہل بیتؑ کا اتباع کرنا بہتر ہے۔ کیا تمھارے پاس ایسی کوئی دلیل ہے کہ جس کے ذریعہ مجھ سے مجادلہ کر سکو یا پھر تم مجھ سے سوال کرو کہ میری دلیل کیا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھا سکیں۔

انھوں نے کہا: اہل بیتؑ ازواج نبی ہیں، تم قرآن کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔

میں نے کہا: صحیح بخاری اور مسلم سے تو تمھارے قول کی مخالفت ثابت ہوتی ہے۔ انھوں نے کہا: جو کچھ صحیح بخاری و مسلم اور دوسری حدیث کی کتابوں میں ایسی چیزیں مرقوم ہیں جس سے تم حجت قائم کرتے ہو، وہ شیعوں کی گڑھی ہوئی حدیثیں ہیں جنھیں ہماری کتابوں میں سمو دیا گیا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا: جب شیعوں نے تمھاری کتابوں میں غلط حدیثیں بھر دی ہیں تو ان کتابوں کا اور اس پر قائم تمھارے مذہب کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (میرے اس جملے سے) وہ خاموش ہو گئے لیکن ان میں سے ایک نے بے جوڑ گفتگو کا از سرِ نو آغاز کیا اور کہا: جو بھی خلفائے راشدین سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا معاویہ اور سیدنا یزید رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں ہے۔

میں اُس کی یہ بات سن کر ہکا بکا رہ گیا، اس لیے کہ میں نے اپنی زندگی میں یہ بات کبھی نہیں سنی تھی کہ جو معاویہ و یزید کی خلافت پر ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا: یہ بات تو کسی حد تک صحیح ہے کہ مسلمان ابو بکر و عمر اور عثمان سے راضی ہو جائیں لیکن یزید کے بارے میں تو میں نے ہندوستان کے علاوہ کہیں نہیں سنا تھا۔ میں نے ان سب کو مخاطب کیا اور سوال کیا کہ کیا تم سب اس شخص کی رائے سے متفق ہو؟

ان سب نے بیک زبان کہا: ہاں۔

اب میں نے یہ سوچا کہ ان سے گفتگو کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور میری سمجھ میں یہ بات آگئی کہ وہ مجھے غیظ دلا کر مجھ سے انتقام لینا چاہتے ہیں اور صحابہ پر لعنت کے الزام میں مجھے قتل کر دیں گے اور کسی کو خبر نہ ہوگی۔

میں نے ان کی آنکھوں میں شر کو دیکھ لیا تھا اور اپنے اس ساتھی سے کہا جو مجھے ان کے پاس لے گیا تھا کہ مجھے یہاں سے فوراً نکال لے چلو، چنانچہ اس نے مجھے نجات دلائی۔ حالانکہ وہ مجھ سے روا رکھے جانے والے سلوک پر عذر خواہی کر رہا تھا اور اس بات پر افسوس کر رہا تھا اور یہ شخص کہ جو اس ملاقات کے ذریعہ حق کو پہچاننا چاہتا تھا اس سے بری تھا۔ واضح رہے

کہ یہ نوجوان اور مہذب شخص بمبئی کے مکتبہ اور مطبع اسلامیہ کا مالک شرف الدین تھا۔ وہ ہمارے درمیان ہونے والی مذکورہ گفتگو کا گواہ ہے۔ اس کے سامنے ان افراد کی بد اخلاقی کہ جو اپنے کو سب سے بڑا عالم تصور کرتے ہیں، پوشیدہ نہ رہی۔

میں نے انھیں چھوڑ دیا حالانکہ مجھے مسلمانوں کے اس انحطاط پر افسوس ہو رہا تھا، خصوصاً ان لوگوں پر جو مرکزِ صدارت پر بیٹھے ہوئے ہیں اور خود کو علماء کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ پھر میں نے اپنے دل میں کہا جب اندھے تعصب میں علماء کی یہ حالت ہے تو (یہاں کے) عوام الناس اور جاہلوں کی کیا کیفیت ہو گی۔ اب میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ ایسے معرکے اور جنگیں کیسے وجود میں آتی ہیں۔ جن میں محترم خون بہہ جاتا ہے، عزتیں پامال ہو جاتی ہیں اور ہتک حرمت ہوتی ہے اور یہ سب کچھ اسلام سے دفاع کے نام پر ہوتا ہے۔ میں امت کی اس پست روش پہ رو دیا کیونکہ اس امت کے سپرد خدا نے ہدایت کی ذمہ داری کی تھی اور رسول ؐ نے تاریک قلوب تک نور پہنچانے کی ذمہ داری لی تھی اور ابھی ہدایت کی شدید ضرورت ہے اور اس وقت صرف ہندوستان میں سات سو ملیون افرادِ غیر خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ گائے اور بتوں کی تقدیس کرتے ہیں اور بجائے اس کے مسلمان انھیں موحد بنائیں، ان کی ہدایت کریں، تاریکی سے نکال کر روشنی میں لائیں تاکہ وہ رب العالمین کو قبول کریں، آج ہم مسلمانوں کو خصوصاً ہندوستان میں دیکھتے ہیں کہ انھیں خود ہدایت کی ضرورت ہے۔

لہٰذا میرے سید و سردار! آپ کو دعوت نامہ ارسال کر رہا ہوں کہ خدائے رحمٰن و رحیم، اس کے رسول ؐ اور عظیم اسلام کے نام پر اللہ کی رسی

Presented by www.ziaraat.com

کو مضبوطی سے پکڑیں اور تفرقہ بازی سے پرہیز کریں۔ میری گزارش ہے کہ آپ ایک شجاع مسلمان کا موقف اختیار کریں کہ جو خدا کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی اس پر شیطان کی دلی خواہش، عصبیت و قبائلیت طاری ہوتی ہے۔

میں آپ کو پرخلوص اور واضح موقف کی دعوت دیتا ہوں۔ آپ لوگوں ہی پر خدا نے اس علاقہ کے لوگوں کی ہدایت کی ذمہ داری اُس وقت تک عاید کی ہے جب تک آپ اسلام کا دم بھرتے رہیں گے۔ خدا آپ کے اس موقف سے ہرگز راضی نہیں کہ آپ یہاں وہاں رونما ہونے والے حالات سے راضی ہوں کہ جس کی قیمت شیعہ، سنّی مسلمانوں کو چکانا پڑتی ہے۔ قیامت کے روز خداوند عالم ہر چھوٹے بڑے کا آپ سے حساب لے گا اور ہر نافرمانی کے متعلق آپ سے پوچھا جائے گا کیونکہ صاحبان علم اور جاہل برابر نہیں ہیں۔ ہر ایک پر اس کے ظرف و دانائی کے مطابق ذمہ داری عاید ہوتی ہے اور شرافت کے لحاظ سے بزرگی و عظمت ملتی ہے۔

لہٰذا جب تک آپ اپنے کو ہندوستان کا عالم سمجھتے رہیں گے اس وقت تک آپ کی ذمہ داری بھی عظیم رہے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے کچھ کہنے میں ہندوستان کے لوگوں کی اصلاح بھی ہو سکتی ہے اور کبھی اس سے نسلیں ہلاک بھی ہو سکتی ہیں۔ اے صاحبان عقل! اللہ سے ڈرو۔

بے شک خداوند عالم نے ملائکہ کے بعد علماء کو بلند مرتبہ عطا کیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا
الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ (آل عمران آیت ۱۸)

"اللہ خود گواہ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے ملائکہ اور صاحبان علم گواہ ہیں کہ وہ عدل کے ساتھ قائم ہے۔"

اور جب خداوند عالم ہم سب کو یہ حکم دے رہا ہے یہ کہہ کر:

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝

(سورہ رحمٰن آیت ۸)

"اور انصاف کے ساتھ وزن قائم کرو اور تولنے میں کم نہ تولو۔"

اور جب مفسرین نے قیمتی مادی اشیاء میں عدل قائم کرنے کے لیے کہا ہے تو ان عقائدی چیزوں میں عدالت سے کیوں کام نہیں لیتے جو حق و باطل کے درمیان امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ انھیں پر بشر کی ہدایت موقوف اور اس میں پوری انسانیت کی نجات کا راز مضمر ہے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

وَاِذَا حَكَمْتُمْ فَاحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ

"اور جب کوئی فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو۔"

نیز ارشاد ہے:

يَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ
بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ۝

"اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر اپنا جانشین بنایا ہے لہٰذا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہشات کا اتباع نہ کرو کہ وہ راہِ خدا سے منحرف کر دے۔"

اور رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے:

Presented by www.ziaraat.com

"حق بات کہو اگرچہ وہ تمھارے خلاف ہی (کیوں) نہ ہو۔"

نیز فرمایا:

"حق بات کہو خواہ وہ تلخ ہی کیوں نہ ہو۔"

میرے عزیز محترم! میں آپ کو کتاب خدا اور سنت رسولؐ کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ انھیں صاف صاف بیان کیجیے اگرچہ تلخ ہی ہو۔ یہ بات خدا کے نزدیک، آپ کے لیے شاہد ہوگی اور اپنے پروردگار کی قسم کھا کے بتائیے کہ کیا شیعہ آپ کے نزدیک مسلمان نہیں ہیں؟ کیا آپ کا یہ عقیدہ حق ہے کہ وہ کافر ہیں؟ کیا اہل بیتؑ نبوی کے اتباع کرنے والے کہ جنھوں نے خدا کی وحدانیت و عظمت کے سلسلہ میں تمام فرقوں سے زیادہ کام کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ خدا مشابہت و ہم شکل ہونے اور جسمانیت سے پاک ہے وہ اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں اور دوسرے فرقوں سے زیادہ ان کی عظمت کے قائل ہیں ان کا قول ہے کہ نبی بعثت سے قبل بھی مطلق طور پر معصوم تھے، کیا آپ انھیں کافر کہتے ہیں۔

کیا جو لوگ خدا و رسول اور مومنوں سے دوستی رکھتے ہیں، جو عترت نبی کو دوست رکھتے ہیں جیسا کہ ابن منظور نے "لسان العرب" میں مادہ شیعہ کے ذیل میں تحریر کیا ہے، کیا آپ ان کو غیر مسلمان کہتے ہیں؟

کیا وہ شیعہ جو بہترین طریقے سے نماز قائم کرتے ہیں اور زکواۃ دیتے ہیں مزید خدا و رسول کی اطاعت کرتے ہیں، اپنے اموال سے خمس نکالتے ہیں اور رمضان و دیگر ایام کے روزے رکھتے ہیں، خانۂ خدا کا حج بجالاتے ہیں اور شعائر اللہ کی تعظیم کرتے ہیں، اور اولیائے خدا کا احترام کرتے ہیں دشمنانِ خدا اور اسلام دشمن طاقتوں سے اظہار برأت کرتے ہیں، کیا وہ

آپ کے نزدیک مشرک ہیں؟

کیا وہ لوگ جو اہل بیتؑ میں سے ان بارہ اماموں کی امامت کے قائل ہیں جن سے خدا نے رجس کو دور رکھا ہے اور اس طرح پاک کیا جو کہ حق ہے اور ان کی امامت پر رسولؐ نے نص فرمائی ہے جیسا کہ اہل سنت علماء مثلاً بخاری و مسلم وغیرہ نے اپنی صحاح میں تحریر کیا ہے، وہ آپ کے نظریہ کے مطابق دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے ہیں؟

کیا وہ لوگ مسلمان ہیں جو حیات نبیؐ اور بعد نبیؐ کسی روز بھی امامت سے متعارف نہیں تھے اور اس نظریہ کو فارس (ایران) و مجوس کا نظریہ کہتے ہیں۔

کیا آپ اس وقت اس شخص کو کافر قرار دیتے ہیں جو یزید ابن معاویہ کو امام مانتا ہے کہ جس کے فسق کو ہر خاص و عام مسلمان جانتا ہے؟ اور یزید کی خست و ضلالت کے لیے تو یہی چیز کافی ہے کہ جس پر مسلمانوں کا اجماع بھی ہے کہ یزید نے بیعت لینے کے لیے مدینہ منورہ کو اپنے لشکر کے لیے مباح کر دیا تھا۔ وہ جو چاہے کرے۔ پس اس کے فوجیوں نے ہزاروں بہترین صحابہ اور تابعین کو قتل کیا اور بے شمار عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ زنا بالجبر کیا جن سے پیدا ہونے والے بچوں کی تعداد کو خدا ہی جانتا ہے! اس (یزید) کے لیے تو رہتی دنیا تک یہی رسوائی اور ذلت کافی ہے کہ اُس نے جوانان جنت کے سردار کو قتل کیا اور رسولؐ کی بیٹیوں کو بے پردہ کیا۔ امام حسین علیہ السلام کے دندان مبارک کو چھڑی لگائی اور مشہور اشعار میں اس کی مثال دی۔

"اے کاش بدر میں شہید ہونے والے میرے بزرگ ہوتے تو دیکھتے"

یہاں تک کہ اس نے کہا:

Presented by www.ziaraat.com

"یہ تو بنی ہاشم کا بادشاہ بننے کے لیے ایک ڈھونگ تھا، ورنہ نہ کوئی فرشتہ آیا اور نہ وحی نازل ہوئی۔"

اس کے ان اشعار سے صاف طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور قرآن مجید پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ کیا یہ حق ہے کہ جو یزید اور اس کے باپ معاویہ پر لعنت کرے آپ اسے کافر قرار دیں؟ جو علی علیہ السلام پر لعنت کرتا تھا اور لعنت کرنے کا حکم دیتا تھا بلکہ صحابہ میں سے جو لعنت کرنے سے انکار کرتا تھا اسے تہ تیغ کر دیتا تھا جیسا کہ حجر ابن عدی کندی اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا۔ اس لعنت کے سلسلہ کو ایک سنت بنا دیا جو ستر سال تک جاری رہی جبکہ وہ (معاویہ) رسولؐ کے اس قول سے واقف تھا:

"جس نے علی پر لعنت کی اس نے میرے اوپر لعنت کی اور جس نے میرے اوپر لعنت کی اس نے خدا کو برا کہا۔"

جیسا کہ اہل سنت کی صحاح میں یہ چیزیں بیان ہوئی ہیں اس کے علاوہ اس کے بہت سے ایسے افعال ہیں جو اسلام کے منافی ہیں۔ اس نے اپنے بیٹے یزید کی بیعت لینے کے لیے بہت سے نیکوکار لوگوں کو قتل کیا اور جعدہ بنت اشعث کے ذریعہ حسن بن علی علیہما السلام کو قتل کرایا۔ اس کے علاوہ اس کے اور بہت سے جرائم ہیں جنھیں اہل سنت کی تاریخ نے ذکر کیا ہے جیسا کہ شیعان علی علیہ السلام نے اس کی شہادت دی ہے۔

محترم، میں آپ کے بارے میں یہ خیال نہیں کرتا ہوں کہ آپ ان تمام چیزوں سے متفق ہوں گے ورنہ اسلام پر سلام اور دنیا پر خاک۔ کیوں کہ اس کے بعد نہ دنیا میں کوئی پیمانہ ہے نہ عقل ہے نہ شرع ہے نہ کوئی منطق ہے نہ کوئی دلیل ہے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔"

قسم خدا کی پاکستان کے عالم ابو الاعلیٰ مودودی نے اپنی کتاب خلافت و ملوکیت کے صفحہ ۱۰۶ پر ابو الحسن بصری سے نقل کیا ہے کہ:

"قسم خدا کی، معاویہ میں چار خصلتیں ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی ہوتی تو وہی اس کی ہلاکت کے لیے کافی تھی۔

۱۔ مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر خلیفہ بن بیٹھا جب ان میں صحابہ اور بافضیلت افراد موجود تھے۔

۲۔ اپنے بعد اپنے بیٹے کو خلیفہ بنا دیا جو شراب خوار، حریر پوش اور طنبورہ بجاتا تھا۔

۳۔ زیاد کو اپنا بھائی بنایا جب کہ رسولؐ کا قول ہے کہ بچہ صاحب فراش کا ہے اور زناکار کے لیے پتھر ہے

۴۔ اس کا حجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنا پس حجر اور ان کے اصحاب کے سلسلہ میں معاویہ پر ویل ہو۔ (اس جملہ کو تین مرتبہ دہرایا)۔"

خدا ابو الاعلیٰ مودودی پر رحم کرے کہ انھوں نے حق کا اظہار کیا اور اگر وہ چاہتے تو ان خصلتوں سے زیادہ اس کی چالیس خصلتیں گنواتے لیکن مرحوم نے معاویہ کی ہلاکت کے لیے ان چار ہی کو کافی سمجھا۔

شاید مودودی صاحب نے ان لوگوں کے جذبات کا خیال رکھا جو معاویہ کی تقدیس و احترام اور اسے رضی اللہ عنہ کہنا سیکھتے ہیں بلکہ اس کے بیٹے یزید کو بھی اسی زمرہ میں شامل کر لیتے ہیں جیسا کہ خود میں نے علمائے ہند سے سنا ہے۔ "لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"۔

Presented by www.ziaraat.com

اوزا انھیں باتوں کے تحت میں نے بھی ان لوگوں کی جذبات کا خیال رکھا تھا جنھوں نے مجھے رسوا کرنے کے لیے دعوت دی تھی ان میں سے میں نے ایک بات بھی بیان نہیں کی تھی کیوں کہ مجھے اپنا ڈر تھا۔

محترم، میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ واضح موقف کو اختیار کریں اور اس سے خدا کی رضا کو حاصل کریں بے شک خدا حق کے بارے میں ذرا بھی شرم نہیں کرتا۔ میں آپ سے یہ نہیں چاہتا کہ آپ ان کی برابری کے قائل ہو جائیں اور نہ ہی ان کی برائیوں سے پردہ ہٹانے کے لیے کہتا ہوں۔ اس سلسلے میں ہمارے اور آپ کے لیے تاریخ کافی ہے۔

لیکن یہ ضرور چاہتا ہوں کہ آپ خود اعتراف کریں اور اپنے پیروؤں کو یہ بتائیں کہ جو ان (معاویہ و یزید) کی امامت کے قائل نہیں ہیں اور ان سے محبت نہیں رکھتے وہی سچے اور حقیقی مسلمان ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ یہ کہیں کہ شیعہ ہمیشہ مظلوم رہے ہیں کیوں کہ انھوں نے کبھی شجرۂ ملعونہ کی امامت کا اعتراف نہیں کیا ہے جس کی مثال خداوند کریم نے قرآن مجید میں بیان فرمائی ہے۔

آپ قسم کھا کے بتائیں کہ شیعوں کی کیا خطا ہے۔ رسولؐ خود اپنے بعد اہل بیتؑ کے اتباع کا حکم دیتے ہیں یہاں تک کہ انھیں سفینۂ نوح سے تشبیہ دی جو اس پر سوار ہوا وہ نجات پائے گا اور جس نے اس سے روگردانی کی وہ ہلاک ہو گا۔ شیعوں کی کیا خطا ہے جبکہ وہ رسولؐ کے اس حکم کا اتباع کرتے ہیں:

"میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں کتابِ خدا اور میری عترت جب تک ان سے وابستہ رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔"

اور اس بات کی گواہیاں تو اہل سنت میں بھی ہیں چہ جائیکہ شیعہ کی کتابیں۔

لیکن رسولؐ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے ان کے شکر گزار ہونے، انھیں دوسروں پر مقدم کرنے اور فضیلت دینے کے بجائے ان پر سب و شتم کرتے ہیں، انھیں کافر کہتے ہیں، ان سے بیزاری اختیار کرتے ہیں۔ یہ تو انصاف نہیں ہے اور نہ ہی یہ بات معقول ہے۔

محترم ہمیں ان خرافات اور رکیک باتوں کو چھوڑ دینا چاہیے جو کسی دلیل و برہان پر استوار نہیں ہیں اور انھیں اپنی امت کے نوجوانوں پر تحمیل نہ کریں کہ شیعوں کا ایک خاص قرآن ہے یا شیعہ تو علیؑ کو صاحب شریعت کہتے ہیں یا عبد اللہ بن سبا مذہب تشیع کا مؤسس ہے۔ اس کے علاوہ اور روایات و اقوال ہیں کہ جن کے بارے میں خدا گواہ ہے کہ دشمنانِ اسلام اور عدوِ اہلبیتؑ کا پروپیگنڈہ ہے جو انھوں نے اندھے تعصب اور جہالت کی بنا پر گڑھ دیا ہے۔

محترم میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ ہندوستان کے علماء کو جامعہ ازہر کے علماء سے کیا نسبت ہے کہ جنھوں نے مذہب شیعہ امامیہ کو قبول کرنے کا تیس سال قبل فتویٰ دیا تھا اور جامعہ ازہر کے علمائے اعلام کا یہ بھی نظریہ ہے کہ فقہ جعفری کہ جس پر شیعہ عمل کرتے ہیں وہ ان تمام مذاہب اسلامی سے زیادہ روح اسلام سے قریب ہے کہ جو اس کی فرع ہیں اور ان علماء کے راس و رئیس شیخ محمد شلتوت رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ پس کیا وہ علمائے اسلام اور مسلمانوں کو نہیں پہچانتے تھے؟ یا ہندوستان کے علماء ان سے اعلم و اعرف ہیں؟ میں نہیں سمجھتا کہ آپ بھی اسی کے قائل ہوں گے۔

محترم، آنکھیں آپ پر لگی ہیں، آپ کی محبت و شفقت کے لیے میرا دل کھلا ہوا ہے۔ یقیناً گزشتہ زمانہ میں بھی آپ کی طرح حقیقت سے بے خبر

Presented by www.ziaraat.com

اور اہل بیتؑ اور ان کے شیعوں سے ناواقف تھا بس خدا نے اس حق کی طرف میری راہ نمائی فرمائی کہ جس کے علاوہ گمراہی وضلالت ہے۔ میں تعصب کی بندشوں اور اندھی تقلید سے آزاد ہوگیا ہوں اور مجھ پر یہ بات آشکار ہوگئی ہے کہ زیادہ تر مسلمان ابھی تک باطل اور پروپیگنڈے کے پردوں میں چھپے ہوئے ہیں ان کو حقیقت تک پہنچنے نہیں دیا جاتا تاکہ کہیں سفینۂ نجات پر سوار نہ ہو جائیں اور خدا کی رسی کو پکڑ نہ لیں جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ شیعہ اور سنی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے سوائے اس اختلاف کے جو خلافت کے سلسلہ میں بعد رسولؐ رونما ہوا۔ اس اختلاف کی بنیاد تمہارا اصحابہ پر اعتقاد ہے جب کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں آپس میں اختلاف تھا یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے پر لعنت کرتے تھے، لڑتے تھے اور بعض، بعض کو قتل کرتے تھے۔

پس اگر شیعوں کا اختلاف انھیں دین سے خارج کر دیتا ہے تو العیاذ باللہ صحابہ اس تہمت کے زیادہ مستحق ہیں میں نہیں سمجھتا کہ آپ اس کو برداشت کر سکیں گے، انصاف کا تقاضہ یہ ہے آپ اس سلسلہ میں یہ بھی نہ کہیں کہ وہ دین سے خارج ہیں۔ اہل بیتؑ کے تقدس واحترام کے سلسلہ میں جو شیعوں کا نظریہ ہے وہی صحابہ کے تقدس واحترام کے سلسلہ میں اہل سنت کا نظریہ ہے۔ پس دونوں موقفوں میں کتنا بعد ہے۔ اگر اس نظریہ میں شیعہ خطا پر ہیں تو اہل سنت بدرجۂ اولیٰ خطا کار ہیں کیونکہ تمام صحابہ اہل بیت کو اپنے نفسوں پر مقدم کرتے تھے اور ان پر بالکل اسی طرح درود بھیجتے تھے جس طرح نبیؐ پر بھیجتے تھے۔ ہمیں کسی ایک صحابی کے بارے میں بھی یہ معلوم نہیں ہے کہ اس نے نفس کو اہل بیت مصطفیٰ پر مقدم کیا ہو یا علم وعمل کے لحاظ سے خود کو ان پر فضیلت دی ہو۔

پس اب وہ وقت آن پہنچا ہے کہ شیعان اہل بیتؑ سے تاریخی تاریکی کو ہٹایا جائے، ان سے قربت وبھائی چارگی قائم کی جائے، نیک اور اچھے کاموں میں تعاون کیا جائے۔ اس امت کے لیے ویسے ہی خوں ریزی اور فتنہ انگیزی کیا کم ہے۔

عنقریب خدا آپ کو ایک کلمہ پر جمع کر دے گا اور آپ کے ذریعہ افتراق کو ختم کر دے گا اور آپ کے سبب علاحدگی وسنگدلی کو دور کر دے گا۔ آپ کے باعث اس زخم کا مداوا کرے گا، آپ کے توسط سے اس فتنہ کی آگ کو خاموش کرے گا، آپ ہی کے وسیلہ سے شیطان اور اس کے گروہ کو رسوا کرے گا اور آپ خدا کے نزدیک کامیاب ہو جائیں گے۔ خصوصاً آپ تو اہل بیتؑ کی اولاد سے ہیں جیسا کہ میں نے سنا ہے لہٰذا ایسے اعمال بجا لائیے جن کے سبب آپ ان (اہلبیتؑ) کے ساتھ محشور ہو سکیں۔ "اور تمھاری امت ایک ہی ہے میں تمھارا رب ہوں پس میری عبادت کرو"۔ "اور کہہ دیجیے کہ نیک عمل بجا لاؤ کیونکہ خدا، اس کا رسولؐ اور مومنین تمھارے اعمال کو دیکھتے ہیں"۔ اور خدا، ہمیں اور آپ کو توفیق عطا فرمائے اسی میں لوگوں اور شہروں کی فلاح ہے۔ خدا ہمیں اور آپ کو اپنے مخلص بندوں میں شمار کرے۔ اس خط کے ہمراہ اپنی کتاب ثم اھتدیت کا ایک نسخہ بھی ارسال کر رہا ہوں۔ یہ کتاب میں نے اسی موضوع پر تالیف کی ہے۔

میری طرف سے یہ ہدیہ ہے، امید ہے کہ قبول فرمائیں گے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مخلص

محمد تیجانی سماوی تیونسی

(ماخوذ از اہل الذکر مرتبہ ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی)

Presented by www.ziaraat.com

اس (طویل) خط کی بنیاد، اساس اور جنبش قلم کا محور دراصل حق اور حق پرستی، انسانیت اور انسانی قدروں کے خلاف وہ غیر شائستہ اور مذموم گفتگو ہے جو ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی اور جماعت اسلامی کے مفتی شیخ عزیزالرحمن نیز ان کے گمراہ حوارئین کے درمیان انھیں کی مسجد بمبئی میں ناخوشگواری کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔ اس گفتگو کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ یہ کہ مفتی صاحب نے شیعوں پر لعن طعن کی اور فرمایا کہ شیعہ مسلمان نہیں ہیں۔

۲۔ یہ کہ شیعوں کا قرآن پر ایمان نہیں ہے، وہ منافق ہیں اور تقیہ پر عمل کرتے ہیں۔

۳۔ یہ کہ شیعہ یہودی ہیں کیونکہ اس (شیعیت) کا مؤسس عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔

۴۔ یہ کہ مفتی صاحب کے حوارئین میں سے ایک (جاہل) نے کہا کہ جو شخص خلفائے راشدین کے ساتھ معاویہ اور یزید کی خلافت پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں ہے۔

۵۔ مفتی صاحب اور ان کے حوارئین ڈاکٹر سماوی کو قتل کرنا چاہتے تھے کیونکہ ان کا جرم یہ تھا کہ انھوں نے تحقیق و جستجو کے بعد اپنے کو شیعیت سے متمسک کر لیا تھا اور حق کا راستہ اختیار کر لیا تھا، جب کہ اس سے قبل وہ سنی مسلمان تھے اور مالکی مسلک پر گامزن تھے

۶۔ موصوف کا قصور یہ بھی تھا کہ شیعیت کا تاج اپنے سر پر رکھنے کے بعد انھوں نے ایک تحقیقی کتاب لکھی جس کا نام ثُمَّ اهْتَدَيْتُ

ہے۔ اس کتاب میں قرآنی آیات، احادیث نبوی اور تاریخی حوالوں کے ذریعہ برادران اہل سنت کو اہل بیتؑ کا مسلک اختیار کرنے اور صراط مستقیم پر گامزن ہونے کی مخلصانہ دعوت دی گئی ہے۔

بے شک اخلاقی معیار سے گرا ہوا یہ غیر شائستہ انداز گفتگو نیز مفتی صاحب اور ان کے بدبخت و بدعقیدہ حوارئین کا ارادۂ قتل ایک سنگین اور افسوسناک حادثہ ہے جو ایک غیر ملکی محقق، مؤلف اور تاریخ داں (ڈاکٹر تیجانی سماوی تیونسی) کے ساتھ ہمارے ملک ہندوستان کے شہر بمبئی میں حق کی دفاع کے سلسلے میں پیش آیا۔

ظاہر ہے کہ جس شخص کی نگاہیں قرآنی آیات، احادیث نبویؐ، اقوال ائمہؑ صراط مستقیم اور تاریخی حقائق کی نزاکتوں پر مرکوز ہو چکی ہوں، اس کا حق پرست ضمیر بھلا اس قسم کی لغو، مہمل، بے ہودہ اور بے بنیاد گفتگو کی تلخیوں کو کیسے فراموش کر سکتا ہے جبکہ وہ غیر ملکی بھی ہو۔ چنانچہ محترم ڈاکٹر سماوی نے مولوی سید ابوالحسن علی ندوی ہندی کو ہندوستان کے تمام سنی مسلمانوں کا مرجع سمجھ کر جو احتجاجی خط روانہ کیا اور انھیں تفصیلی گفتگو کے ذریعہ بمبئی میں رونما ہونے والے حادثے کی نزاکت سے آگاہ کیا وہ موصوف کا فطری عمل تھا اور انھیں یہی کرنا بھی چاہیے تھا جو انھوں نے کیا۔ یہ اور بات ہے کہ مولوی ندوی صاحب کی ذہنی عصبیت اس خط کے وزن کی متحمل نہ ہو سکی اور وہ جواب دینے کے بجائے دانستہ یا نادانستہ طور پر اپنا دامن بچا گئے۔ ندوی صاحب کی اس خاموشی یا چشم پوشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈاکٹر سماوی کو یہ خط اپنی کتاب "اہل الذکر" میں کھلے طور پر شائع کرنا پڑا۔

کاش ڈاکٹر سماوی اس امر حقیقت سے بھی آگاہ ہوتے کہ مولوی

Presented by www.ziaraat.com

ندوی کی مرجعیت محض مسلمانوں کے ایک خاص فرقہ کے لیے کچھ بھی ہو سکتی لیکن ہندوستان کے حنفی، مالکی یا شافعی مسلمان نہ تو موصوف کی مرجعیت کے قائل ہیں اور نہ ہی انھیں اپنا دینی پیشوا یا مذہبی رہبر تسلیم کرتے ہیں اس لیے کہ دونوں کے عقائد مختلف ہیں اور ان کے اسلامی نظریات میں فرق ہے۔ لہٰذا ندوی صاحب کی ذات سے یہ امید رکھنا کہ وہ کسی گمراہ، پراگندہ اور غلیظ معاشرہ کے لیے کوئی اصلاحی کوشش کریں گے یا کوئی ایسی تدبیر اختیار کریں گے جس کا مقصد اہل بیتؑ کے مسلک سے وابستگی کی تلقین ہو، میرے خیال میں محض خوش فہمی ہے۔

شیعیت کی مضبوط و مستحکم اساس، اس کی غیرت اور حمیت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے مفتی شیخ عزیز الرحمٰن کو ان کی اس گفتگو کا دنداں شکن جواب دیا جائے اور انھیں یہ باور کرایا جائے کہ شیعوں کے بارے میں جو آپ کا نظریہ ہے وہ مہمل اور غلط ہے۔

حالانکہ یہ مسئلہ میرا ذاتی نہیں ہے لیکن شیعیت کی دفاع کا مسئلہ ضرور ہے۔ اس لیے میرا یہ فرض بھی ہے کہ ایک شیعہ کی حیثیت سے اس مسئلے کو میں اپنا مسئلہ تصور کروں اور اس کا دفاع کروں اور مفتی شیخ عزیز الرحمٰن کو یہ بتاؤں کہ حق کیا ہے، باطل کیا ہے؟ ممکن ہے کہ موصوف میری گفتگو سے مطمئن ہو جائیں اور اگر ایسا ہوا تو میں یہ سمجھوں گا کہ میری کوشش بار آور ہوئی اور میں نے باطل کے مرحب کو زیر کر کے ایک قلعہ فتح کر لیا۔ اسی امید کے ساتھ مفتی صاحب کے نام مندرجہ ذیل کھلا خط میں اپنی اس کتاب میں شامل کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ وہ مفتی صاحب کو عقل سلیم عطا کرے اور ان کے دل و دماغ سے باطل کی تاریکی دور کر کے انھیں اہل بیتؑ کی معرفت کا نور عطا فرمائے۔

کھلا خط

بنام شیخ عزیز الرحمٰن صاحب مفتی جماعت اسلامی ہند بمبئی

محترمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی تیونسی کی طرف سے ان کی کتاب "اہل الذکر" میں مولوی سید ابوالحسن علی (علی میاں ندوی) کے نام ایک کھلا خط شائع ہوا ہے جسے میں نے بھی اپنی اس کتاب میں نقل کر دیا ہے تاکہ میرے قارئین بھی اس خط کو ملاحظہ فرما سکیں۔

مذکورہ خط میں منجملہ دیگر باتوں کے آپ نیز آپ کے حوارئین اور ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی کے درمیان ہونے والی اس ملاقات کا افسوسناک تذکرہ بھی ہے جو آپ ہی کی مسجد (بمبئی) میں ہوئی۔

ڈاکٹر سماوی نے اس حادثاتی ملاقات کے ذیل میں جن تعجب خیز باتوں کا انکشاف کیا ہے ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ آپ نے شیعوں پر لعن طعن کی اور فرمایا کہ شیعہ مسلمان نہیں ہیں۔

۲۔ آپ نے فرمایا کہ شیعوں کا قرآن پر ایمان نہیں ہے، وہ منافق ہیں اور تقیہ پر عمل کرتے ہیں۔

۳۔ آپ نے فرمایا کہ شیعہ یہودی ہیں کیونکہ اس کا مؤسس عبداللہ بن سبا

Presented by www.ziaraat.com

یہودی تھا۔

۴۔آپ کے حوارئین میں سے کسی نے فرمایا کہ جو شخص خلفائے راشدین کے ساتھ معاویہ اور یزید کی خلافت پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں ہے۔

۵۔آپ اور آپ کے حوارئین ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی تیونسی (جو آپ کے مہمان بھی تھے اور غیر ملکی بھی) کو قتل کرنا چاہتے تھے جبکہ اس سے قبل وہ سنی تھے اور مالکی مسلک سے وابستہ تھے، نیز آپ کی نظر میں ان کا قصور یہ بھی تھا کہ انھوں نے شیعیت اختیار کرنے کے بعد ایک کتاب "ثم اہتدیت" کے نام سے لکھی ہے، جس میں برادران اہل سنت کو اہل بیتؑ کا مسلک اختیار کرنے کی مخلصانہ دعوت دی گئی ہے۔

محترم! مجھے اس حقیقت سے انکار نہیں کہ نمبر(۱) سے (۴) تک شیعوں اور شیعیت کے خلاف جن لغو، مہمل اور مفروضہ باتوں کا اظہار آپ نے اپنی زبان سے کیا ہے وہ ازل ہی سے آپ کے اعتماد میں پیوست ہیں اور ان پر یقین کا باطل عقیدہ آپ کو اپنے اسلاف سے وراثت میں ملا ہے۔ لیکن شاید آپ کو یہ نہیں معلوم کہ وقت کے ساتھ وقت کی رفتار بھی بدلتی ہے، قدریں بھی بدلتی ہیں، تہذیب و تمدن بھی بدلتا ہے، انسانی معاشرہ بھی بدلتا ہے اور انسان کے خیالات و نظریات بھی بدلتے ہیں۔ اور جو شخص اس تغیر و تبدل سے بیگانہ ہے وہ اس گزرتی ہوئی بیسویں صدی کا "ابوجہل" ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا دور تحقیق و جستجو کا دور ہے،

ترقی و بلندی کا دور ہے، تجلی و روشنی کا دور ہے اور اس دور کا انسان حقائق و معارف تک پہنچنا چاہتا ہے، پستی سے بلندی کی طرف پرواز کرنا چاہتا ہے، اندھیرے سے روشنی کی طرف بھاگنا چاہتا ہے، زمین کی سطح سے اٹھ کر افلاک کی سیر کرنا چاہتا ہے۔ وہ خوش نصیب ہیں جن کی آنکھوں میں صداقت و معرفت کا نور ہے اور وہ بدبخت ہیں جو باطل کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔

یہ بھی ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم ایک ایسے جمہوری ملک کے باشندے ہیں جہاں دیگر حقوق کے ساتھ ساتھ مذہبی حقوق کا بھی خیال رکھا جاتا ہے اور اس کی اشاعت بھی اس کے بنیادی دستور میں شامل ہے، بشرطیکہ وہ مفاد عامہ اور تہذیب و شائستگی کے دائرے میں ہو۔ یہاں ہر عقیدے اور ہر مکتب فکر کے مفکرین و دانشور اپنے خیالات کا اظہار تحریراً و تقریراً کرتے رہتے ہیں اور سنجیدہ و تعلیم یافتہ طبقہ ان پر غور کر کے اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے اور عوام ایسی ہی رائے کو قابل اعتنا بھی سمجھتے اور عقل سلیم کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ کسی شاعر، مصنف، مقرر، مفکر یا گفتگو کرنے والے شخص کی ذات یا اس کے مسلک پر غور کیے بغیر یہ دیکھا جائے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ اس کا دعویٰ مدلل ہے یا غیر مدلل؟ کیونکہ ہر وہ بے دلیل بات جسے عقل قبول کرنے سے قاصر ہو کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ شیعوں اور شیعیت کے بارے میں جو کچھ آپ نے ڈاکٹر سماوی سے فرمایا ہے، اس کے لیے آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ کیا آپ کی اس گستاخی اور بے ہودگی سے شیعوں کے جذبات مجروح نہیں ہوئے؟ کیا آپ نے اس تہمت کی حقیقت معلوم کرنے کی کبھی کوئی سعی کی ہے؟

Presented by www.ziaraat.com

کیا آپ نے اپنی ان کتابوں کا مطالعہ کیا ہے جن میں اکابر علمائے اہلِ سنت نے اپنے ائمہ اربعہ کی فقہ کی بہ نسبت فقہ جعفری یعنی "شیعہ فقہ" کو زیادہ معتبر اور قدیم ترین تسلیم کیا ہے؟ اگر آپ کو علاوہ اس کے کہ "شیعہ مسلمان نہیں ہیں" کچھ نہیں معلوم تو شیعیت کی سرگزشت اور حقیقت کو ہمارے قلم کی زبان سے سنیے، سمجھیے، غور کیجیے اور پھر بتائیے کہ تردید کے لیے آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ مگر شرط یہ ہے کہ میری تحریر کو پڑھنے سے پہلے تعصب کی عینک اتار دیجیے اور اپنے دل و دماغ کو بغض، کینہ اور عداوت کے گرد و غبار سے صاف کر لیجیے۔

(۱) یہ کہ بقول ڈاکٹر سماوی، آپ نے شیعوں پر لعن طعن کی اور فرمایا کہ شیعہ مسلمان نہیں ہیں۔

محترم! اس کا جواب تحریر کرنے سے پہلے میں آپ پر یہ واضح کر دوں کہ خوش قسمتی سے میں بھی شیعہ ہوں اور ایک شیعہ ہونے کی حیثیت سے مجھ پر بھی یہ فرض ہے کہ میں آپ سے سوال کروں کہ آخر کیوں؟ کیا قرآن میں کہیں یہ صراحت ہے کہ شیعہ مسلمان نہیں ہیں؟ کیا اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فرمایا ہے؟ کیا آپ کی اس بات میں کوئی تاریخی وزن ہے؟ اگر یہ کچھ نہیں ہے تو پھر کیا آپ پر الہامی کیفیت طاری ہوئی ہے؟ یا آسمان سے کوئی وحی نازل ہوئی ہے جس میں آپ سے یہ درخواست کی گئی ہو کہ آپ اعلان کر دیجیے کہ شیعہ مسلمان نہیں ہیں۔ اگر یہ بھی نہیں ہے تو کیا آپ شیعوں کو محض اس بنیاد پر دائرہ اسلام سے خارج کرتے ہیں کہ وہ رسول اسلام اور اہل بیتؑ کا اتباع کرتے ہیں اور اہل بیتؑ رسالت سے آپ کی چودہ سو سالہ پرانی دشمنی ہے بالکل اسی

طرح کہ جس طرح آپ کے خلفاء (ابوبکر، عمر، عثمان، معاویہ اور یزید) کو تھی، جنھوں نے اپنی منافقت، دشمنی، اور ہوسِ اقتدار کی بنا پر خانوادۂ نبوت کو تاراج اور تباہ و برباد کر دیا۔ یقین مانیے کہ یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ قرآن، پیغمبری حدیثیں اور تاریخیں اس امر کی گواہ ہیں۔

جناب والا! میں اس امر کی وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ جو مفروضہ باتیں آپ نے وثوق و اعتماد کے ساتھ شیعیت پر اتہام کی شکل میں ڈاکٹر سماوی کے روبرو پیش کی ہیں وہ نئی نہیں ہیں بلکہ بہت پرانی ہیں اور اس قسم کے الزامات شیعوں پر عائد کیے جاتے رہے ہیں اور اہل حق کی طرف سے ان کے جوابات دیے جاتے رہے ہیں۔

بہرکیف! شیعہ مسلمان ہیں یا نہیں؟ اس کے ذیل میں ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ شیعیت کو مسلمانوں میں روشناس کرانے کا ذمہ دار کون ہے اور اس کی ابتدا کب سے ہوئی؟

تاریخیں یہ بتاتی ہیں کہ شیعیت کو مسلمانوں میں روشناس کرانے کی ذمہ داری رسول اسلام حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر ہے اور اس کی ابتدا آپ ہی کی حیات طاہرہ میں ہوئی۔ جس کی تصدیق مندرجہ ذیل احادیث سے ہوتی ہے اور یہ وہ حدیثیں ہیں جنھیں علمائے اہل سنت نے بھی اپنی معتبر کتابوں میں بیان کیا ہے۔

چنانچہ علامہ سیوطی اپنی تفسیر درمنثور میں رقمطراز ہیں کہ:

"جناب جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں حضرت علیؑ آتے ہوئے دکھائی دیے۔ آنحضرتؐ نے انھیں آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: قسم ہے

Presented by www.ziaraat.com

اس ذات برحق کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، یقیناً علیؑ
اور ان کے شیعہ قیامت میں کامیاب و رستگار ہیں۔[1] اسی وقت یہ آیت
نازل ہوئی اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ
خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ط یعنی جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا یقیناً وہی لوگ
بہترین خلائق ہیں۔"

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

"رسول اللہ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ خدا نے تم کو، تمہاری ذریت
کو، تمہاری نسل کو اور تمہارے شیعوں کو بخش دیا ہے۔"[2]

پھر فرماتے ہیں:

"رسول اللہ نے فرمایا کہ اے علیؑ! تم اور تمہارے شیعہ سب
بہشت میں جائیں گے۔"[3]

اسلامی لغت "نہایہ" میں ابن اثیر لفظ "قمح" کی تشریح کے ذیل میں
رقمطراز ہیں کہ آنحضرتؐ نے علیؑ سے فرمایا کہ تم اور تمہارے شیعہ خدا کے
حضور میں اس طرح آؤ گے کہ تم خدا سے خوش ہو گے اور خدا تم سے
راضی ہوگا اور تمہارے دشمن یوں آئیں گے کہ ان کے ہاتھ پسِ گردن
بندھے ہوں گے اور خدا ان پر بے حد غضبناک ہوگا۔ اس کے بعد
حضورؐ نے اپنے دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے لے جا کر عملی طور پر بتایا کہ
یوں ہاتھ پسِ گردن بندھے ہوں گے

صاحب نہایہ لفظ "شیعہ" کی صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں

---

[1] تفسیر در منثور ج ۶ ص ۳۷۹ مطبوعہ مصر [2-3] صواعق محرقہ ص ۹۶

کہ شیعہ کا لفظ حضرت علی اور ان کی اولادوں کے دوستوں اور پیروی
کرنے والوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

علامہ سیوطی، علامہ ابن حجر مکی اور ابن اثیر کی تحریروں سے یہ بات بخوبی
واضح ہو جاتی ہے کہ لفظ شیعہ کو عام مسلمانوں میں متعارف کرانے والی ذات
اولین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی۔ اور شیعہ وہ ہیں جو حضرت
علی علیہ السلام اور ان کی اولادوں سے محبت رکھتے ہیں اور ان کی پیروی
کرتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شیعہ حضرات حضرت علی علیہ السلام اور
ان کی اولادوں سے کیوں محبت کرتے ہیں؟ ان سے والہانہ وابستگی کے
علل و اسباب کیا ہیں؟

اس کے جواب میں یوں تو کئی قرآنی آیتیں اور بے شمار حدیثیں موجود
ہیں مگر چونکہ اختصار بھی مدنظر ہے اس لیے ہم فی الحال صرف آیۂ مودت اور
حدیث ثقلین پر اکتفا کرتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ط

یعنی "اے محمد! تم اپنی امت سے کہہ دو کہ کارِ نبوت (ہدایت) کے
بدلے میں تم سے کوئی اجر نہیں طلب کرتا علاوہ اس کے کہ تم میرے
قرابت داروں سے محبت کرو (شوریٰ۔ ۲۳)

یہ آیت اہل بیتِ رسولؐ کی شان میں نازل ہوئی ہے جس میں خداوند
عالم رسولؐ کی آل سے محبت کو لازمی قرار دیتا ہے۔[1] رسولؐ سے کسی شخص نے

---

[1] ارجح المطالب ص ۶۶، کوکب دری ص ۱۳۳؛ م ۳۲

Presented by www.ziaraat.com

پوچھا کہ اے حبیبِ خدا! وہ کون ہیں جن کی محبت خدا نے ہم پر واجب کی ہے؟ فرمایا: علیؑ، فاطمہؑ اور ان کے فرزندان حسنؑ و حسینؑ۔ پھر فرمایا: جو شخص میرے اہل بیت پر ظلم کرے گا اور انھیں اذیت دے گا اس پر بہشت حرام ہے[1]۔

محترم! جب آپ تاریخ سے پوچھیں گے کہ اہل بیتؑ رسولؐ پر ظلم ڈھانے والے اور انھیں اذیت دینے والے کون کون ہیں؟ جن پر اللہ نے بہشت کو حرام کر دیا ہے تو وہ آپ کو یہ ضرور بتائے گی کہ حیات پیغمبرؐ میں حکم رسالت کی نافرمانیوں کے مرتکب کون لوگ تھے اور بعد وفات رسولؐ کن کن لوگوں نے اہل بیتؑ رسالت پر مظالم کے پہاڑ توڑے انھیں اذیتیں دیں، ان کے حقوق کو غصب کیا۔ اور جب آپ پر ساری حقیقت آشکار ہو جائے گی تو میرا دعویٰ ہے کہ آپ اپنے خلفاء کا نام لیتے ہوئے شرم محسوس کریں گے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰکِبُوْنَ ۝ (مومنون ۷۴)

"جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے وہ صراط (سیدھی راہ) سے الگ ہیں"۔

صاحب کوکب دری کا کہنا ہے کہ یہاں صراط سے مراد اہل بیتؑ کی محبت اور ولایت ہے[2]۔ علامہ فخر الدین رازی نے اس آیت (آیۂ مودت)

۱؎ تفسیر کشاف علامہ زمخشری ج ۳ ص ۶۷ مطبوعہ مصر، صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد، در منثور وغیرہ ۲؎ کوکب دری ص ۱۳۳ (م) ۳۱

کے سلسلے کی تمام روایتوں کو نقل کر کے فرمایا ہے کہ:

"جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضرت رسولؐ خدا کے قرابت دار ان کے اہل بیتؑ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ ہی ہیں تو واجب ہے کہ ان کی خاص طور پر تعظیم کی جائے۔ اس کی کئی وجہیں ہیں۔ ایک تو یہی آیۃ المودۃ فی القربیٰ، دوسرے اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت رسولؐ خدا، انھیں (اہل بیتؑ) کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ فاطمہ زہراؑ کے لیے فرمایا کہ فاطمہؑ میرا پارۂ جگر ہے جس نے اسے اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔ اور متواتر حدیثوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت رسولؐ خدا، حضرت علیؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو دوست رکھتے تھے تو پوری امت اسلام پر ان کی محبت واجب ہو گئی کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ لوگو! تم (سب) رسولؐ کی پیروی کرو تاکہ ہدایت پاؤ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جو لوگ رسول کی مخالفت کرتے ہیں انھیں عذاب سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ تیسری بات یہ ہے کہ آل محمدؐ کے لیے دعا کرنا بہت بڑا منصب ہے۔ اسی وجہ سے اس دعا کو یہ درجہ دیا گیا ہے کہ نماز میں تشہد کا خاتمہ اسی پر ہو۔ غرض کہ یہ سب باتیں ثابت کرتی ہیں کہ آل محمدؐ کی محبت ہر مسلمان پر واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام شافعی نے اپنے ایک شعر میں کہا ہے کہ اگر آل محمدؐ کی دوستی سے انسان رافضی ہو جاتا ہے تو دنیا بھر کے لوگ گواہ رہیں کہ میں سب سے بڑا رافضی ہوں"۔

عزیز گرامی! غالباً آپ اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہوں گے کہ شیعہ اسی قرآنی

۱؎ تفسیر کبیر، علامہ فخر الدین رازی مطبوعہ استنبول ج، ص ۴۰۶، صواعق محرقہ ص ۱۰۱، ارجح المطالب باب ۲ ص

Presented by www.ziaraat.com

آیت پر عمل پیرا ہو کر اہل بیتؑ سے والہانہ محبت رکھتے ہیں اور اجر رسالت ادا کرتے ہیں۔ اب آپ خود منصفانہ طور پر اپنے دل و دماغ میں یہ فیصلہ کریں کہ کیا آل محمدؐ سے محبت رکھنے والے اور اجر رسالت ادا کرنے والے مسلمان نہیں ہیں؟ کیا آپ انھیں دائرۂ اسلام سے خارج کر سکتے ہیں؟

آئیے اب حدیث ثقلین پر غور کریں جس میں پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے کہ:

"مسلمانوں! میں تمھارے درمیان دو گراں بہا) چیزیں چھوڑ رہا ہوں، ایک قرآن اور دوسرے میرے اہل بیتؑ ہیں۔ یہ دونوں عظمت میں مساوی ہیں اور اس وقت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے جب تک میرے پاس حوض کوثر پر (بروز قیامت) وارد نہ ہوں۔ اگر تم ان (دونوں) سے متمسک رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔"

یہ حدیث مسلسل و متواتر ہے۔ اس کو ساٹھ راویوں نے بیان کیا ہے اور ۱۸۵ علماء نے اس حدیث کی صحت کی تصدیق کی ہے۔ ان تمام راویوں اور علماء کی فہرست کا پیش کیا جانا اس خط میں ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا چند راویوں اور کتابوں کے ناموں پر اکتفا کرتا ہوں جو درج ذیل ہیں تاکہ آپ پر اس حدیث کی صحت، تواتر اور اہل بیت کی عظمت و تقدیس واضح ہو جائے۔

علمائے کرام

(۱) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (۲) ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم اسفرائنی (۳) ابو عمر احمد بن محمد بن عبد ربہ (۴) محمد بن سلیمان بن

داود بغدادی (۵) ابو بکر احمد بن حسین بن علی البیہقی (۶) ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی (۷) ابو عامر عبد الملک العتدمی (۸) سبط ابن جوزی (۹) محمد بن سعد ازہری (۱۰) جلال الدین سیوطی (۱۱) شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۱۲) سلیمان بن ابراہیم مفتی اعظم قسطنطنیہ (۱۳) امام احمد بن حنبل وغیرہ

اسمائے کتب

صحیح مسلم، مسند احمد بن حنبل، سنن ترمذی، خصائص نسائی، مستدرک علی الصحیحین، کتاب المناقب اخطب خوارزم، کتاب المناقب ابن المغازلی، احیار الملت جلال الدین سیوطی، در منثور سیوطی، خواص الامہ ابن جوزی، مشکواۃ المصابیح، ریاض النظرہ، جامع الاصول، اسد الغابہ، تاریخ ابن کثیر، ازالۃ الخفاء، عقد الفرید، حلیۃ الاولیاء، کاشف شرح مشکواۃ اور مدارج النبوہ وغیرہ۔

علمائے کرام اور کتابیات کی اس مختصر فہرست میں نہ کوئی شیعہ عالم شامل ہے اور نہ ہی کوئی شیعہ کتاب، بلکہ یہ وہ سنی علماء اور سنی کتابیں ہیں جن کی عظمت سے انکار کرنے والا شیعہ ہو یا سنی جاہل ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کتابوں میں بھی آل رسولؐ کی عظمت و فضیلت کے منافی بعض روایتیں شامل ہو گئی ہیں جو اپنی عدم صحت کی بنا پر ناقابل قبول اور قابل اخراج ہیں۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران ۱۰۳)

"خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھامو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔"

علامہ فخر الدین رازی اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

Presented by www.ziaraat.com

"ابو سعید خدری نے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں تم لوگوں میں دو بڑے ذریعے چھوڑے جاتا ہوں ایک قرآن مجید جو زمین سے آسمان تک پھیلی ہوئی رسی ہے، دوسرے میری عترت اور اہل بیت علیہ السلام[1]"

امام ترمذی نے زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ:

"حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم میں وہ چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ جب تک تم ان کی پیروی کرتے رہو گے میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے۔ ایک قرآن مجید جو زمین سے آسمان تک پھیلی ہوئی رسی ہے دوسرے میری عترت جو میرے اہل بیتؑ ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے کبھی الگ نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پہ پہنچ جائیں۔ دیکھنا ہے کہ تم میرے بعد ان کی پیروی کس طرح کرتے ہو[2]"

آیۂ مودت، حدیث ثقلین اور تاریخی تجزیہ سے مندرجہ ذیل باتیں منکشف ہوئیں:

(الف) "لفظ شیعہ" اور شیعیت کے مقصد و طرز عمل کو مسلمانوں کے درمیان روشناس کرانے کی ذمہ داری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہے۔

(ب) یہ کہ شیعہ جنتی ہیں اور اہل بیتؑ کے ساتھ جنت میں جائیں گے۔

(ج) اللہ نے (قرآن میں) اہل بیتؑ سے محبت کا حکم دیا ہے جو ہر مسلمان پر فرض ہے۔

---

[1] تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۴، ترمذی ج ۲ ص ۲۴۱، تفسیر نیشاپوری ج ۱ ص ۳۴۹، شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۶۷۷ [2] مشکوٰۃ ج ۸ ص ۱۳۳

(د) یہ کہ رسول اللہ صلعم نے کارِ رسالت، تبلیغ نبوت اور اسلام کی خدمت کا مسلمانوں سے کوئی اجر نہیں مانگا بجز اس کے کہ آپؐ کے اہل بیتؑ سے محبت کی جائے۔

(س) قرآن و اہل بیتؑ کی عظمت مساوی ہے اور وہ ایک دوسرے میں اس طرح ضم ہیں کہ انھیں قیامت تک جدا نہیں کیا جا سکتا۔

(ف) قرآن و اہل بیتؑ سے تمسک ضروری ہے اور یہی وہ عمل ہے جو رسول اللہؐ کے ساتھ مسلمانوں کو حوض کوثر پہ مجتمع کرے گا۔

(ی) یہ کہ قرآن و اہل بیتؑ سے تمسک رکھنے والا کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا۔

محترم عزیز الرحمٰن صاحب! میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر پورے وثوق و اعتماد کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ شیعہ احکامات الٰہی اور ارشادات نبوی کے مکمل طور پہ پابند ہیں۔ قرآن و اہل بیتؑ سے متمسک ہیں، آلِ رسولؐ کے شیدا ہیں اور ان سے محبت رکھتے ہیں، خدا کی وحدانیت اور رسولؐ کی رسالت پر ان کا عقیدہ ہے۔ نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، حج کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، خمس ادا کرتے ہیں، اہلِ بیتؑ کے دوست ہیں اور دشمنان رسول و آلِ رسولؐ و منافقین اسلام پر کھل کر لعنت کرتے ہیں۔

عزیز گرامی! شیعوں کو غیر مسلم قرار دینا یا انھیں دائرۂ اسلام سے خارج کرنا آپ، آپ کے حوارئین یا آپ کے مسلک کے افراد کے بس میں نہیں ہے۔ اس لیے کہ شیعہ جن امور اسلامی پر کاربند ہیں وہی عین اسلام ہے جو اپنے نیک بندوں کو جنت کی بشارت دیتا ہے اور اس سے انحراف کا نظریہ قطعی طور پر غیر اسلامی ہے جو انسان کو عذاب الٰہی اور دوزخ کی

Presented by www.ziaraat.com

طرف لے جاتا ہے۔ اب آپ خود سوچیں کہ اپنی مسلمانی کے ساتھ آپ جس راستے پر گامزن ہیں وہ کس طرف جاتا ہے؟

○

(۲) آپ نے یہ فرمایا ہے کہ شیعوں کو قرآن پر ایمان نہیں۔ وہ منافق ہیں اور تقیہ پر عمل کرتے ہیں۔

سبحان اللہ! "نیا جال لائے پرانے شکاری"

حضور! آپ نے یہ کیسے باور کر لیا کہ قرآن پر شیعوں کا ایمان نہیں ہے، کیا اس ضمن میں کوئی ایسا دستاویزی ثبوت آپ کے "کشکول تعصب" میں ہے جو قرآنی، پیغمبری یا تاریخی ہو؟ یا آپ نے محض جماعت اسلامی کے مفتی کی حیثیت سے بہ زعم خود شیعوں کے خلاف یہ تہمتی فتویٰ صادر فرما دیا ہے؟ یا پھر عداوت و نفرت کا یہ ردِّ عمل ہے؟... آخر کیا ہے؟

اگر آپ کا اشارہ اس "روداد مفروضہ" کی طرف ہے کہ شیعہ قرآن میں تحریف کے حامی یا قائل ہیں تو یہ داستان بہت پرانی ہے جسے اکثر و بیشتر دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے آپ حضرات دہرایا کرتے ہیں اور شیعوں کی طرف سے اس کا منہ توڑ جواب دے دیا جاتا ہے لیکن... خدا بھلا کرے ہٹ دھرمی کا کہ وہ آپ حضرات کو چین سے بیٹھنے ہی نہیں دیتی۔

تحریف قرآن کی بحث ایک طولانی بحث ہے جس کا متحمل یہ خط نہیں ہے ورنہ ایک کتاب بن جائے گا۔ فی الحال آپ کی خدمت میں یہی عرض کرنا چاہوں گا کہ شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہرگز نہیں ہیں بلکہ ان کا تو یہ عقیدہ ہے کہ جو قرآن اس وقت موجود ہے وہ کلام الٰہی ہے اور اس میں

کوئی لفظ ایسا شامل نہیں ہے جو پروردگار عالم کی جانب سے رسولِ اکرمؐ پر وحی کے ذریعہ نازل نہ ہوا ہو۔ اس کے برعکس شیعہ اس امر حقیقت سے بھی انکار نہیں کرتے کہ قرآن میں تحریف کے ذمہ دار آپ کے اکابرین صحابہ ہیں جن کی اس ناروا کاوش کو آپ ہی کے علماء نے قلم بند کر کے اپنی کتابوں میں قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔

جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطی اور امام راغب اصفہانی ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ:

"ابن عمر نے کہا کہ کوئی تم میں سے یہ کہے کہ میرے پاس مکمل قرآن ہے تو اسے کیا معلوم کہ مکمل قرآن کتنا ہے۔ قرآن کا بہت سا حصہ ضائع ہو گیا ہے۔ ہاں، وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے پاس بس اتنا ہی قرآن ہے جتنا کہ اب ظاہر ہے[۱]۔"

جیسا کہ: "حضرت عمر نے فرمایا کہ قرآن میں دس لاکھ ستائیس ہزار کلمات تھے اور موجودہ قرآن میں ،، ہزار نو سو چونتیس ہیں۔"[۲]

حضرت عمر کے اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ ۹ لاکھ ۴۹ ہزار ۶۶ کلمات قرآن سے خارج کر دیے گئے۔

جیسا کہ: "حضرت عمر نے عبدالرحمٰن بن عوف سے فرمایا کہ آیت ان جاھدوا کما جاھدتم اول مرۃ .... مجھے قرآن میں نہیں ملتی، کیا تو بھی اس آیت کو نہیں پاتا۔ عبدالرحمٰن نے کہا یہ آیت بھی انھیں آیات کے ساتھ نکال دی گئی جو قرآن سے نکالی گئی ہیں[۳]۔"

---

۱ در منثور جزء الخامس ص ۱۷۹ و محاضرات امام راغب ۲ الاتقان ج ۱ ص ۷۲ ۳ تفسیر اتقان ص ۲۱۷

Presented by www.ziaraat.com

جیساکہ: ”حضرت عثمان نے فرمایا کہ مصحف (قرآن) میں بڑی غلطیاں ہیں، جسے عرب کے اہل زبان خود درست کرلیں[1]۔ اس فرمانے پر ان سے کسی نے کہا کہ حضور آپ ہی درست کر دیجیے تو انھوں نے کہا، جانے بھی دو۔۔۔[2]“

حضرت عثمان کا یہ کہنا کہ قرآن میں بڑی غلطیاں ہیں جنھیں عرب کے زبان داں درست کرلیں، انتہائی تعجب خیز و حیرت انگیز ہے۔ معاذاللہ کسی بشر کی کیا مجال کہ وہ کلام الٰہی کی اصلاح کرے۔ شاید یہی وہ تصور رہا ہو گا جس سے حضرت عثمان پر لرزہ طاری ہو گیا ہو گا اسی لیے انھوں نے فرمایا کہ ”جانے بھی دو“ یعنی غلطی ہے تو رہنے دو۔

جیساکہ: ”عروہ سے مروی ہے کہ میں نے آیت ان الذین آمنوا والذین ھادوا والصابئون اور آیت والمقیمین والموتون الزکوٰۃ اور آیت ان ھذٰن الساحران کی غلطی کی طرف حضرت عائشہ کو متوجہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ کاتبوں نے قرآن میں غلط لکھ دیا ہے[3]۔“

جیساکہ: ”علامہ سیوطی تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن میں آیت مثل نورہ المومن کمشکوٰۃ کی جگہ مثل نورہ کر دیا گیا ہے[4]۔“

جیساکہ: ”حضرت ابوبکر و عمر مالك یوم الدین کے بجائے مَلِكِ

---

[1] تفسیر کبیر ج ۶ ص ۶۹ مطبوعہ مصر [2] تفسیر باب التاویل ج ۱ ص ۵۱، [3] تفسیر درمنثور سیوطی ج ۲ ص ۲۴۶ مطبوعہ مصر، تفسیر معالم التنزیل ص ۵۷۹، مطبوعہ بمبئی۔
[4] تفسیر اتقان ج ۱ ص ۱۸۶

یوم الدین پڑھا کرتے تھے[1]۔“

جیساکہ: ”حضرت عمر اھدنا الصراط المستقیم میں ”الصراط“ کو سین سے یعنی ”السراط“ پڑھا کرتے تھے[2]۔“

جیساکہ: ”حضرت عمر غیرالمغضوب علیھم ولا الضالین کے بجائے غیرالمغضوب علیھم وغیرالضالین پڑھا کرتے تھے[3]۔“

جیساکہ: ”ابن مسعود ”سورۂ فاتحہ“ اور ”معوذتین“ کے داخل قرآن ہونے سے انکار کرتے ہیں[4]۔“

جیساکہ: ”امام بغوی تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن سے بنی امیہ اور قریش کے ستر منافقوں کے نام نکال دیے گئے ہیں[5]۔“

جیساکہ: ”عبداللہ ابن عمر سورۂ قل اعوذ برب الناس اور قل اعوذ برب الفلق کو داخل قرآن نہیں سمجھتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ سورے تعویذ کے لیے نازل ہوئے ہیں[6]۔“

جیساکہ: ”سورہ بینہ کا آخری حصہ قرآن میں نہیں ہے[7]۔“

جیساکہ: ”اتقان سیوطی میں ہے کہ عثمان نے مصحف کو تغیر دیا[8]۔“

جیساکہ: ”عثمان پر صحابہ ناراض ہوئے اور (غصہ میں) کہا کہ تم نے قرآن

---

[1] تفسیر درمنثور ج ۱ ص ۱۶ [2] تفسیر درمنثور ج ۱ ص ۱۴ [3] بخاری پ ۱۸ ص ۴۳ مطبوعہ احمدی پریس [4] تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۶۹ [5] تفسیر معالم التنزیل۔ تفسیر درمنثور ج ۶ ص ۲۱۶ [6] صحیح بخاری پ ۲ ص ۱۱۷ [7] تفسیر درمنثور ج ۶ ص ۳۷۸
[8] اتقان سیوطی ج ۲ ص ۲۵

Presented by www.ziaraat.com

کے "حروف" کو "ایک حرف" کر دیا[1]۔

جیساکہ: "ثوری سے روایت ہے کہ حضرت رسولؐ خدا سے بہت سے صحابی قرآن پڑھا کرتے تھے جو جنگ مسیلمہ میں مارے گئے تو بہت سے حروف قرآن ضائع ہو گئے[2]۔"

جیساکہ: "حذیفہ سے مروی ہے کہ میں نے سورۂ "احزاب" کو رسولؐ اکرم سے پڑھا تھا لیکن اس کی ستر آیتیں بھول گیا۔ پھر وہ نہ مل سکیں[3]۔"

جیساکہ: "حذیفہ نے کہا کہ جس کو تم سورۂ توبہ کہتے ہو، دراصل وہ سورۂ عذاب ہے، قسم خدا کی اس سورہ نے تو صحابہ میں سے کسی کو بغیر اس کے معائب بیان کیے چھوڑا ہی نہیں۔ تم اس سورہ کا چوتھائی حصہ بھی نہیں پڑھتے جو ہم پڑھا کرتے تھے[4]۔"

جیساکہ: "عائشہ سے مروی ہے کہ رسولؐ خدا کے زمانہ میں سورۂ احزاب میں دو سو آیتیں تھیں جو پڑھی جاتی تھیں مگر جب عثمان نے قرآن لکھوایا تو ..... اب جتنی ہیں وہی مل سکیں۔ اور آیت رجم قرآن کا حصہ ہے مگر اب موجودہ قرآن میں نہیں ہے۔"[5]

جیساکہ: "عائشہ فرماتی ہیں کہ خدا نے آیۂ کبیر اور آیۂ رجم نازل فرمائیں اور دونوں آیتیں لکھی ہوئی میرے تکیہ کے نیچے رکھی تھیں جنھیں بکری کھا گئی[6]۔"

---

[1] ازالۃ الخفا ج۲ ص ۱۴۱ [2] ۳ حد سارق ص ۵۰ [3] تفسیر در منثور ج ۵ ص ۱۸ بحوالہ بخاری [4] در منثور ص ۲۰۸ و تفسیر اتقان ج ۱ ص ۵۴ - ۵۵ [5] صحیح بخاری ۴، باب رجم ص ۱۱۹، مسند امام حنبل ج ۱ ص ۲۳، ۴۰، ۵۵، در منثور ۵ ص ۱۸۰، تفسیر اتقان ج ۱ ص ۵۸، موطا امام مالک، محاضرات امام راغب اور فتح الباری وغیرہ [6] تفسیر حقانی ص ۴۳ و محاضرات امام راغب۔

محترم مفتی صاحب! بہ لحاظ اختصار تحریف کے سلسلہ میں جو چند تاریخی نمونے میں نے آپ کی خدمت میں پیش کیے ہیں وہ آپ ہی کے مورخین، مفسرین، مفکرین اور علماء کے رشحات قلم کا نتیجہ ہیں اور ان تاریخی نمونوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان جو آپ اور آپ کے ہم مسلک افراد کی نظر میں تمام خطاؤں سے مبرا و منزہ ہیں۔ قرآنی آیتوں کے ضائع ہو جانے کلام الٰہی میں تغیر و تبدل اور قرآن میں غلطیوں کے قائل ہیں۔ ازواج رسولؐ میں حضرت عائشہ نے تو "چوتی بھوسی" کے بجائے دو قرآنی آیتیں بکری کو کھلا دیں۔ ان کے علاوہ آپ جن ہستیوں کو دینی اور دنیوی اعتبار سے قابل عظمت سمجھتے ہیں ان میں عبداللہ بن عمر، ابن مسعود، ابن عباس، زید بن ثابت، امام ابو حنیفہ، امام فخر الدین رازی، ابو موسیٰ اشعری اور عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ سب کے سب تحریف قرآن کو تسلیم کرتے ہیں۔

اب مجھے یہ حق حاصل ہے کہ میں آپ سے کہوں کہ آپ اپنے خلفاء اور دینی و دنیوی پیشواؤں کی ان غلطیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے ایک مدت سے یہ کہہ کر کہ شیعوں کا قرآن پر ایمان نہیں ہے اس شرمناک الزام کو شیعوں کے سر تھوپنے کے لیے اپنی کوششوں میں مصروف ہیں مگر بس نہیں چلتا۔ خدا کے لیے ہٹ دھرمی چھوڑ کر راہ راست اختیار کیجیے جو دنیا و آخرت دونوں کے لیے آپ کے حق میں باعث شرف ہے۔

(۲) "ب" آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شیعہ منافق ہیں اور تقیہ پر عمل کرتے ہیں۔

آئیے دیکھیں کہ تقیہ کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے۔

(پہلی آیت) لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من

دون المؤمنین ومن یفعل ذٰلک فلیس من اللہ فی شیءٍ الا ان تتقوا منھم تقٰۃ (آل عمران ۲۸)

"مومنین کو چاہیے کہ کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اللہ سے کچھ سروکار نہیں مگر اس تدبیر سے کسی طرح ان سے بچنا چاہو تو خیر۔"

اس آیت کی تفسیر میں علامہ بیضاوی رقم طراز ہیں کہ:

"مومنین کو چاہیے کہ کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں۔ اس آیت میں مومنین کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ اپنی سابق رشتہ داری یا زمانۂ جاہلیت کی محبت والفت وغیرہ کی وجہ سے اب بھی ان کافروں سے دوستی قائم رکھیں تاکہ ان کی دوستی بھی خدا کی راہ میں ہو۔ مگر یہ کہ ان کافروں سے بچنا چاہو۔ یعنی ان سے تمھیں کسی ایسی بات کا خوف ہو جس سے بچنا واجب ہو (تب ان سے دوستی ضرور کر لو) اور یہ فعل حرف مِن کے ساتھ متعدی ہوتا ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم لوگ ان (کافروں) سے ڈر یا خوف کرو، اس کے بعد خدا نے فرمایا ہے تقاۃ مگر امام یعقوب کی قرأت میں یہ لفظ تقیۃ ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ ہر وقت یعنی ظاہر میں اور باطن میں بھی کافروں کی دوستی سے بچیں سوائے خوف کے وقت کے، کیونکہ جب کافروں سے کسی بات کا ڈر ہو تو اس وقت ان سے دوستی کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ وسط میں رہو اور کنارے ہو کر چلو۔ یعنی ظاہر تو یہ کرو کہ تم ان ہی لوگوں کے درمیان ہو مگر اپنی روش سب سے الگ رکھو، اس طرح وہ لوگ تم کو اپنا سمجھیں گے بھی اور تم ان کے مذہب

میں شامل بھی نہ ہو گے۔"[1]

امام بخاری نے لکھا ہے کہ خدا نے جو فرمایا ہے کہ اگر کافروں سے ڈر ہو تو ان سے بچنے کے لیے دوستی کر لو۔ اس میں تقاۃ کا مطلب تقیہ ہے یعنی تم لوگ تقیہ کر لیا کرو۔[2]

علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس جملہ (الا ان تتقوا منھم تقاۃ وھی تقیۃ) کی شرح میں لکھا ہے کہ:

"امام بخاری نے جو قرآن مجید کی لفظ تقاۃ کی تفسیر تقیہ کی تو اس کو انھوں نے امام فن ابو عبیدہ کے قول سے اختیار کیا ہے جنھوں نے لکھا ہے کہ تقاۃ اور تقیۃ دونوں ایک ہی ہیں۔ اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مومن کسی کافر کو اپنا دوست نہ بنائے نہ ظاہر میں نہ باطن میں، ہاں بظاہر اگر تقیہ کرنا ہو ---- تو جائز ہے۔ ظاہراً اس کی دوستی کا اقرار کیا جائے اور دل میں اس کی دشمنی رہے۔"[3]

علامہ زمخشری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"خدا نے اس آیت تقیہ سے مومنین کو اجازت دی ہے کہ جب کافروں سے کسی بات کا ڈر ہو تو صرف ظاہری طور پر ان سے اچھا برتاؤ کریں، میل جول رکھیں اور عمدہ اخلاق کا مظاہرہ کریں لیکن دل میں ان سے مکمل عداوت اور نفرت ہو۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ رہو تم دشمنوں ہی کے درمیان مگر اپنی رفتار کو ان سے الگ رکھو۔"[4]

---

۱ تفسیر بیضاوی ج۱ ص ۱۱۲ مطبوعہ مصر ۲۔ صحیح بخاری کتاب الاکراہ پ۲۸ ص ۵۰۴، مطبوعہ دہلی ۳۔ فتح الباری فی شرح بخاری ۴۔ تفسیر کشاف ج۱ ص ۳۰۰۔

Presented by www.ziaraat.com

یہی محمد بن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے اور علامہ نیشاپوری کی تفسیر بھی یہی ہے۔ لیکن علامہ فخرالدین رازی نے اس طرح وضاحت کی ہے:

"تقیہ اس وقت جائز ہے جب کسی شخص کو کافروں سے اپنی جان و مال کا خوف ہو کیونکہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ مسلمان کے لیے عزت بھی اس کے خون کی عزت کے برابر ہے اور جو شخص تقیہ کی حالت میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے[1]۔"

علامہ خازن، علامہ نسفی، علامہ سیوطی اور بغوی نے بھی اس تفسیر کو لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں تفسیر خازن ج ۱ ص ۲۲۷ مطبوعہ مصر، تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۱۶، تفسیر معالم التنزیل ص ۱۵۳۔ ابن کثیر اور مولوی صدیق حسن خاں بھوپالی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ تقیہ قیامت تک جائز ہے۔

(دوسری آیت) صرف اردو ترجمہ:

"دل سے جھوٹ بنانا تو ان لوگوں کا کام ہے جن کو خدا کی آیتوں کا یقین نہیں، اصل میں یہی لوگ جھوٹے ہیں۔ جو شخص کفر پر مجبور کیا جائے مگر اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو اس سے کچھ مواخذہ نہیں۔ لیکن جو شخص ایمان لائے اور اس کے بعد کفر اختیار کرے تو ایسے لوگوں پر خدا کا غضب اور عذاب عظیم ہے۔" (النحل ۱۰۶)

علامہ قاضی بیضاوی اس آیہ مبارکہ کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"کفار قریش نے حضرت عمار، ان کے باپ یاسر اور ماں سمیہ کو

---

[1] تفسیر کبیر ج ۳ ص ۶۴۶

دین اسلام سے پھر جانے پر مجبور کیا اور ان کی ماں سمیہ کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ کر ایک برچھے سے ان کی شرمگاہ پر مارنا شروع کر دیا یہاں تک کہ وہ بے چاری شہید ہو گئیں پھر ان لوگوں نے حضرت عمار کے باپ یاسر کو بھی شہید کر ڈالا۔ اسلام میں یہی دونوں بزرگ سب سے پہلے شہید ہوئے ہیں۔ اور حضرت عمار نے ان لوگوں کے ظلم اور اذیت سے مجبور ہو کر زبان سے کفر کی بات وہ کہہ دی جو کفار ان سے کہلوانا چاہتے تھے۔ یہ خبر حضرت رسول خدا صلعم تک پہنچی اور لوگوں نے کہا کہ عمار تو کافر ہو گئے مگر حضرت نے انھیں جھڑک دیا اور فرمایا کہ عمار سر سے پاؤں تک ایمان میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ایمان ان کے گوشت و پوست اور خون کے ایک ایک قطرے میں سرایت کیے ہوئے ہے، وہ کافر کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس کے بعد ہی حضرت عمار بھی (روتے ہوئے) رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آں حضرتؐ نے اپنے ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھے اور فرمایا، تم اس طرح روتے کیوں ہو؟ تمھارا نقصان ہی کیا ہوا؟ اگر کفار تم سے پھر وہی بات کہلوانا چاہیں تو کہہ دینا[1]۔"

آنحضرت کا یہ عمل اور یہ ارشاد اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص مجبور کر دیا جائے تو اس کی زبان پر کلمہ کفر کا جاری ہو جانا بھی درست اور جائز ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری پارہ ۲۸ ص ۲۵۰

---

[1] تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۳۹۶

Presented by www.ziaraat.com

اور علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف ج۲ ص ۱۷۶ میں اپنے خیالات کے ساتھ اس آیت کو تقیے کے جواز کی دلیل قرار دیا ہے۔

(تیسری آیت) صرف اردو ترجمہ:

" فرعون بولا' (موسیٰ) کیا ہم نے تمھیں یہاں رکھ کر بچپن میں تمھاری پرورش نہیں کی؟ اور تم اپنی عمر برسوں ہمارے درمیان گزار چکے ہو اور تم اپنا وہ کام (خون قبطی) کر گئے، جو کر گئے اور تم (بڑے) ناشکرے ہو۔" (الشعراء ۱۸-۱۹)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ بیضاوی کہتے ہیں کہ:

" فرعون نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تم کافروں سے ہو تو اس وجہ سے کہ حضرت موسیٰؑ ان فرعونیوں کے ساتھ تقیہ کی زندگی بسر کرتے تھے۔"[1]

علامہ چلپی اس تفسیر بیضاوی کے حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ:

" اگر حضرت موسیٰؑ واقعاً کافروں کی زندگی بسر نہ کرتے اور ان سے الگ رہتے تو فرعون انھیں قید یا قتل کرادیتا۔

(چوتھی آیت) صرف اردو ترجمہ:

" فرعون کے لوگوں میں ایک ایمان دار شخص (حزقیل) نے جو اپنے ایمان کو چھپائے رہتا تھا (لوگوں سے) کہا کہ کیا تم لوگ ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو، جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے۔"

(المومن ۲۸)

اس آیت کا مفہوم بھی تقیہ کا جواز پیدا کرتا ہے۔

[1] تفسیر بیضاوی ج۲ ص ۱۰۴

(پانچویں آیت) صرف اردو ترجمہ:

" اپنے ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔"

معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کو اپنے عقیدہ کی اظہار کی صورت میں ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اپنے عقیدے کو چھپا کر اپنی زندگی کو بچانا اس پر فرض ہے۔ اس سے قطع نظر زندگی کے دوسرے امور میں بھی انسان تقیہ کے ذریعہ اپنی زندگی کا تحفظ کرسکتا ہے۔

اب آیئے یہ دیکھیں کہ تقیہ کی تائید میں پیغمبری ارشادات کیا ہیں؟

(۱) حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی تو رسولؐ نے فرمایا کہ یہ بہت برا اور بدترین شخص ہے اسے آنے دو۔ عائشہ نے کہا: اے رسول اللہ! آپ تو اس کے پس پشت اس کی برائیاں بیان فرمایا کرتے تھے اور جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا تو خوشی کا اظہار فرما رہے ہیں۔

علامہ قرطبی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے اس قول سے ثابت ہے کہ جو لوگ اعلانیہ فسق کرتے ہیں ان کی غیبت جائز ہے اور ان کی شرارت سے بچنے کے لیے خاطر و مدارات کرنا بھی بطور تقیہ جائز ہے۔[1]

(۲) امام مسلم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تین باتوں کے سوا کبھی جھوٹ نہیں بولے، ان میں دو جھوٹ تو خدا کی راہ میں تھے اور ایک اپنے بارے میں۔ خدا کی راہ میں ایک تو آپ نے فرمایا کہ اِنِّی سَقِیْمٌ "میں بیمار ہوں" جبکہ آپ

[1] مشکوٰۃ کتاب الادب باب حفظ اللسان والغیبۃ ج۶ ص ۹۹ و مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۴ ص ۲۲۸ مطبوعہ مصر

Presented by www.ziaraat.com

بیمار نہیں تھے) دوسرے فرمایا، ان کے بڑے بت نے کیا (حالانکہ اس بڑے بت نے کچھ نہیں کیا)، تیسرا جھوٹ اپنے بارے میں یہ تھا کہ حضرت اپنی زوجہ سارہ کے ساتھ ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں پہنچے، جناب سارہ بہت خوب صورت تھیں۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ اگر یہاں کا بادشاہ یہ جان لے گا کہ تم میری بیوی ہو تو وہ مجھ سے تمھیں چھین لے گا اس لیے اگر بادشاہ تم سے پوچھے تو کہہ دینا کہ تم میری بہن ہو[1]"

شارح شفا تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی زوجہ سارہ کو تقیہ کی تعلیم دی کیونکہ وہ خائف تھے کہ اگر بادشاہ کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ وہ ان کی زوجہ ہیں تو انھیں قتل کردے گا۔

محترم! تقیہ کے متعلق قرآنی آیات اور آپ کے جید علمار کی مستند تفسیریں میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیں۔ ان آیات قرآنی، تفاسیر اور عمار یاسر کے واقعہ سے یہ واضح اور ثابت ہے کہ جان و مال کے خوف سے حق کو بظاہر چھپانا جائز ہے اور کفر کے کلمات بھی زبان پر جاری کیے جا سکتے ہیں مگر دل انوار ایمانی سے منور رہو۔ اس کے بعد بھی اگر آپ کو تقیہ کے جواز پر شک و شبہ ہے اور منافقت سے تعبیر کرتے ہیں تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ آپ احکام الٰہی کے منکر ہیں اور ایسا شخص جو احکام الٰہی کا منکر ہو اسلام سے خود بخود خارج ہو جاتا ہے۔ کسی کو کفر کا فتویٰ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بات بھی واضح کر دوں کہ شیعہ منافق نہیں ہیں بلکہ منافق وہ لوگ ہیں جن کے لیے اللہ کو رسولؐ پر سورۂ منافقون نازل کرنا پڑا۔ اور وہ

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۶

کون کون لوگ ہیں؟ اس کے لیے مجھ ناچیز کی تالیف الخلفار حصہ اوّل دوم کا مطالعہ فرمالیں۔

۵

(۳) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ شیعہ یہودی ہیں کیونکہ اس کا مؤسس عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔

محترم! میں اتحاد بین المسلمین کا قائل ہوں اور عصبیت کو سخت ناپسند کرتا ہوں، میری فطرت کسی بھی مذہب کے ماننے والوں کی دل آزاری پسند نہیں کرتی مگر جب شیعوں پر یا ان کے عقائد و مذہب پر کسی جانب سے بے بنیاد اور رکیک حملے کیے جاتے ہیں تو ان کا منھ توڑ جواب دینا میں اپنا دینی فریضہ سمجھتا ہوں۔ حق اور حقیقت کا اظہار نہ تو عصبیت ہے اور نہ ہی دل آزاری۔ تین سو ساٹھ بتوں کو اپنا خدا ماننے والے درندہ صفت، خونخوار اور جاہل عربوں کے سامنے رسول اقدس (صلعم) نے لا الٰہ الا اللہ کا نعرہ بلند کر کے تمام باطل خداؤں کی نفی فرمادی۔ مشرک عزیزوں، ذی اثر شیوخ اور منافق صحابہ کی مخالفت اور ان کی دل آزاری کا پاس و لحاظ کیے بغیر آپؐ نے اظہار حق فرمادیا۔ کیا رسول اکرمؐ کا یہ عمل امت کے لیے درس اور قابل اتباع نہیں ہے؟ آپ نے یہ فرما کر کہ "شیعہ یہودی ہیں کیونکہ اس کا مؤسس عبداللہ ابن سبا تھا" اپنا مذہبی بھرم، اپنا علمی وقار اور اپنے عقائد کا سرمایہ سب کچھ کھو دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا نام کا کوئی شخص اس کرۂ ارض پر نہ کبھی تھا نہ پیدا ہوا اور نہ ہی اسے کسی نے دیکھا۔ حضرت عثمان کے قتل کے ڈیڑھ سو سال بعد پرستان عثمان اور دشمنان علیؑ نے عبداللہ بن سبا

Presented by www.ziaraat.com

نامی ایک فرضی یہودی شخص کا شاخسانہ کھڑا کیا۔ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ شیعوں کے اصول مذہب میں یہودی عنصر داخل کرکے اسلام کے دیگر فرقوں میں شیعوں کو بدنام، ذلیل اور رسوا کیا جائے۔

اس مفروضہ کردار (شخص) اور اس من گڑھت قصہ کو متقدمین میں کس مؤرخ نے پہلی مرتبہ بیان کیا؟ اس کے راوی کون کون ہیں اور سلسلۂ اسناد کیا ہیں؟ ان تمام باتوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اس واقعہ کی صحت اور عدم صحت کا تصفیہ کیا جاسکے۔

تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اس مفروضہ شخص (عبداللہ بن سبا) کو منظر عام پر لانے والے اولین مورخ ابو محمد جعفر بن جریر طبری اور تاریخ طبری وہ کتاب ہے کہ جس کے بارے میں خود مصنف کا کہنا ہے کہ:

"ہم اپنی کتاب میں جو واقعات بعض گزرے ہوئے لوگوں کے متعلق درج کر گئے ہیں، انھیں پڑھنے والا ناپسند اور سننے والا ناگوار جانتا ہے لیکن اسے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ (ان واقعات کو) ہم نے اپنی طرف سے نہیں لکھا، بلکہ ہم نے کسی دوسرے سے نقل کیا ہے اور جو کچھ لوگوں نے بیان کیا وہ ہم نے درج کر دیا۔"[1]

طبری کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ انھیں خود اپنی کتاب کی روایات پر بھروسہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ واقعات مندرجہ سے مطمئن ہیں اس لیے کہ نہ انھوں نے کسی واقعہ کی تحقیق کی اور نہ ہی اس کے راویوں کے متعلق علمائے حدیث اور فن رجال کے ماہرین کو متوجہ کیا،

---

۱ تاریخ طبری ج ۱ ص ۵

نہ ان کی رائے معلوم کرنے کی کوشش کی بلکہ جس نے جو بیان کر دیا وہی انھوں نے لکھ دیا۔ مختصر یہ کہ طبری کی اس غلطی نے اور اس بد احتیاطی نے مذہبی دنیا میں بعض واقعات کے ذریعہ ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا اور قیامت تک کے لیے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔

غرضکہ اس واقعہ کی ابتدا ابن جریر طبری (المتوفی سنہ ۳۱۰ھ) کی کتاب سے ہوئی جس میں انھوں نے اس فرضی داستان کو سیف بن عمر تمیمی کوفی کے حوالے سے بیان کیا ہے، تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اسی سال سنہ ۳۰ھ میں جناب ابوذر (غفاری) اور معاویہ کے درمیان اختلافات و نزاعات ظہور پذیر ہوئے اور معاویہ نے انھیں شام سے ہٹا دیا۔ جو لوگ اس بارے میں معاویہ کو بے قصور سمجھتے ہیں ان لوگوں نے اس کے متعلق ایک قصہ بیان کیا ہے۔ مجھے سری نے لکھا ہے کہ شعیب سے سیف نے حدیث بیان کی، اس نے عطیہ سے سنا، عطیہ نے یزید فقعسی سے، یزید فقعسی کہتا ہے کہ جب ابن سودا (عبداللہ بن سبا) شام وارد ہوا تو ابوذر سے ملا اور کہا کہ اے ابوذر آپ کو معاویہ پر تعجب نہیں آتا جو یہ کہتا ہے کہ خدا کا مال میرا مال ہے۔"[1]

طبری کی اس عبارت میں یہ جملہ کہ "مجھے سری نے لکھا ہے" اس بات کی بین دلیل ہے کہ یہ روایت طبری کے رو برو نہیں بیان کی گئی بلکہ کسی "سری" یا "سرٹی" نے انھیں لکھ کر بھیج دی اور انھوں نے یہ سوچے سمجھے بغیر کہ لکھنے والا کون ہے، کیا ہے؟ اصلی ہے یا نقلی؟ معتبر ہے یا غیر معتبر؟ اس روایت کو

---

۱ طبری ج ۵ ص ۶۶

Presented by www.ziaraat.com

آنکھ بند کر کے اپنی کتاب میں شامل کر لیا اور بعد کے علماء و مورخین اسے نقل کرتے چلے گئے۔

مثلاً: ابن عساکر (متوفی ۵۵۷ھ) نے سیف کی روایت سے اس مفروضہ داستان کو بیان کیا ہے۔

مثلاً: ابن اثیر (متوفی ۶۳۰ھ) نے تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ میں نے اپنی کتاب کی ابتدا تاریخ کی بہت بڑی کتاب طبری سے کی ہے۔

مثلاً: ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) نے اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ جلد ہفتم کے صفحہ ۱۶۷ پر ابن سبا کے اس فرضی قصہ کو نقل کر کے صفحہ ۲۴۶ پر یہ وضاحت کی ہے کہ یہ خلاصہ ہے اس کا جسے طبری نے نقل کیا ہے۔

مثلاً: فرید وجدی نے اپنی کتاب دائرۃ المعارف جلد، میں جنگ جمل کا ذکر کرتے ہوئے اس قصہ کو بیان کیا ہے اور صفحات ۱۶۰۔۱۶۸۔۱۹۹ پر یہ صراحت کی ہے کہ ہم نے اس قصہ کو تاریخ طبری سے نقل کیا ہے۔

متاخرین میں رشید رضا مدیر "المنار" مصر نے اپنی کتاب السنۃ والشیعہ کے صفحات ۴۔۵۔۶ پر عبداللہ بن سبا کے قصہ کو یوں نقل کیا ہے:

"شیعیت کے اصول ایک یہودی نے گڑھے جس کا نام عبداللہ بن سبا تھا۔ اس نے مکر و فریب سے کام لیتے ہوئے اسلام ظاہر کیا اور لوگوں کو حضرت علیؑ کے بارے میں غلو کی دعوت دی۔ غرض یہ تھی کہ اسلام میں پھوٹ پڑ جائے اور مسلمانوں کی دنیا و دین غارت ہو جائے۔ جو شخص جنگ جمل کے واقعات کو تاریخ کامل ابن اثیر ہی میں غور کی نگاہ سے دیکھے تو اسے یہ اندازہ ہوگا کہ سبائیوں کی فتنہ انگیزی کتنی کامیاب ثابت ہوئی۔"

مثلاً: مورخ ابوالفدا (متوفی ۷۳۲ھ) نے بھی اپنی تاریخ میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے اور یہ وضاحت بھی کی ہے کہ میں نے اس واقعہ کو ابن اثیر کی تاریخ کامل سے لکھا ہے۔

دور حاضر کے مورخین میں احمد امین نے اپنی کتاب فجر الاسلام ص ۱۳۶ پر اور ڈاکٹر حسن ابراہیم نے اپنی کتاب تاریخ اسلام السیاسی کے ص ۳۷۵ پر اس قصہ کو بیان کیا ہے اور تاریخ طبری کا حوالہ دیا ہے۔

ان تمام علمائے متقدمین اور متاخرین کی تاریخوں، تصانیف اور تالیفات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ عبداللہ بن سبا کے فرضی قصہ کا اصل ماخذ صرف تاریخ طبری ہے اور ابو جعفر محمد بن جریر طبری ہی وہ پہلے مورخ ہیں جنھوں نے بلا تحقیق سری، شعیب، سیف بن عمر، عطیہ اور یزید فقعسی جیسے مجہول، غیر معتبر، کاذب اور متہم بالزندقہ کے حوالوں سے اپنی کتاب میں درج کیا ہے اور اس اندراج کے ذیل میں علامہ امینی کا کہنا ہے کہ:

"طبری نے کذاب و جعلساز سری کی تحریریں درج کر کے اپنی تاریخ کا ستیاناس کر دیا۔ اس جعلساز سری نے گمنام شخص شعیب کے حوالے سے حدیثیں بیان کی ہیں اور شعیب نے سیف سے جو کہ بہت بڑا جعلساز تھا۔ اپنی تاریخ کے صفحات پر انھیں واہیات اسناد سے طبری نے ۷۰۱ حدیثیں نقل کی ہیں جو ۱۱ھ سے ۳۷ھ تک حقائق کو مسخ کرنے کی غرض سے گڑھی گئی ہیں۔"

پھر کہتے ہیں کہ:

"طبری نے سیف کی ان جعلی حدیثوں کا سلسلہ وفات پیغمبرؐ سے

Presented by www.ziaraat.com

شروع کیا ہے اور تیسری، چوتھی، پانچویں جلدوں تک یہ حدیثیں پھیلائی ہیں۔ تیسری جلد سنہ ۱۱ھ کے واقعات میں ۶۷ حدیثیں (فرضی) نقل کی ہیں، چوتھی جلد سنہ ۱۲ھ کے واقعات میں ۴۲۷ حدیثیں اور پانچویں جلد سنہ ۲۳ھ سے سنہ ۲۷ھ تک کے واقعات میں ۲۰۷ حدیثیں (غلط) نقل کی ہیں، اس طرح کل ۷۰۱ حدیثیں ہوئیں[1]

مصر کے نامور سنی ادیب، فلسفی اور مورخ ڈاکٹر طٰہٰ حسین رقمطراز ہیں کہ:

"جنگ صفین میں سبائیوں اور ابن سبا کے ذکر سے مورخین نے جو اعراض کیا ہے، اس سے کم سے کم یہ بات آئینہ ہو جاتی ہے کہ ابن سبا بالکل فرضی اور من گھڑت چیز ہے اور جب فرقۂ شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں میں جھگڑے چل رہے تھے اس وقت اسے جنم دیا گیا۔ شیعوں کے دشمنوں کا منشا یہ تھا کہ شیعوں کے اصل اصول مذہب میں یہودی عنصر داخل کر دیا جائے۔ یہ سب کچھ بڑی زبردست چالبازی اور مکر و فریب کی صورتیں تھیں۔ محض شیعوں کو زچ کرنے کے لیے ورنہ اگر ابن سبا کا معاملہ کسی صحیح بنیاد پر مبنی ہوتا اور معتبر تاریخ سے اس کا پتہ چلتا تو لازمی طور پر اس فرقہ کا اثر و نشان اور اس کا مکر و فریب جنگ صفین میں ضرور ظاہر ہوتا۔ خصوصاً معاملہ تحکیم کے موقع پر جب اصحاب علیؑ میں اختلاف اس وقت بھی فطری طور پر اس فرقہ کا وجود ہونا چاہیے تھا لیکن ہم خوارج کے معاملہ میں ابن سبا کا کوئی وجود نہیں پاتے، تمام تاریخیں اس موقع پر اس کے ذکر سے خاموش ہیں۔ اس خاموشی کی کیا توجیہ کی جاسکتی ہے

[1] الغدیر ج ۸ ص ۲۳۵، ۲۳۶

اور واقعہ صفین اور فرقہ خوارج کے موقع پر ابن سبا کے غائب ہونے کی کیا وجہ بیان کی جاسکتی ہے۔ ہم تو صرف بس ایک ہی نتیجے پر پہنچتے ہیں اور وہ یہ کہ ابن سبا ایک وہمی چیز ہے...... اور حقیقت یہ ہے کہ ابن سبا ایک ہوّا ہے جسے شیعوں کے دشمنوں نے محض شیعوں کے لیے تلاش کیا ہے[1]"

اس فرضی قصہ کے راویوں یعنی سری، شعیب، سیف بن عمر، عطیہ اور یزید فقعسی کے متعلق علمائے حدیث اور ماہرین فن رجال کے خیالات بھی ہم درج کیے دیتے ہیں تاکہ آپ پر یہ واضح ہو جائے کہ یہ واقعہ کتنا فرضی اور من گھڑت ہے۔

۱۔ سری۔ طبری نے اپنی تاریخ کی جلد ۳ ص ۲۹۳ پر سری کے باپ کا نام یحییٰ بیان کیا ہے۔ سری نام کے بہت سے لوگ گزرے ہیں جن کے باپ کا نام بھی یحییٰ تھا، اس لیے حتمی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کون سری ہے جس نے عبداللہ بن سبا کے واقعہ کو طبری کے پاس لکھ کر بھیجا۔

۲۔ سری بن یحییٰ بن ایاس۔ اس سری کا انتقال ابو جعفر محمد بن جریر طبری کی پیدائش سے ۷۵ سال قبل ہو چکا تھا اس لیے یہ سری وہ نہیں ہو سکتا جس نے طبری کو ابن سبا کا واقعہ لکھ کر بھیجا۔

۳۔ سری بن اسماعیل ہمدانی کوفی۔ ابن مبارک اور ابو داؤد نے اس سری کو ضعیف اور متروک الحدیث کہا ہے۔ ابن عدی کی رائے میں یہ ثقہ نہ تھے اور ان کی بیان کی ہوئی حدیثوں کو کوئی نہیں مانتا تھا۔

[1] الفتنۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۹۴ تا ۱۰۲

ابن حیان کا بیان ہے کہ یہ اسناد میں الٹ پھیر کر دیا کرتے تھے۔[1]

۴۔ شعیب بن ابراہیم۔ مجہول شخص ہے۔ ذہبی کا کہنا ہے کہ شعیب بن ابراہیم سیف کی کتابوں کا راوی ہے یہ کون شخص ہے اس کا علم نہ ہو سکا۔

۵۔ سیف بن عمر۔ اس کا انتقال سنہ ۱۷۰ھ میں ہوا۔ علمائے حدیث کا کہنا ہے کہ یہ حدیثیں بہت گھڑا کرتا تھا اور بڑا جھوٹا، کاذب، ملحد اور زندیق تھا۔[2]

۶۔ عطیہ۔ یہ عطیہ کون ہے معلوم نہ ہو سکا جس سے سیف بن عمر نے حدیثیں بیان کی ہیں۔ یہ عطیہ عوفی نہیں ہو سکتے اس لیے کہ ان کا انتقال سنہ ۱۱۰ھ میں ہوا اور سیف بن عمر کا سنہ ۱۸۰ھ یا سنہ ۲۰۰ھ میں۔ یعنی سیف بن عمر کے انتقال سے ۷۰ یا ۹۰ سال قبل۔ اور اگر عطیہ سے مراد عطیہ بن قیس کلابی ہیں تو یہ شام کے رہنے والے تھے کسی تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ سیف بن عمر کی ملاقات کبھی عطیہ بن قیس کلابی سے ہوئی ہو۔

۷۔ یزید فقعسی۔ رجال میں اس نام کا کوئی شخص نہیں گزرا جس کا لقب فقعسی رہا ہو۔ یہ کون تھا معلوم نہ ہو سکا۔ سیف بن عمر جس نے ہزاروں قصے گھڑے ہوں وہاں اس کا بھی امکان ہے کہ یزید فقعسی کا وجود اس کی ذہنی تخلیق ہو۔

اب خلاصہ یہ ہے:

(۱) تاریخ طبری میں ۷۰۱ جھوٹی حدیثیں موجود ہیں، ان میں ایک حدیث

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۵۹ و ۲۶۰ ۲۔ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۹۱ و میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۳۸

عبداللہ ابن سبا کی بھی ہے۔

(۲) تمام مورخین نے تاریخ طبری سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

(۳) ان میں سے کسی نے بھی مصطلحات حدیث کی کتابوں سے اس واقعہ کے راویوں کے حالات معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔

(۴) ماہرین فن رجال نے عبداللہ بن سبا کے مفروضہ قصہ کے تمام راویوں کو مجہول، کاذب یا متہم بالزندقہ قرار دیا ہے۔

(۵) ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی رائے میں بھی عبداللہ بن سبا کا قصہ بالکل فرضی، لغو اور من گھڑت ہے۔ وہ ایک ہوا ہے جسے صرف شیعوں کے لیے جنم دیا گیا ہے۔ اس سے شیعوں کے دشمنوں کا منشا یہ تھا کہ شیعوں کے اصول مذہب میں یہودی عنصر داخل کر کے انھیں بدنام و مطعون کیا جائے۔

نتیجہ:

محترم مفتی صاحب! مندرجہ بالا "پوسٹ مارٹم" کے بعد نتیجہ آپ کے سامنے ہے اور وہ یہ کہ عصبیت کی بنیاد پر آپ نے فتنہ پردازی کی جو عمارت ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی کے عقائد کو قید کر کے پراگندہ کرنے کے لیے تعمیر کی تھی وہ دلائل اسناد اور جرح و تعدیل کی تیز ہواؤں کے اس جھکڑ میں مسمار ہو گئی۔

آپ کی ان تمام مفروضہ باتوں کا (جو آپ نے ڈاکٹر سماوی سے کیں) جواب میں نے آپ کو دے دیا ہے جس کی آپ کو ضرورت تھی۔ اب باقی رہا یہ سوال کہ شیعہ منافق ہیں، معاویہ و یزید لعن اللہ علیہم کی خلافت پر ایمان نہیں رکھتے، اس سلسلے میں صرف اتنا عرض کر دوں کہ اگر منافقت

Presented by www.ziaraat.com

کا ذکر چھیڑوں گا تو بات آپ کے بزرگوں تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ مناسب سمجھیں تو عصبیت کی عینک اتار کر ٹھنڈے دل اور کھلے ذہن کے ساتھ میری تالیفات تفسیر کربلا اور الخلفاء کا مطالعہ فرمالیں، انشاء اللہ آپ پر واضح ہو جائے گا کہ "اسلامی منافق" کون ہیں؟

آپ کا ارادہ ڈاکٹر سماوی کو قتل کرنے کا تھا یا نہیں؟ مجھے نہیں معلوم۔ لیکن ہمارے ملک کے قانونی آئین "تعزیرات ہند" میں قتل کی جو سزا معین کی گئی ہے، اس سے آپ واقف ہیں۔

میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو توفیق عطا کرے کہ آئندہ آپ اس طرح کی فتنہ انگیزیوں سے باز رہیں اور ان تمام خرافات سے دامن کش ہو کر سفر آخرت کے زاد راہ کی فراہمی میں مشغول و مصروف ہو جائیں

والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مخلص

فروغ کاظمی

کھلا خط

بنام ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی تیونسی

عزیز محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پروردگار عالم آپ کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور بہ فیض محمدؐ و آل محمدؐ مخالفین و حاسدین کے فتنہ و شر سے محفوظ رکھے۔

آپ (تحریراً و عملاً) دین حق (شیعیت) کا جو تبلیغی کارنامہ انجام دے رہے ہیں وہ بے شک لائق تحسین و قابل ستائش ہے۔

"اللہ کرے زور قلم اور زیادہ"

ابھی حال میں آپ کی کتاب "اہل الذکر" کے مطالعہ کا موقع فراہم ہوا۔ اس کتاب کے اولین صفحات میں آپ نے مولوی سید ابو الحسن علی ندوی کے نام ایک کھلا خط شائع کیا ہے، جس میں آپ نے جماعت اسلامی (ہند) کے مفتی شیخ عزیز الرحمٰن سے ہونے والی اس ناخوشگوار گفتگو کا تذکرہ کیا ہے جو آپ کے اور ان کے درمیان انھیں کی مسجد بمبئی میں تبلیغیوں کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی اور جس میں انھوں (مفتی صاحب) نے شیعوں کے متعلق یہ فرمایا کہ شیعہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتے، شیعہ کافر ہیں، شیعہ منافق ہیں اس لیے کہ تقیہ پر عمل کرتے ہیں، شیعہ یہودی ہیں اس لیے کہ اس کا

Presented by www.ziaraat.com

مؤسس عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ یا یہ کہ خلفائے راشدین کی خلافت کے ساتھ جو شخص معاویہ اور یزید لعن اللہ علیہم کی خلافت کو تسلیم نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں ہے۔

آپ یقیناً مفتی صاحب کی یہ باتیں سن کر ہکا بکا رہ گئے ہوں گے اور مجھے بھی موصوف کے اس طرز عمل، اس روش اور ایک مہمان کے ساتھ اس ناروا سلوک پر افسوس ہے۔ یہ بھی واضح کردوں کہ ہندوستان یا پاکستان میں شیعوں کے خلاف کچھ لوگ سرگرم عمل ہیں جو اس قسم کی بہتان طرازی کے تیروں سے شیعوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کیا کرتے ہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ شیعوں یا عام مسلمانوں کو حق سے گمراہ کرکے باطل کے راستے پر ڈال دیا جائے اور حقیقی اسلام کا ان کے ذہنوں میں جو تصور ہے اسے ختم کردیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جب پانی سر سے اونچا ہوجاتا ہے اور صبر وضبط کے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں تو شیعہ ان سے جم کر مقابلہ کرتے ہیں، مجادلہ کرتے ہیں، مناظرہ کرتے ہیں ـــ "کبھی قلم کی زبان سے کبھی قلم کی شمشیر سے۔"

برادر عزیز! شاید آپ کو یہ نہ معلوم ہو کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں اکثر و بیشتر شیعہ حضرات اور برادران اہل سنت کے درمیان معرکۂ کارزار گرم ہوتا رہتا ہے۔ انسانیت اپنا جامہ اتار کر نفرت کے اسٹیج پر ننگا ناچ ناچتی ہے اور عصبیت خون کی ہولی کھیلتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سیکڑوں کا سہاگ اجڑ جاتا ہے اور ہزاروں معصوم بچے والدین کی گود سے یتیمی کی گود میں پہنچ جاتے ہیں اور یہ سب کچھ اس اسلام کے نام پر ہوتا ہے جو امن وسلامتی کی تعلیم دیتا ہے، بھائی چارگی کی تعلیم دیتا ہے، صبر وتحمل کی تعلیم دیتا ہے، نظم وضبط کی تعلیم دیتا ہے اور اس

بات کی تعلیم دیتا ہے کہ کسی کے مذہب کو برا نہ کہو، کسی کے عقیدے پر کیچڑ نہ اچھالو، کسی کا دل نہ دکھاؤ، کسی کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچاؤ، کسی پر ظلم نہ کرو، کسی کو قتل نہ کرو، کسی کا خون نہ بہاؤ اور کسی کو اذیت نہ دو۔

یقیناً یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم مسلمانوں میں ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو ان تمام تعلیمات اسلامی سے قطع نظر صرف وہابیت کے راستے پر گامزن ہے صرف انھیں خطوط پر چل رہا ہے جو سعودیہ نے مقرر کردیے ہیں اور اس فرقہ کا عفریت نہ یہ کہ صرف ہندوستان میں بلکہ تمام ممالک میں سرگرم عمل ہے۔ حق اور اسلام کے خلاف اس کی منافقانہ ومخالفانہ سرگرمیاں اور فتنہ پردازیاں "پیٹرو ڈالر" کی بدولت جاری وساری ہیں۔

یہ بھی واضح کردوں کہ مولوی سید ابو الحسن علی ندوی ہوں یا منظور نعمانی، عتیق الرحمٰن سنبھلی ہوں یا مفتی عزیز الرحمٰن، سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں اور اسلام کے بارے میں ان سب کا نظریہ بھی ایک ہے۔ لہٰذا ان میں سے کسی سے یہ امید رکھنا کہ وہ حق کی موافقت میں باطل کے خلاف زبان کھولے گا، میرے خیال میں محض خوش فہمی ہے۔ ان کی یہ مخالفانہ مہم حق، اسلام کے خلاف جاری تھی، جاری ہے اور جاری رہے گی۔ انھیں خاموش رکھنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ قلمی جہاد۔ جس کے ذریعہ مسلمانوں کو یہ باور کرایا جائے کہ حقیقی اسلام کیا ہے؟ اور اسلام کے خلاف وہابیت کا نظریہ کیا ہے؟ تاکہ وہ لوگ جو باطل کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں بھٹک رہے ہیں اور صراط مستقیم کے متلاشی ہیں، اپنی منزل تلاش کرسکیں

میں نے آپ کا مکتوب اپنی اس کتاب الخلفاء حصہ دوم میں شامل کرلیا ہے اور شیخ عزیز الرحمٰن کو ان کی بے ہودگیوں کا جواب بھی دے دیا ہے، ملاحظہ فرمالیں۔ والسلام

مخلص فروغ کاظمی

Presented by www.ziaraat.com

دوسرا باب

عاشق آلِ محمدؐ کو نہیں، فکرِ ستم
وہ سرِ دار بھی حق بات کہا کرتا ہے
(ڈاکٹر حضور نواب)

معاویہ بن ابوسفیان کے استبدادی دور سے اب تک حق فروش اہلِ قلم اور ضمیر فروش علمار کے ذریعہ آل محمدؐ کے فضائل کو مسخ کرنے یا انھیں ختم کرنے کا جو سازشی اور بدعتی سلسلہ جاری ہے اسی کی ایک کڑی مولوی سید ابوالحسن حسنی ندوی کی خرافاتی کتاب "المرتضیٰ" ہے جسے ندوی صاحب نے "مرتضوی" فضیلتوں پر خلفائے ثلاثہ کو فضیلت دینے اور اپنے "سعودی پروردگار" سے خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے کی غرض سے بعض اہم تاریخی حقائق کو یکسر نظر انداز کر کے "وہابی عقیدہ کی بنیاد پر" تالیف کی ہے۔

موصوف کی اس کتاب میں شیعہ عقائد کے خلاف قابلِ توجہ جو باتیں ہیں ان میں سے بیشتر کے جوابات ہم الخلفار حصہ اول میں تحریر کر چکے ہیں اور اس کے ساتھ ہی حضرت ابو بکر کا غیر اسلامی کردار، ان کے اہم تاریخی حالات (از ابتدا تا وفات) نیز حضرت عمر کے تقریباً

نصف حالات، مثلاً آپ کا عالمِ وجود میں آنا، عمیر سے حضرت عمر بن جانا، تعجب خیز حلیہ، حیرت انگیز نسب، ماں باپ کی خوش فعلیاں، ابتدائی زندگی، رنگین مزاجی، پہلوانی، بت پرستی وغیرہ کے بارے میں بھی اجمالی روشنی ڈال چکے ہیں۔

اور اب، حضرت عمر کے باقی حالات، عثمانی زندگی کا مکمل عکس اور مولوی ندوی کی معترضہ باتوں کے جواب اس کتاب "الخلفار حصہ دوم" میں ملاحظہ فرمائیں۔

(مولف)

MOWLANA NASIR DEVJANI
MAHUVA. GUJARAT, INDIA
PHONE : 0091 2844 28711
MAIL : devjani@netcourier.com

Presented by www.ziaraat.com

(الخلفاء حصہ اول سے آگے ...)

عمری بسیار خوری

مالک بن انس سے مروی ہے کہ عمر کے سامنے ایک صاع کھجوریں (منہ مارنے کے لیے) رکھ دی جاتی تھیں اور وہ سب کھا جاتے تھے یہاں تک کہ سڑی گلی ایک بھی نہیں چھوڑتے تھے۔[1]

انوار اللغۃ میں ایک صاع کا وزن ساڑھے چار سیر بتایا گیا ہے اور مولوی ندوی نے "المرتضیٰ" میں ۳ کلو ۲۶۵ گرام تحریر کیا ہے۔

یہ امر قابل غور ہے کہ جب آپ ساڑھے چار سیر یا ۳ کلو ۲۶۵ گرام صرف کھجوریں "زہر مار" کر جاتے تھے تو پر تکلف شاہی دستر خوان پر آپ کے کھانے کا کیا حال ہوتا رہا ہوگا!

پیٹ میں قراقر

حضرت عمر کے دور میں جب قحط پڑا اور عوام معاشی زبوحالی اور عتاب الہٰی میں گرفتار ہوئے تو مصلحتاً آپ نے بھی گھی کا استعمال ترک کر دیا تھا اور روغن زیتون سے اپنا کام نکالنے لگے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تیل کی چکناہٹ نے آپ کے پیٹ میں "قراقر" کو منجمد کر دیا۔

کنز العمال میں ہے کہ جب "قراقر" کی تکلیف شروع ہوتی تھی تو آپ اپنے پیٹ میں انگلی چبھو کر فرماتے تھے کہ "اے پیٹ! تجھے جس قدر

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۸۳

بھی قراقر کرنا ہے کرلے کیونکہ عمر کے پاس فی الحال زیتون کے تیل کے علاوہ تیرے لیے کچھ نہیں ہے۔[1]

قراقر کس بیماری کا نام ہے؟ اسے کوئی حکیم یا ڈاکٹر ہی بتا سکتا ہے، لیکن یہ ضرور ہے کہ آپ کا یہ شکمی قراقر آپ کے زہد کی تمام روایتوں کو باطل قرار دیتا ہے کیونکہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے گھی کے علاوہ کبھی تیل کا استعمال ہی نہیں کیا تھا، وہ بھی خالص گھی۔

مال کا درد

حضرت عمر کو اپنے مال کا کتنا درد تھا؟ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک دن کہیں سے کچھ مال آپ کے ہاتھ آگیا جسے بحالت مجبوری آپ کو حاجت مندوں میں تقسیم کرنا پڑا۔ مال حاصل کرنے والوں میں کچھ موقع پرست اور حاشیہ بردار لوگ بھی تھے جو آپ کی تعریفیں کرنے لگے۔

ظاہر ہے کہ تعریف اور خوشامد انسان کا کمزور پہلو ہے۔ اس لیے یقیناً آپ کے دل میں بھی خوشیوں کا جوالامکھی کروٹیں لے رہا ہوگا۔ اسی عالم میں آپ کی زبان سے سچائی پر مبنی یہ جملہ نکلا کہ:

"احمقو! خدا کی قسم اگر میرا مال ہوتا تو میں کسی کو ایک درہم بھی نہ دیتا۔"[2]

یہ جملہ آپ کے بخل پر دلالت کرتا ہے اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ اپنے ذاتی مال سے ضرورت مندوں، محتاجوں اور غریبوں کو ایک دمڑی بھی

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۳ [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۰

Presented by www.ziaraat.com

نہیں دیتے تھے۔

گھوڑے کی سواری

حضرت عمر کے گھوڑے پر سوار ہونے کا انداز (اسٹائل)، عجیب و غریب تھا۔ وہ یہ کہ جب آپ گھوڑے پر سوار ہونے کا قصد کرتے تو ایک ہاتھ سے گھوڑے کا کان پکڑتے تھے اور دوسرے ہاتھ سے اپنا کان۔ پھر جسم کو سمیٹ کر اس طرح اُچھلتے کہ اس کی پیٹھ پر پہنچ جاتے۔[1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ بائیں ہاتھ سے گھوڑے کا داہنا کان پکڑتے تھے اور داہنے ہاتھ سے بایاں کان۔ اور جب گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو جاتے تو اس طرح اچھلتے کودتے تھے کہ جیسے اسی کی پیٹھ پر ہی پیدا ہوئے ہوں[2]۔

خدا جانے یہ روایت کس خیال کے تحت حضرت عمر کے فضائل میں نقل کی گئی ہے۔ اس سے آپ کی بہادری واضح ہوتی ہے یا گھوڑے سواری کا ہنر نمایاں ہوتا ہے؟ ممکن ہے کہ اس کا مقصد یہ ہو کہ آپ بڑے عادل اور منصف مزاج تھے کہ ایک ہاتھ سے اگر گھوڑے کا کان پکڑتے تو دوسرے ہاتھ سے اپنا بھی کان پکڑ لیتے تھے تاکہ عدل برقرار رہے۔ مگر اس سے تو عدل ثابت نہیں ہوتا، اس لیے کہ جب آپ گھوڑے پر سوار ہو کر اسے ہانکتے رہے ہوں گے تو اسے ایڑ بھی لگاتے رہے ہوں گے اور اس کے ساتھ آپ کا تازیانہ بھی چلتا رہا ہوگا۔ یہ اصول عدل کے منافی ہے۔ عدل تو

۱؎ کنز العمال ج ۶ ص ۳۳۱ ۲؎ اصابہ ج ۴ ص ۲۷۹

اسی وقت برقرار رہ سکتا ہے جب گھوڑے کو بھی یہ اختیار حاصل ہوتا کہ وہ آپ پر سواری کرے، ایڑ لگائے اور آپ پر تازیانہ لگائے۔ اس کے علاوہ دوسری روایت کی بھی تمام باتیں اپنی جگہ ہیں لیکن سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ آپ گھوڑے کا داہنا کان اپنے بائیں ہاتھ سے اور اپنا بایاں کان داہنے ہاتھ سے کیوں پکڑتے تھے؟ آخر اس بازی گری میں کون سی مصلحت کارفرما تھی؟ اس کا جواب صرف مولوی ندوی ہی دے سکتے ہیں کیونکہ معاملہ ان کے دینی رہنما اور روحانی پیشوا کا ہے۔ ہم گستاخی کی جسارت کیوں کریں؟

گھوڑے کی لید

یہ روایت بھی محترم قارئین کے لیے دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ ایک دن حضرت عمر کے گھوڑے نے لید کی تو آپ کسی خیال کے تحت اسے اٹھا لائے اور مسل مسل کر اسے دیکھا۔ اتفاق سے اس لید میں آپ کو جَو کا ایک دانہ مل گیا۔ پھر کیا تھا عمری قہر بیدار ہو گیا۔ آپ نے فوراً سائیس کو طلب کیا اور اس سے پوچھا کہ تو گھوڑے کو کیا کھلاتا ہے؟ اس نے سہم کر جواب دیا کہ سرکار! گھاس کے علاوہ ایک صاع جو کھلاتا ہوں" اس خیال سے کہ گھوڑا آپ کے استعمال میں دبلا نہ ہو۔" آپ نے اسے ڈانٹا اور فرمایا کہ تجھے نہیں معلوم کہ ایک صاع جَو ایک خاندان کے لیے کافی ہو سکتی ہے اور تو اسے گھوڑے کو کھلاتا ہے۔ آج سے اس گھوڑے کی جَو بند کر دے اور اسے چھوڑ دیا کر تاکہ وہ خود چر کر اپنا پیٹ بھر لیا کرے۔[1]

۱؎ سوانح عمری عمر حصہ اول ص ۱۴۹

Presented by www.ziaraat.com

بے چارہ گھوڑا جو آپ کے جسمانی وزن کے ساتھ آپ کے گناہوں
کا بوجھ بھی اٹھاتا تھا محض اس پاداش میں اپنی غذا سے محروم کر دیا گیا
کہ وہ ایک صاع جو کھاتا تھا اور وہ جو حضرت عمر کے نزدیک ایک خاندان
کی غذا تھی۔ لیکن یہ بات بھی آپ کے عدل کی نفی کرتی ہے اس لیے کہ آپ
حاکم وقت تھے اس کے باوجود ایک صاع کھجوریں ناشتہ میں یا کھانے
کے دوران کھا جاتے تھے تو اس وقت آپ کو یہ خیال کیوں نہیں آتا تھا
کہ یہی کھجوریں کسی مفلس، نادار اور غریب گھرانے کی غذا بن سکتی ہیں؟

ایستادہ پیشاب

اس خیال کے تحت کہ پیشاب کی نجاست جسموں پر اثر انداز نہ ہو، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو بیٹھ کر پیشاب کرنے کا حکم دیا تھا اور طیب وطاہر ہونے کے باوجود خود بھی اس آداب طہارت پر کاربند تھے لیکن افسوس کہ اکثر وبیشتر صحابہ آپ کے اس عمل کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ کنز العمال میں ہے کہ ایک دن رسول اللہؐ نے بیٹھ کر پیشاب کیا اور جب فارغ ہوئے تو صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ تو بالکل عورتوں کی طرح پیشاب کرتے ہیں[1]۔

تاجدار انبیاء کی شان میں اس دریدہ دہنی، گستاخی اور جسارت کی وجہ یہ تھی کہ منافقین صحابہ کا ایک گروہ حضرت عمر کے ساتھ تھا جو ہمیشہ کھڑے کھڑے پیشاب کیا کرتے تھے اور اپنی اس غیر شائستہ حرکت کا

[1] کنز العمال ج ۵ ص ۱۲۴

سبب یہ بیان کرتے تھے کہ بیٹھ کر پیشاب کرنے سے دبر ڈھیلی ہو جاتی ہے اور اس کے برعکس جب انسان کھڑے کھڑے پیشاب کرتا ہے تو دُبر اچھی طرح (ٹائیٹ) کسی رہتی ہے[1]۔

عمری استنجاء

حضرت عمر استنجاء میں پانی کا استعمال کبھی نہیں کرتے تھے، بلکہ آپ کا فلسفہ یہ تھا کہ "رگڑو اور صاف کرو" چنانچہ آپ نے اپنے گھر کی دیوار میں ایک پتھر لگوا رکھا تھا اور جب کھڑے کھڑے پیشاب سے فارغ ہوتے تو ..... پکڑ کر اسی پتھر پر رگڑ دیا کرتے تھے[2]۔

یہی وہ عمری سنت ہے جس پر عمل پیرا ہو کر عمر نواز مسلمان پانی پر مٹی کے ڈھیلے یا پتھر کو ترجیح دیتا ہے۔

سٹیا بازی

اپنی بیوی کی نظر میں حضرت عمر ایک بدکردار اور "سٹیاباز" انسان تھے چنانچہ اس ضمن میں علامہ سیوطی کا کہنا ہے کہ جابر بن عبداللہ نے کچھ عورتوں کے بارے میں حضرت عمر سے کسی قسم کی بات کی تو آپ نے فرمایا کہ میں بھی اس عورت بازی کی مصیبت میں گرفتار ہوں۔ جب کسی کام یا رفع حاجت کے لیے گھر سے نکلتا ہوں تو میری گھر والی کہتی ہے کہ تم فلاں قبیلہ کی لڑکیوں کو گھورنے اور ان سے نظر لڑانے جاتے ہو[3]۔

[1] و [2] کنز العمال ج ۵ ص ۱۲۷، [3] تاریخ الخلفاء ص ۹۷

Presented by www.ziaraat.com

حالت صوم میں جماع

اس واقعہ کی تفصیل "درمنثور" میں یوں ہے کہ ماہ صیام میں ایک رات عمر جناب رسول خدا (صلعم) کی خدمت میں رہ گئے اور جب گھر واپس پلٹے تو دیکھا کہ آپ کی زوجہ محترمہ بستر استراحت پر محوِ خواب ہیں۔ انھیں دیکھ کر آپ پر نفس کا غلبہ ہوا۔ چنانچہ آپ نے انھیں جگایا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا، کہنے لگیں (اُو نہہ!) میں تو سو گئی تھی، اب بھلا... کیونکہ ممکن ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم سو گئیں تو سویا کرو، میں تو نہیں سویا تھا۔ یہ کہہ کر آپ بیوی پر چڑھ بیٹھے اور جب نفس کا بھوت اُتر گیا تو نہا دھو کر رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھیں اپنی اس حرکت سے مطلع کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ:

"اللہ کو معلوم ہے کہ تم لوگ اپنے نفسوں کی خیانت کرتے ہو۔"

بعض روایتوں میں حضرت عمر کے سو کر اٹھنے کے بعد اس واقعہ کا بیان ہے کہ سوتے سوتے حضرت کو ان کے نفس نے ابھارا اور وہ اپنی بیوی کے پاس پہنچ گئے۔ پھر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں آپ سے اور خدا سے معذرت چاہتا ہوں کہ میرے خطاکار نفس نے مجھے ابھارا اور جو نہ ہونا چاہیے تھا وہ ہو گیا۔ کیا میرے لیے معافی کی کوئی صورت ہے؟ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔[1]

۱؎ تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۱۹۷

(نوٹ) اسلام میں روزہ کے متعلق یہ حکم تھا کہ غروب آفتاب کے بعد تمام مفطرات صوم حلال ہو جایا کرتے تھے یہاں تک کہ نماز عشا ادا کر لی جائے یا انسان سو جائے۔ اس کے بعد تمام چیزیں دوسری شام تک کے لیے حرام ہو جاتی تھیں۔

عمر کی جوئیں

یہ عجیب و غریب اور حیرت انگیز روایت کنز العمال میں ہے کہ حضرت عمر حالت نماز میں اس کثرت سے جوئیں مارا کرتے تھے کہ ان جوؤں کا خون آپ کی انگلیوں پر منجمد ہو جایا کرتا تھا۔

روایت میں یہ صراحت نہیں ہے کہ آپ اپنے سر کی جوئیں مارتے تھے یا کپڑوں کی؟ لیکن ظاہر ہے کہ دونوں جگہوں کی جوئیں مارتے رہے ہوں گے کیونکہ دس، بیس جوؤں کے قتل عام سے انگلیوں پر خون کا انجماد نہیں ہوتا۔ پھر روایت میں "کثرت" کا لفظ اس امر کی عکاسی کرتا ہے کہ آپ حالت نماز میں ہزاروں جوؤں کے قتل کا ارتکاب کرتے تھے، دوسرے یہ کہ آپ کی اس گھناؤنی حرکت سے ایک مسئلہ اور حل ہوتا ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں میں اس امر کے متعلق سخت اختلاف ہے کہ نماز میں ہاتھ کھول کر کھڑے ہونا چاہیے یا ہاتھ باندھ کر؟ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔ اگر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے تو اس کثرت سے سر کے بالوں یا بدن کے کپڑوں سے جوئیں کیوں کر نکالتے؟ کیا کوئی شخص جو ہاتھ باندھ کر نماز ادا کرتا ہو اس کثرت سے جوئیں مار سکتا ہے؟

Presented by www.ziaraat.com

جوتیوں کا رومال

فرزند عاصم کا بیان ہے کہ حضرت عمر ۔ ۔ ۔ ۔ دھو کر اپنی جوتیوں میں پونچھ لیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ عمر کا رومال صرف جوتیاں ہیں۔ اور صائب بن یزید کا بیان ہے کہ میں نے اکثر رات کا کھانا عمر بن خطاب کے ساتھ کھایا ہے، وہ گوشت اور روٹی کھاتے تھے اور کھانے کے بعد ہاتھ کو پیروں پر رگڑ کر صاف کر لیا کرتے تھے[1] اور ثابت سے روایت ہے کہ ایک دن جارود نے حضرت عمر کے ساتھ کھانا کھایا اور کھانے کے بعد ہاتھ پونچھنے کے لیے رومال طلب کیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے پاخانے کے مقام پر پونچھ لو[2]

ان تینوں روایتوں کی گہرائیوں میں حیرت و استعجاب کا سفینہ ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر عمر کو رومال میسر نہیں تھا تو آپ بالکل برہنہ بھی نہیں رہتے ہوں گے۔ جسم پر تہ بند، کرتا یا بنیائن وغیرہ تو ضرور ہی رہتا ہو گا، اسی میں پونچھ لیتے۔ آخر یہ جوتیوں میں پونچھنے کی کون سی منطق کارفرما تھی؟ پھر ہاتھوں کو پیروں پر رگڑ کر یا جوتیوں میں پونچھتے تھے تو منہ کو کس چیز سے پونچھتے تھے؟ کیونکہ کھانے کے بعد تو ہاتھ اور منہ دونوں ہی دھوئے اور پونچھے جاتے ہیں۔ پھر پہلی روایت میں اس بات کی بھی صراحت نہیں ہے کہ کس چیز کو اپنی جوتیوں میں پونچھتے تھے۔ رہا ہاتھوں کو پیروں پر رگڑ کر پونچھنا، وہ بھی تعجب خیز

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۶ [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۸

ہے۔ کیونکہ عقل تو اس بات کو قبول نہیں کرتی کہ ہاتھوں کو جوتیوں سے اور منہ کو کسی اور چیز سے پونچھتے رہے ہوں گے۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز و تعجب خیز جارود کو پاخانے کے مقام پر ہاتھ صاف کرنے کا مشورہ ہے۔

اعتراف منافقت

یہ واقعہ شکوک و شبہات سے بالاتر اور تاریخی اعتبار سے مسلسل و متواتر ہے کہ ۹ھ میں غزوۂ تبوک کی واپسی پر پیغمبر اسلامؐ کو "ذی فتق" نامی ایک خطرناک گھاٹی سے گزرنا تھا، یہ گھاٹی سواری کے لیے انتہائی خطرناک اور ناسازگار تھی۔ چنانچہ رسول اکرمؐ کا ناقہ جس کی مہار حذیفہ یمانی کے ہاتھوں میں تھی، جب اس گھاٹی میں داخل ہوا تو یہ پابندی عائد کر دی گئی کہ جب تک آنحضرتؐ کا ناقہ اسے عبور نہ کر جائے کوئی شخص اس گھاٹی میں داخل ہونے کی جسارت نہ کرے۔

رات کی تاریکی میں آنحضرت کا ناقہ احتیاط اور خاموشی کے ساتھ اس تنگ و پرخطر گھاٹی سے گزر رہا تھا کہ اچانک بجلی چمکی جس کی روشنی میں رسول اللہ نے کچھ ایسے سواروں کو دیکھا جو آپ کو قتل کرنے کے لیے اپنے چہروں کو نقابوں میں چھپائے پہلے ہی سے وہاں موجود تھے۔ خدا کے حکم سے بجلی کی روشنی اتنے وقفہ تک قائم و برقرار رہی کہ نگاہِ رسالت نے سب کو پہچان لیا اور پھر آنحضرتؐ نے حذیفہ سے فرمایا کہ: اے حذیفہ! کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون لوگ ہیں؟ یہ منافق میری جان لینا چاہتے تھے۔ پھر آپ نے حذیفہ کو سب کے ناموں سے آگاہ بھی کر دیا اور یہ تاکید بھی

Presented by www.ziaraat.com

فرمادی کہ اس امر میں خاموش رہنا ورنہ فساد ہو گا۔

"واقعۂ عقبہ" کے نام سے یہ واقعہ تمام مستند تاریخی کتابوں میں موجود ہے۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ وہ نقاب پوش اکابرین صحابہ تھے۔

شاید اسی سبب سے حضرت عمر کو یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں حذیفہ کی زبان سے ان کے نام کا انکشاف نہ ہو جائے۔ چنانچہ وہ حذیفہ سے پوچھا کرتے تھے کہ اے حذیفہ! کیا مجھ میں تم نفاق کا کوئی اثر پاتے ہو؟[1] رسول اللہ کی تاکید کے تحت حذیفہ اس سوال پر خاموشی اختیار کر لیا کرتے تھے۔ اور پھر۔ آخر کار۔ ایک دن حضرت عمر نے یہ اعتراف کر ہی لیا کہ:

"اے حذیفہ! خدا کی قسم، میں بھی ان منافقین میں سے ہوں"۔[2]

حضرت عمر کی یہودیت

(پہلی روایت) جابر بن عبد اللہ انصاری (صحابی رسولؐ) سے مروی ہے کہ ایک دن عمر بن خطاب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا، یا رسول اللہ! ہم جب یہودیوں سے (ان کی) حدیثیں سنتے ہیں تو وہ ہمیں بڑی اچھی لگتی ہیں۔ اگر آپ کہیں تو ہم انھیں لکھ لیا کریں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کیا تم بھی یہود و نصاریٰ کی طرح حیران و حیرت زدہ ہو۔ جبکہ میں تمھارے درمیان ایک روشن

[1] احیاء العلوم غزالی ص ۱۰۴ [2] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۶۵

شریعت لایا ہوں۔ (یاد رکھو) کہ اگر حضرت موسیٰؑ (زندہ) ہوتے تو وہ بھی میری ہی پیروی کرتے۔[1]

(دوسری روایت) یہ روایت بھی جناب جابر سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت عمر رسول اکرمؐ کی خدمت میں توریت کا ایک نسخہ لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا کہ: اے رسولؐ خدا! میں توریت لایا ہوں۔ عمر کے اس کہنے پر رسولؐ اللہ خاموش رہے لیکن جب آپ (عمر) نے اس کی تلاوت شروع کر دی تو رسولؐ کا چہرہ غصہ سے سرخ اور متغیر ہونے لگا۔ یہ کیفیت دیکھ کر ابوبکر نے عمر کو ڈانٹا اور کہا "گم کرنے والی عورتیں تجھے گم کر دیں" رسولؐ کا چہرہ نہیں دیکھتا کہ اس پر غیظ و غضب کے آثار مرتب ہیں۔

اس پر عمر نے کہا کہ میں خدا اور اس کے رسولؐ سے پناہ چاہتا ہوں۔

اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ قسم ہے اس معبود کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے اگر موسیٰؑ اس وقت تمھارے درمیان آ جائیں تو تم مجھے چھوڑ کر ان کا دامن تھام لو گے اور صراطِ مستقیم سے ہٹ جاؤ گے۔ حالانکہ اگر موسیٰؑ میری نبوت کا زمانہ پاتے تو وہ بھی میری ہی پیروی کرتے۔[2]

یہ دونوں روایتیں قابل توجہ ہیں۔

۱۔ حضرت عمر جب یہودیوں سے ان کی حدیثیں کو سنتے تھے تو وہ انھیں بڑی اچھی لگتی تھیں یہاں تک کہ آپ انھیں لکھ کر محفوظ بھی کر لینا چاہتے تھے۔

انسانی و ایمانی فطرت کے تحت (خصوصاً مذہبی معاملات میں) انسان کو

[1] مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۱ [2] مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۵

Presented by www.ziaraat.com

اپنی شریعت کے مقابلے میں کسی (منسوخ شدہ) غیر شریعت کی کوئی شئے اس وقت اچھی معلوم ہوتی ہے جب اس میں کوئی خیر و خوبی کی بنا پر واقعی وہ شے اچھی بھی ہو اور اس انسان کا دل اسے قبول بھی کرتا ہو یا پھر وہ انسان اپنی شریعت کے لیے مخالفانہ اور منافقانہ نظریہ رکھتا ہو۔

حضرت عمر کو یہودیوں کی روایتوں کا اچھا لگنا اور انھیں قلم بند کر کے محفوظ کر لینے کی خواہش اس بات کی محکم دلیل ہے کہ حامل وحی کی زبان مبارک سے جو حدیثیں عالم وجود میں آتی تھیں وہ آپ کو اچھی نہیں لگتی تھیں، ورنہ جس پیغمبرؐ کی شریعت پر آپ خود بھی (بظاہر) عمل پیرا تھے اس سے یہ کہنے کی جسارت کہ یہودیوں کی حدیثیں ہمیں بڑی اچھی لگتی ہیں۔ چہ معنی!

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ "عمری طینت" میں یہودیت کا عنصر بھی بدرجۂ اتم موجود تھا اور آپ اپنی "برگزیدہ مسلمانی" کے ساتھ یہودیوں کی صحبت بھی اختیار کرتے تھے۔ ان کی محفلوں میں جاتے تھے اور ان کی حدیثیں سن کر اپنے آئینۂ ایمان پر یہودیت کی جلا بھی کرتے تھے۔

شاید یہی وجہ رہی ہو کہ ابو بکر کے بعد جب اقتدار کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ میں آئی اور آپ تخت حکومت پر متمکن ہوئے تو تمام مسلمانوں کو احادیث نبوی کی کتابت، انھیں جمع کرنے یا بیان کرنے سے روک دیا[1] اور صرف یہی نہیں بلکہ جو حدیثیں مسلمانوں نے پیغمبر اسلامؐ سے سن کر ایک عظیم سرمایہ کی شکل میں جمع کی تھیں ان سب کو اکٹھا کر کے نذر آتش کر دیا[2]۔

---

[1] کنز العمال ج ۵ [2] طبقات ج ۵ ص ۱۴۰

حضرت عمر کو اگر پیغمبرؐ کی پیغمبری، صداقت، سچائی اور حق بیانی پر مکمل اعتماد و بھروسہ ہوتا اور وہ آپ کی حدیثوں کو قابل اعتبار سمجھتے تو ان حدیثوں کے مقابلے میں انھیں یہودیوں کی حدیثیں اچھی ہی کیوں لگتیں یا وہ بزم پیغمبرؐ کے علاوہ یہودیوں کی محفلوں میں جاتے ہی کیوں؟ کہ رسول اللہؐ کو آپ کے اس ظاہر و باطن پر اتمام حجت کے لیے یہ کہنا پڑتا کہ کیا تم بھی یہود و نصاریٰ کی طرح (میری رسالت پر) حیران و حیرت زدہ ہو اور اندھیروں کی طرف جانا چاہتے ہو؟ جبکہ میں تمھارے درمیان ایک روشن شریعت لے کر آیا ہوں، ایسی شریعت کہ اگر حضرت موسیٰؑ ہوتے تو وہ بھی میری ہی پیروی کرتے۔

۲۔ (الف) آنحضرت کی خدمت میں عمر توریت لے کر حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! میں توریت لایا ہوں۔

(ب) آپ (عمر) نے رسولؐ کی خاموشی سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور سردار انبیاء کی مرضی کے خلاف توریت کی تلاوت کی۔

(ج) آپ کی اس غیر اسلامی حرکت پر رسول اسلام کا چہرہ غصہ سے سرخ اور متغیر ہوا۔ یہ کیفیت دیکھ کر ابو بکر نے آپ کو پھٹکارا اور کہا: "گم کرنے والی عورتیں تجھے گم کر دیں" رسول اللہ کا چہرہ نہیں دیکھتا۔

(د) آپ نے خدا اور اس کے رسولؐ سے پناہ چاہی۔ مگر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اگر اس وقت موسیٰؑ تمھارے درمیان آجائیں تو تم مجھے چھوڑ کر ان کا دامن تھام لوگے اور گمراہ ہو جاؤ گے حالانکہ موسیٰؑ بھی اگر میری نبوت کا زمانہ پاتے تو وہ بھی میری ہی پیروی کرتے۔

یہ دوسری روایت پہلی روایت پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہے اور

Presented by www.ziaraat.com

یہ ظاہر کرتی ہے کہ ارشاد پیغمبرؐ کو ہذیان[۱] سے تعبیر کرنے والی اور "قرآن کافی ہے[۲]"، کا نعرہ بلند کرنے والی عمری فطرت کی نظر میں نہ تو قرآن کی کوئی اہمیت تھی اور نہ رسولؐ کا کوئی ادب و لحاظ تھا ورنہ لب کشائی کی یہ جسارت کہ میں توریت لایا ہوں یا اس کی تلاوت کی ہمت، چہ معنی! جبکہ پیغمبرؐ خود بھی حامل قرآن، حامل شریعت اور تمام انبیاء کی سابقہ شریعتوں کو منسوخ کرنے والے تھے۔

میرے خیال میں توریت سے آپ کی والہانہ دلچسپی اور یہودیت کی طرف آپ کا رجحان تعجب خیز اس لیے نہیں کہا جاسکتا کہ آپ کو ابتدا ہی سے محمدؐ کی نبوت میں شک تھا جیسا کہ مختلف مواقع پر ظاہر ہوا اور حدیبیہ[۳] میں کھل کر سامنے آیا۔

رسول اکرمؐ کی حق شناس نظریں یقیناً اس امر حقیقت کو تاڑ گئی ہوں گی کہ عمر کی منافقانہ طینت اسلام کے بجائے یہودیت کی طرف زیادہ مائل ہے، اسی لیے آپ نے فرمایا کہ اگر اس وقت حضرت موسیٰ تمہارے درمیان آجائیں تو تم مجھے چھوڑ دو گے اور ان کا دامن تھام لو گے۔ یعنی گمراہ ہو جاؤ گے۔

لیکن افسوس تو اس بات کا ہے کہ وہ عمر نواز حضرات جو شیعوں کے بارے میں یہ غلط نظریہ رکھتے ہیں کہ شیعہ مسلمان نہیں ہیں، شیعہ کافر ہیں اور شیعہ یہودی ہیں کیونکہ شیعیت کا مؤسس عبداللہ بن سبا تھا،

---

[۱] بخاری پ۳۰ ص ۲۴۲، ۸۴۲ [۲] سرالعالمین ص ۹، بخاری ج۱ ص ۱۲۴، ۱۳۵، و ج ۲ پ۱۵ ص ۶۹۶، مسلم ج ۵ ص ۷۶، وشرح بخاری (عسقلانی) ج۱ ص ۱۲۹ وغیرہ [۳] تاریخ ابن خلدون ص ۳۶۱

اپنے اس دینی و روحانی پیشوا (عمر) کی یہودیت سے دانستہ یا نادانستہ طور پر بیگانہ ہیں۔

اسلامی غزوات سے حضرت عمر کا فرار اور شجاعت

قرآن کہتا ہے کہ:

"اے ایمان والو! جب تم کفار سے میدان جنگ میں لڑنا تو ان کی طرف (ہرگز ہرگز) پیٹھ نہ کرنا اور جو شخص ان کی طرف پیٹھ پھیرے گا وہ یقینی خدا کے غضب میں آگیا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔" (انفال ۱۴-۱۶)

لیکن اس صریحی حکم کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر کی وہ تلوار جو حالت کفر میں پیغمبر اسلامؐ کے خون کی پیاسی تھی اور حصار اسلام میں داخل ہونے کے بعد جس کا لوہا مسلمانوں کے لیے ہر وقت گرم رہتا تھا، تمام اسلامی معرکوں سے راہِ فرار اختیار کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

تاریخیں شاہد ہیں کہ جہاں زندگی اور موت کے درمیان ٹکر کا مرحلہ درپیش ہوتا تھا، حضرت عمر وہاں سے میدان چھوڑ کر بھاگ نکلتے تھے اور اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو جاتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے کبھی جنگ کے میدان میں اپنے جسم پر زخم تو کیا، پھول کی ایک چھڑی تک نہیں کھائی۔

الخلفاء حصہ اول میں واقعات ابو بکر کے ساتھ ہم اسلامی معرکوں سے آپ کے فرار کے واقعات قلم بند کر چکے ہیں لیکن ضروری ہے کہ یہاں بھی اجمالی تفصیل تحریر کر دی جائے تاکہ تسلسل برقرار رہے۔

۱۔ جنگ بدر میں آپ کا کوئی جنگی کارنامہ نہیں ملتا بجز اس کے کہ آپ

Presented by www.ziaraat.com

اس جنگ کے سخت مخالف تھے اور آپ کو رسولؐ اللہ کی رائے سے قطعی اتفاق نہیں تھا۔ تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ جنگ اللہ کی مدد اور علیؑ کی شجاعت سے فتح ہوئی۔

۲۔ جنگ احد ایک ایسی ہولناک جنگ تھی کہ جس میں آنحضرتؐ کے دندان مبارک شہید ہوئے، پیشانیٔ اطہر زخمی ہوئی، اگر تائید الٰہی شامل حال نہ ہوتی تو شاید شمع رسالت ہی گل ہو گئی ہوتی۔

اس جنگ میں تمام صحابہ رسول اکرمؐ کو دشمنوں کے درمیان چھوڑ کر فرار ہو لیے تھے۔ بخاری کا کہنا ہے کہ ابو بکر، عمر اور عثمان میں سے کسی کا کوئی پتہ نہ تھا۔ حضرت عمر بھاگ کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے تھے۔ چنانچہ خود ان کا بیان ہے کہ میں پہاڑ کی چوٹی پر اس طرح اچک رہا تھا جیسے کوئی پہاڑی بکری اچکتی ہے[۱] حضرت عمر بھی ابو بکر کے ساتھ سرپٹ بھاگے اور کوہ احد پر دم لیا۔[۲] طبری ج ۲ ص ۱۹۴ اور کامل ج ۲ ص ۱۱۰ میں ہے کہ عثمان بھی بھاگے اور تیسرے دن واپس پلٹے۔

اس جنگ میں ستر مسلمانوں کے ساتھ حضرت حمزہؓ بھی درجۂ شہادت پر فائز ہوئے اور ذلیل و کمینہ خصلت معاویہ کی ماں ہندہ جگر خوارہ نے آپ کا کلیجہ نکال کر چبایا نیز آپ کی انگلیوں کا ہار اپنے گلے میں پہنا۔ مورخین کا کہنا ہے کہ اس جنگ میں سولہ زخم کاری حضرت علیؑ کے جسم پر لگے اور یہ جنگ بھی حضرت علیؑ کی جانبازی، قوت اور تلوار کے بل بوتے پر فتح ہوئی۔

---

[۱] در منثور ج ۲ ص ۸۸، کنز العمال ج ۱ ص ۲۳۸ [۲] تفسیر کبیر (رازی) ج ۳ ص ۱۰۸ مطبوعہ مصر

۳۔ جنگ خندق میں جب عمرو بن عبدود فرزندان توحید کو للکار رہا تھا تو ڈر کے مارے آپ کا برا حال تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے سر پر طائر بیٹھ گیا ہو۔ رسولؐ اللہ نے خصوصی طور پر عمر کو عمرو کے مقابلے کے لیے آمادہ کرنا چاہا لیکن آپ نے حکم رسولؐ کو ٹھکراتے ہوئے صاف انکار کر دیا[۱] کہ عمرو ایسے دیو پیکر سے مقابلہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔

۴۔ جنگ خیبر میں آپ کی عمری غیرت قدرے مردانگی کی طرف مائل ہوئی اور آپ ہمت کر کے دشمنوں سے مقابلہ کے لیے میدان میں نکلے۔ لیکن مرحب نے جب ریلا دیا تو سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ علامہ شبلی نے بھی آپ کی اس بزدلی اور نامردی کا اعتراف کرتے ہوئے "سیرۃ النبی" میں تحریر کیا ہے کہ: حضرت عمر کے پاؤں میدان میں نہ جم سکے اور واپس آکر انھوں نے رسولؐ اللہ سے یہ شکایت کی کہ فوج والوں نے نامردی دکھائی اس کے برعکس فوج والوں نے بھی کہا کہ وہ (عمر) خود نامرد ہیں۔[۲]

مورخین کا کہنا ہے کہ اس جنگ میں جب صحابہ منہ کی کھا چکے تو رسولؐ نے فرمایا کہ کل علم اس کو دوں گا جو کرار و غیر فرار ہو گا۔ خدا اور رسولؐ اس کو دوست رکھتے ہوں گے اور وہ خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہو گا، وہ دشمنوں پر بڑھ بڑھ کر حملے کرنے والا ہو گا اور میدان سے اس وقت تک نہ ہٹے گا جب تک فتح و ظفر سے ہمکنار نہ ہو جائے۔ اس اعلان کے بعد حضرت رسولؐ خدا نے دوسرے دن علم حضرت علیؑ کو دیا اور قلعہ قموص فتح ہو گیا۔

---

[۱] در منثور ج ۵ ص ۸۵، روضۃ الصفا ص ۹۶ [۲] سیرۃ النبی ج ۱ ص ۳۶۵

Presented by www.ziaraat.com

٥۔ جنگ حنین سے بھی آپ (عمر) کا فرار حتمی طور پر ثابت ہے۔ اس جنگ میں آپ کو اپنی اکثریت پر بڑا ناز تھا لیکن دشمنوں نے جب حملہ کیا تو اس طرح بھاگے کہ رسولؐ اللہ کو مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ سب سے پہلے سیف اللہ خالد بن ولید بھاگے، ان کے پیچھے نومسلم[۱] بھاگے، ان کے پیچھے آپ (عمر) بھاگے اور آپ کے پیچھے انصار و مہاجر بھاگے۔

غرض کہ پیغمبر اسلامؐ کے پاس حضرت علیؑ، عباس، ابن مسعود اور ابن حارث کے علاوہ کوئی نہ ٹھہرا اور یہ بے چارے بزدلوں کی اس میل ٹرین کو بھلا کس طرح روکتے جو بغیر سگنل کے اسٹیشن چھوڑ چکی تھی اور ڈیزل انجن (خالد) کی بدولت برقی رفتار سے بزدلی کی پٹری پر دوڑ رہی تھی البتہ جو مسلمان آخری بوگی کے پیچھے لٹکے ہوئے تھے ان میں سے کچھ رسولؐ کی آواز پر کود کر واپس آگئے اور انھوں نے حضرت علیؑ کے ساتھ مل کر اس ہارتی ہوئی جنگ کو فتح و کامرانی سے ہمکنار کرنے میں نمایاں کردار بھی ادا کیا۔

یہ مشہور و معروف اسلامی معرکے ہیں جن کا مفصل تذکرہ تاریخوں میں موجود ہے اور ان معرکوں میں پیغمبر اسلامؐ خود بہ نفس نفیس شریک رہے۔ پہلی جنگ بدر کی ہے، جس سے حضرت عمر کا فرار ثابت نہیں ہے صرف رسول اکرمؐ کی رائے سے اختلاف اور عدم کارگزاری کی وجہ یہ ہے کہ اس جنگ میں آپ کے ماموں ابوجہل صاحب کفار مکہ کے ساتھ آنحضرتؐ سے لڑنے آئے تھے اور آپ (عمر) ماموں کے خلاف میدان میں نکل کر

---

[۱] بیعت رضوان والوں سے مراد ہے۔

محسن کشی کا الزام اپنے سر لینا نہیں چاہتے تھے اس لیے کنارہ کش رہے۔

احد میں مجاہدین اسلام پر برا وقت پڑا، آنحضرتؐ بھی سخت زخمی ہوئے، بہت سے مسلمان میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے آپ نے بھی راہِ فرار اختیار کی۔ بخاری نے آپ کے فرار کا واقعہ واضح طور پر تحریر کیا ہے۔ امام فخرالدین رازی اور علامہ نیشاپوری کی تحریروں سے بھی آپ کا فرار ثابت ہے، ان دونوں علماء کی تحریروں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ میدان سے شیخین کے ساتھ فرار ہونے والوں میں حضرت عثمان بھی تھے۔ علامہ سیوطی نے اپنی تفسیر در منثور میں حضرت عمر کے فرار کو خود موصوف کی زبانی نقل کیا ہے۔ ابوبکر کا فرار عمر کے قول سے ثابت ہے، وہ یہ کہ جب حضرت رسولؐ خدا کو میدان میں چھوڑ کر تمام صحابی بھاگ نکلے اور آنحضرتؐ زخمی ہو کر بیٹھ گئے تو کسی بدبخت نے یہ اعلان کر دیا کہ محمدؐ مارے گئے تم لوگ اپنے اپنے قدیم مذہب کی طرف پلٹ جاؤ۔ چنانچہ جنگ کے خاتمہ پر حضرت علیؑ نے عمر سے پوچھا کہ کیا تم نے یہ اعلان کیا تھا کہ محمدؐ مارے گئے؟ عمر نے جواب دیا کہ یہ اعلان ابوبکر نے کیا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فرار کے وقت حضرت عمر اور ابوبکر دونوں ایک دوسرے سے قریب تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں نے مل کر یہ اعلان کیا ہو کہ محمد مارے گئے تم لوگ اپنے اپنے پرانے عقیدوں کی طرف پلٹ جاؤ، یعنی کفر اور بت پرستی پھر اختیار کر لو۔

خندق کی جنگ میں حضرت عمر نے عمرو بن عبدود سے لڑنے کے لیے صریحی طور پر انکار کر دیا۔ یہ عذر بھی آپ کا بے سبب نہ تھا۔ کیونکہ عمرو بن عبدود غیر معمولی خلقت کا انسان تھا اور حضرت عمر کے نزدیک اس دیوہیکر سے مقابلہ کرنا خلاف عقل تھا۔

Presented by www.ziaraat.com

خیبر کی جنگ میں بھی نامردی کا تاج فوج والوں نے آپ کے سر رکھا اور حنین میں بھی آپ کا فرار ثابت ہے جو آپ کی بزدلی اور نامردی کی کھلی ہوئی دلیل ہے لیکن افسوس اور تعجب تو اس بات کا ہے کہ عمر نواز مورخین نے تاریخ کے دامن کو حضرت عمر کے جنگی کارناموں سے بھر دیا ہے جبکہ عہدِ رسالت کے دامن پر آپ کی جنگی کارگزاری کا کوئی نقش نہیں ملتا۔ بلکہ اس کے برعکس آپ ہر میدان سے بھاگتے نظر آتے ہیں۔

آپ کے پر تشدد اور استبدادی دور حکومت میں اسلام کے نام پر ملک گیری کی ہوس نے جن فتوحات کا سہرا آپ کے سر باندھا ہے، اس میں بھی آپ کی سیاسی بازی گری اور شاطرانہ چالوں کے علاوہ ذاتی شجاعت کا کہیں سے کوئی دخل نہیں ہے اور نہ سیرت رسولؐ پر عمل پیرا ہو کر آپ کسی جنگی محاذ پر گئے۔ حقیقتاً یہ کارنامہ ان نمک خوار، وفادار اور آزمودہ کار کمانڈروں اور جرنیلوں کا ہے جو جاہل، فاقہ کش اور ننگے بھوکے عربوں کو لے کر مال غنیمت کے لیے کسریٰ و روم کی حکومتوں پر ٹوٹ پڑے اور انھوں نے ایرانیوں و رومیوں سے (بزور شمشیر) بہت سے ملک چھین کر آپ کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا۔ حکومت کے استحکام اور سازگار حالات کو دیکھتے ہوئے ابوبکر کے بعد آپ کی جگہ اگر مٹی کا خلیفہ بھی ہوتا تو یہی سہرا اس کے سر جاتا۔

ان تمام حقائق و شواہد کے باوجود اپنی ہٹ دھرمی یا ناواقفیت کی بنا پر موضوعہ روایات کے تحت مسلمانوں کا ایک فرقہ حضرت عمر کو تمام صحابہ بلکہ بعض امور میں رسولؐ سے افضل سمجھتا ہے اور تمام شجاعانِ عرب کی شجاعتوں پر آپ کی شجاعت کو فوقیت دیتا ہے جبکہ حقیقت

یہ ہے کہ نہ آپ افضل تھے نہ شجاع تھے نہ بہادر تھے اور نہ دلیر تھے۔ البتہ آپ کی کسی اہم اور ممتاز شجاعانہ کارگزاری پر اگر کسی محقق کی نظر مرکوز ہوتی ہے تو وہ یہ ہے کہ جب محمد بن عبداللہ (رسول اکرمؐ) نے خدائی دین (اسلام) کی تبلیغی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اسے عوام میں روشناس کرانا چاہا اور آپ کو اس امر کا پتہ چلا تو غیظ و غضب کے بخار نے آپ کو اس طرح جکڑا کہ آپ ہوش و حواس سے محروم ہو کر مسلسل چھ برس تک اس بیماری میں مبتلا رہے اور آخر کار ایک دن آپ پر کچھ ایسی جنونی کیفیت طاری ہوئی کہ رسول اللہ کا قصہ تمام کرنے شمشیر بدست گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ لیکن چونکہ خدا، رسولؐ کے تحفظ کا ضامن تھا، اس لیے آپ کا یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔

دوسری شجاعانہ کارگزاری یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ نے طوافِ خانہ کعبہ کے بعد ہزاروں کفار و مشرکین کی موجودگی میں علانیہ طور پر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی جبکہ کفار قریش کی عداوت و ریشہ دوانیوں نے رسولؐ کو خفیہ طور پر مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا[1]۔

یقیناً اسلام دشمن، جاہل اور خونخوار عربوں کی موجودگی میں کسی ایسے شخص کا جو (بظاہر) مسلمان ہو، علانیہ سفر ہجرت اختیار کرنا بڑے دل گردے کا کام تھا جبکہ رسول اللہ کی ہجرت کا محتاط طور و طریقہ بھی اس کے سامنے تھا۔

میرے خیال میں آپ کا یہ اقدام ایک نادر اور مثالی شجاعت کا

---

[1] رسولؐ اللہ نے کفار قریش سے خوفزدہ ہو کر ہجرت نہیں فرمائی بلکہ آپ کے لیے خدا کا حکم تھا۔

Presented by www.ziaraat.com

نمونہ اس وقت تصور کیا جاتا جب آپ کے ماموں ابوجہل صاحب آپ کو امان و پناہ نہ دے چکے ہوتے، بھلا ماموں جان کی اس امن و پناہ کے سامنے کس کی مجال تھی جو آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا۔ لہٰذا ماموں کی دھاک کی بدولت آپ نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور وہاں سے فرار ہو لیے۔ چنانچہ آپ کی یہ علانیہ ہجرت ابوجہل کے رحم و کرم کا نتیجہ تھی، جس کی واضح دلیل یہ پیش کی جاسکتی ہے کہ جب پیغمبر اسلامؐ نے آپ کو صلح حدیبیہ سے قبل کفار قریش سے باہمی گفتگو کے لیے مکہ بھیجنا چاہا تو آپ نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ کفار مجھے اب زندہ نہ چھوڑیں گے۔ یقیناً یہ جملہ آپ کا اس مجبوری کے تحت تھا اس لیے کہ بدر کی لڑائی میں آپ کے ماموں جان (ابوجہل) فی النار ہو چکے تھے لہٰذا آپ کو کون بچاتا؟

مختصر یہ کہ آپ (عمر) آنحضرت کی زندگی میں ان کے قتل پر آمادہ رہے، اسلامی جنگوں سے فرار اختیار کرتے رہے، احکام رسالت کی نافرمانیوں کے مرتکب ہوتے رہے اور خدا کے رسولؐ کو اس کی زندگی کے آخری لمحات میں (معاذ اللہ) ہذیان گو قرار دے کر ایک ایسا نوشتہ لکھنے سے باز رکھا جو قیامت تک مسلمانوں کو گمراہی سے محفوظ رکھتا۔ اور پھر بعد وفات پیغمبرؐ آپ نے اپنے ہی نبیؐ کی بیٹی (فاطمہؑ) کے گھر میں آگ لگا کر شجاعت کا وہ کارنامہ انجام دے دیا جس سے تمام عالم انسانیت لرز اٹھا۔ اب اس کے بعد بھی اگر مسلمان آپ کی افضلیت و شجاعت کا معترف ہے تو ہوا کرے، حشر میں انجام خود سامنے آجائے گا۔ ہم کسی کو منع کیوں کریں؟ بہر حال ہمارا سر تو ان عمری کارناموں پر ندامت و شرمندگی سے جھک جاتا ہے۔

عمری تشدد

تشدد چونکہ حضرت عمر کی فطرت میں داخل تھا، اس لیے آپ نے اپنے پُرتشدد طرزِ عمل کو کفار کے علاوہ دوست، احباب، بہن، بیٹےؓ، اہل خاندان نیز دیگر مسلمانوں اور خصوصی طور پر اہل بیت اطہارؑ پر مرتے دم تک جاری رکھا۔ آپ کے تشدد کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

ابوہریرہ پر تشدد

۱۔ ۲۱ھ میں عمر نے ابوہریرہ کو بحرین کا گورنر مقرر کیا، پھر ان پر چوری کا الزام عائد کر کے ۲۳ھ میں معزول کر دیا اور ان سے دس ہزار کا مطالبہ اس بنیاد پر کیا کہ انھوں نے یہ رقم بیت المال سے اُڑائی ہے۔

عقد الفرید میں ہے کہ آپ نے ابوہریرہ کو طلب کیا اور ان سے فرمایا کہ میں نے تمھیں اس وقت بحرین کا حاکم مقرر کیا تھا جب تمھارے پیروں میں جوتیاں بھی نہیں تھیں اور اب معلوم ہوا ہے کہ تم نے سولہ سو دینار کے گھوڑے خریدے ہیں۔ بتاؤ یہ رقم کہاں سے آئی؟

ابوہریرہ نے جواب دیا کہ کچھ رقم مجھے اپنے جانوروں کی فروخت سے دستیاب ہوئی اور کچھ مسلمانوں کا عطیہ تھی جس سے میں نے گھوڑے خرید لیے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ رقم استعمال کرنے کا حق تمھیں نہیں تھا لہٰذا واپس کرو۔ ابوہریرہ نے کہا کہ میری ذاتی رقم سے آپ کا کیا

Presented by www.ziaraat.com

تعلق ہے اور آپ اسے مانگنے والے کون ہوتے ہیں؟

یہ سن کر آپ (غصہ سے) بے قابو ہو گئے اور ابوہریرہ پر وہ تازیانہ رسید کیا کہ کھال تک ادھڑ گئی اور صرف یہی نہیں بلکہ آپ نے انھیں ماں کی گالی سے بھی سرفراز کیا[۱]۔

۲۔ پیغمبر اسلامؐ نے ابوہریرہ کو اس اعلان کے لیے مامور فرمایا کہ "اللہ کی بارگاہ میں جو شخص باایمان جائے گا اسے جنت عطا کی جائے گی"۔ ابوہریرہ رسولؐ کے حکم پر اس بشارتی اعلان کے لیے نکلے۔ راستہ میں عمر سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ آپ نے پوچھا، ابوہریرہ! کہاں چلے؟ ابوہریرہ نے مقصد بتایا۔ سنتے ہی آپ پر جنون طاری ہوا اور آپ نے ابوہریرہ کے ساتھ وہ کیا کہ آپ زمین پر الٹ گئے اور روتے پیٹتے رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی مرمت کی روداد بیان کی۔ اتنے میں عمر بھی وہاں پہنچ گئے پیغمبرؐ نے مواخذہ کیا تو تڑپ کر بولے کہ ایسے اعلان سے کیا فائدہ کہ امت عمل کو ترک کر کے صرف عقیدہ اور ایمان پر جنت وصول کرنے لگے چنانچہ رسول اکرمؐ نے اس مشورہ کی صحت کا اعتراف کرتے ہوئے اعلان کا ارادہ ہی ترک کر دیا[۲]۔

پہلی روایت عمری دور حکومت کی ہے اور دوسری روایت کا تعلق دورِ رسالت سے ہے۔ لیکن ان دونوں روایتوں میں بے چارہ جھوٹی حدیثیں گھڑنے والا ابوہریرہ، حضرت عمر کے جارحانہ اقدام کا شکار نظر آتا ہے۔ پہلی روایت میں اس کا جرم یہ ہے کہ اس نے اپنے جانوروں کی

---

[۱] عقد الفرید ج۱ ص ۴۳ [۲] شرح مسلم (نووی) ج۱ ص ۲۳۷

فروخت اور عطیہ کی رقم سے کچھ گھوڑے خرید لیے تھے جسے عمری فطرت برداشت نہیں کر سکی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے اندر سرزنش کا یہی جذبہ اس وقت کیوں نہ بیدار ہوا جب آپ شام تشریف لے گئے تو وہاں معاویہ کے شاہانہ ٹھاٹ باٹ اور طور طریقوں کے بارے میں سوال کیوں نہیں کیا؟ اسے سزا کا مستحق کیوں نہیں قرار دیا؟ صرف اس طنز پر کیوں اکتفا کی کہ ھٰذا کسری العرب یعنی "یہ تو عرب کا بادشاہ ہے"[۱] آخر وہ بھی تو حکومت کی طرف سے گورنر کے عہدے پر مامور تھا؟

شاید اس لیے کہ شام میں معاویہ بحیثیت گورنر، مستقل، مضبوط اور مستحکم ہو چکا تھا، لہٰذا آپ کی زبان نہ کھل سکی کیونکہ وہ آپ کے وجود پر بھاری پڑ جاتا۔ اس کے برعکس ابوہریرہ کی کھال آپ نے اس لیے ادھیڑ دی کہ وہ ایک کمزور شخص تھا۔

دوسری روایت یہ بتاتی ہے کہ آپ نے ابوہریرہ کی پٹائی بھی کی اور رسول اکرمؐ کو اس امر کی تنبیہ بھی کی کہ آپ کا یہ اعلان کہ "جو شخص اللہ کی بارگاہ میں باایمان جائے گا اسے جنت عطا کی جائے گی" خلاف مصلحت ہے۔ اس سے واضح ہے کہ آپ اپنی رائے کو رسول اکرمؐ کی رائے پر مسلط کر دیا کرتے تھے۔ لیکن رسولؐ چونکہ خلق عظیم کے مالک تھے اس لیے اس بے ادبی اور تحقیر کو نظر انداز کر گئے جس کا فطری اثر یہ ہوا کہ یہ واقعہ عام یہ ہو کر عتبہ بن مالک، معاذ، عبادہ اور عثمان وغیرہم تک پہنچا اور تمام مسلمانوں نے اس اعلان کو جو پیغمبر چاہتے تھے قبول کر لیا اور آج بھی ۔۔ اس پر عمل پیرا ہیں۔

---

[۱] استیعاب ج۱ ص ۲۵۳، البدایہ والنہایہ ج۸ ص ۱۲۵

Presented by www.ziaraat.com

سعد بن ابی وقاص پر تشدد

سعد کو عمر نے شام کا حاکم مقرر کیا۔ پھر ایک دن نہ جانے کون سی رگ پھڑکی کہ آپ نے محمد بن مسلمہ کو یہ حکم جاری کیا کہ سعد کو گرفتار کر کے اس کے گھر میں آگ لگا دو۔ ابن مسلمہ نے اس قہری حکم پر عملدرآمد کرنا چاہا تو سعد نے پوچھا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ یہ حضرت عمر کی احتیاط و دانشمندی کا نتیجہ ہے۔

معلوم ہوا کہ عمری احتیاط و دانش مندی کا ماحصل آگ زنی ہے۔ اس کے سیاق و سباق پر قارئین کرام خود غور فرمائیں۔

خالد بن ولید پر تشدد

اس واقعہ کو علامہ عبدالحسین شرف الدین نے اپنی کتاب نصّ و اجتہاد (مترجمہ علامہ ذیشان حیدر جوادی) کے صفحہ ۱۹۴ و ۱۹۵ پر عبقریۃ عمر عقاد صفحہ ۲۴۵ کے حوالے سے یوں تحریر فرمایا ہے:

"جس زمانہ میں خالد قنسرین کا حاکم تھا۔ اشعث بن قیس نے اس سے کچھ رقم کا مطالبہ کیا۔ اس نے دس ہزار کی اجازت دے دی۔ عمر کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے ابو عبیدہ حاکم حمص کو لکھا کہ خالد کو معزول کر دو اور اسے ایک پیر پر کھڑا کر کے مجمع عام میں اس رقم کے بارے میں سوال کرو۔ اگر یہ رقم اس نے اپنے پاس سے دی ہے تو اسراف کیا ہے اور اگر بیت المال سے دی ہے تو خیانت کا مجرم ہے اور دونوں ہی صورتوں میں مستحق عتاب ہے۔ ابو عبیدہ نے خالد کو بلا کر مسجد میں یہ عمل انجام

دیا۔ خالد نے جواب میں بتایا کہ یہ سب اس کا ذاتی مال ہے۔ یہ سن کر ابو عبیدہ نے اس کی ٹوپی واپس کر دی، پیر کھول دیے اور اس کا احترام بھی کیا لیکن اس کی معزولی کا حکم نہیں سنایا۔ وہ چند روز تک اپنے بارے میں متحیر رہا، یہاں تک کہ حضرت عمر کا یہ حکم پہنچا کہ تم معزول کر دیے گئے ہو، لہٰذا وہاں سے ہٹ جاؤ۔"

قانون کی اصطلاحی زبان میں دو مختلف شکلوں کا نام "مجرم" اور "ملزم" ہے۔ مجرم اسے کہتے ہیں جو حقیقتاً کسی جرم کا مرتکب ہوا ہو اور وہ جرم اس کے بیان یا مستند گواہوں کی گواہی سے ثابت بھی ہو جائے۔ بصورت دیگر ملزم وہ ہوتا ہے جس پر محض الزام عائد کیا گیا ہو۔

ملزم اس وقت تک سزا کا مستحق نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس پر عاید شدہ الزام اپنے محکم اور ٹھوس ثبوت کی بنیاد پر اسے مجرم تسلیم کرنے پر مجبور نہ کر دے۔

اصولی حیثیت سے عمری تشدد کا یہ واقعہ عمر کے عادلانہ طور طریقوں کی نفی کرتا ہے اور موصوف کے منصفانہ فقدان کا مظہر ہے۔ کیونکہ آپ نے کسی ثبوت یا تفتیش کے بغیر محض خبر کی بنیاد پر خالد کو اپنے غیر آئینی تشدد کا نشانہ بنایا ہے کہ اس نے دس ہزار کی رقم اشعث کو دے دی، جبکہ خالد کا کہنا ہے کہ وہ اس کا ذاتی مال تھا۔ اور خالد کے اس بیان پر ابو عبیدہ نے اسے آزاد بھی کر دیا اور معزولی کا حکم بھی سنانے سے گریز کیا کیونکہ ان کی نظر میں خالد مجرم نہیں تھا۔

ظاہر ہے کہ اپنے ذاتی مال میں سے کوئی شخص کسی شخص کی ضرورت کے تحت کسی شکل میں اگر کوئی رقم اسے دے دے تو اس کا شمار نہ اسراف

Presented by www.ziaraat.com

میں ہوگا اور نہ دینے والا شخص قانون کی نگاہ میں کسی سزا کا مستحق قرار پائے گا۔

عمر نے خالد پر جھوٹا الزام عائد کر کے اسے معزول، ذلیل اور رسوا کرنے کا جو بہانہ تلاش کیا ہے اس کی تہ میں ایک بہت بڑا راز مضمر ہے اور وہ یہ کہ خالد نے بچپن میں عمر کی ایک ٹانگ توڑ ڈالی تھی۔

یہ دلچسپ واقعہ تاریخ میں یوں مرقوم ہے کہ خالد اور عمر جو آپس میں خالہ زاد بھائی تھے، بچپن میں ایک دن کسی بات پر لڑ پڑے۔ خالد نے عمر کو پٹک کر نہ جانے کون سا داؤں استعمال کیا کہ موصوف کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ بعد میں وہ جڑ تو گئی مگر زندگی بھر کے لیے آپ کو علیبی بنا گئی۔ یہی وجہ ہے کہ عمری سیرت نگاروں نے آپ کو معقل تحریر کیا ہے یعنی جب آپ چلتے تھے تو دونوں ایڑیاں باہم مل جاتی تھیں اور ایسا لگتا تھا کہ جیسے دونوں پیر بندھے ہوں۔ چنانچہ آپ کو اپنے اس علیبی پن کا احساس اس قدر شدید تھا کہ جب آپ خلیفہ بن گئے تو سب سے پہلے خالد کو یہ کہہ کر معزول کر دیا کہ: "خالد میری زندگی میں کسی عہدہ پر نہیں رہ سکتے"۔[1] اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر کی یہ کارروائی انتقامی جذبے کے تحت تھی۔

نصر بن حجاج پر تشدد

عبداللہ بریدہ سے مروی ہے کہ حسب عادت ایک رات عمر مدینہ

[1] سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۱۹۸

کی گلیوں اور کوچوں میں گشت فرما رہے تھے کہ ایک گھر سے کسی مغنیہ کی آواز سنائی دی جو اضطراب و بے چینی کے ساز پر، پُر درد لہجہ میں اس مفہوم کا ایک شعر گنگنا رہی تھی کہ "کاش اس وقت نصر بن حجاج مجھے مل جاتا یا پھر تھوڑی سی شراب مل جاتی"۔

آپ نے فرمایا کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ پھر صبح ہوتے ہی نصر کو طلب کیا۔ وہ ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ فرمایا اس کے بال اس کے سر پر الٹ دیے جائیں۔ اس عمل سے پیشانی کھلی تو چہرہ اور بھی نکھر گیا۔ پھر فرمایا کہ اس کے سر پر عمامہ رکھا جائے۔ عمامہ رکھا گیا تو وجاہت اور بڑھ گئی۔

نصر کا یہ حسن و جمال دیکھ کر آپ آگ بگولا ہو گئے۔ غیظ و غضب کی سرخی نے آنکھوں کو انگارہ بنا دیا۔ فرمایا کہ اسی حسن پر تو عورتیں جان دیتی ہیں، میں تجھے اس شہر میں رہنے ہی نہ دوں گا۔ چنانچہ اسی فیصلہ کے تحت آپ نے نصر کو جلاوطن کر کے بصرہ بھیج دیا اور پھر اس وقت تک مدینہ کی سکونت سے محروم رہا جب تک کہ آپ اس دنیا سے کوچ نہیں کر گئے۔[1]

حضرت عمر کا اس مغنیہ سے کیا تعلق تھا، نہیں معلوم۔ لیکن آپ کا یہ رقیبانہ اقدام غور و فکر کی دعوت ضرور دیتا ہے۔

ابو شحمہ پر تشدد

عرب کے مشہور و معروف طوائف نابغہ کے حرامی بیٹے عمرو بن العاص

[1] شرح ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۹۹

Presented by www.ziaraat.com

کے حلقۂ اقتدار میں حضرت عمر کے صاحبزادے ابوشحمہ نے ایک دن شراب پی۔ عمرو عاص نے اس کا سر منڈوا کر عبداللہ بن عمر کے سامنے اس پر شرعی حد جاری کرائی اور تازیانوں سے جسم کی کھال ادھیڑ کر اسے عمر کی خدمت میں اس خط کے ساتھ روانہ کیا کہ "میں نے ابوشحمہ پر تمام شرائطِ اسلامی کے ساتھ بلا رعایت حد جاری کر دی ہے اور اب حسب الحکم آپ کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں۔"

عبداللہ بن عمر بھائی کو زخمی حالت میں لے کر باپ کے پاس پہنچے۔ شفقت پدری کا تقاضہ تھا کہ آپ ابوشحمہ کو سمجھاتے بجھاتے، تسلی دیتے اور غیر شرعی اقدام سے آئندہ باز رہنے کی نصیحت فرماتے، حد جاری کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا اس لیے کہ وہ پہلے ہی عمرو عاص کے ہاتھوں جاری ہو چکی تھی۔ لیکن یہ سب کچھ نہیں ہوا بلکہ آپ ابوشحمہ کو دیکھتے ہی جنون میں مبتلا ہو گئے، تازیانہ اٹھایا اور تیزی سے شروع ہو گئے۔ ابوشحمہ نے فریاد بھی کی کہ ابا جان! میں بیمار ہوں، مر جاؤں گا۔ لیکن آپ نے ایک نہ سنی اور از سرِ نو دوبارہ حد جاری کر کے قید خانہ میں ڈال دیا جہاں ابوشحمہ نے دم توڑ دیا۔[1]

یہ واقعہ اس وقت اور زیادہ عبرت انگیز اور افسوسناک ہو جاتا ہے جب تاریخ یہ بتاتی ہے کہ حضرت عمر خود بھی شراب کے بے حد شوقین تھے۔ مسلمان خود انصاف کریں کہ ایک شرابی باپ کا اپنے شرابی بیٹے پر شراب نوشی کے الزام میں حد جاری کرنا کہاں تک درست ہے جبکہ عمرو عاص اس پر

---

[1] استیعاب ج۲ ص ۳۹۵، حیوۃ الحیوان ج۱ ص ۳۴۶

شرعی حد کا خاتمہ کر چکا تھا۔ پھر ابوشحمہ نے اپنے باپ سے بیماری کا عذر بھی کیا تھا تو کیا اسلامی شریعت کے تحت کسی بیمار پر حد جاری ہو سکتی ہے؟ کیا حد کے بعد انسان پر قید کی سختیاں مسلط کی جا سکتی ہیں؟ اگر نہیں۔ تو کیا عمر کا یہ جارحانہ اقدام قابل ستائش ہے؟

احکامات الٰہیہ کے بارے میں اگر عمرو عاص قابل اعتماد تھا تو دوبارہ آپ نے حد جاری کرنے کی زحمت کیوں فرمائی؟ اور اگر عمرو عاص کا یہ اقدام شرعی اعتبار سے درست نہیں تھا تو ایسے شخص کو آپ نے مسلمانوں پر حاکم کیوں بنایا؟

یہ وہ واقعات ہیں جو اہل سنت کی مستند کتابوں میں مرقوم ہیں اور جنھیں پڑھنے کے بعد غیرت کی پیشانی پر ندامت کا پسینہ آجاتا ہے۔

جبلہ بن ایہم پر تشدد

جبلہ بن ایہم کی قیادت میں قبیلۂ "عک" و "جفنہ" کے ۵۰۰ افراد سبک رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر حضرت عمر کے پاس اس شان سے آئے کہ ان کے گھوڑوں پر زربفت کے زین کسے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے خلوص دل سے اسلام قبول کیا اور اسی سال حج بیت اللہ کے لیے بھی گئے۔ طواف کے دوران کسی دوسرے قبیلہ کے کسی شخص کا پیر جبلہ کی زمیں بوس چادر یا تہ بند پر پڑ گیا اور وہ کھل گئی۔ جبلہ نے برہنہ حالت میں ایک طمانچہ اس شخص کے منھ پر مار دیا۔ اس نے حضرت عمر سے جو وہاں موجود تھے شکایت کی۔ آپ نے وجہ دریافت کیے بغیر جبلہ کے خلاف تشدد سے کام لیا اور یہ فیصلہ بھی صادر فرما دیا کہ جبلہ یا تو اس شخص کو

Presented by www.ziaraat.com

رضامند کرلے یا پھر قصاص کے معاملے میں آپ نے وہ شدت اختیار کی کہ جبلہ اور اس کے تمام ساتھی راتوں رات وہاں سے فرار ہو لیے اور بھاگ کر قسطنطنیہ "ہرقل" کی پناہ میں چلے گئے اور اسلام سے دست بردار ہو کر مرتد ہو گئے۔[1]

ظاہر ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے اسلام کی تبلیغ، اشاعت اور دعوت کے سلسلے میں جس حُسنِ اخلاق کا مظاہرہ کیا یا جو صعوبتیں برداشت کیں وہ دنیا کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اب مسلمان خود فیصلہ کرے کہ کیا نومسلموں پر حضرت عمر کا یہ تشدد مناسب تھا کہ جس کے سبب سے ایک کثیر تعداد اسلام سے مشرف ہونے کے بعد پھر مرتد ہو جائے اور آپ کے کان پر جوں تک نہ رینگے؟ مگر عمر کو اسلام کی پروا کب تھی؟ اور اگر اسلام کی وسعت کی فکر ہوتی تو وہ ایسا اقدام ہی کیوں کرتے؟ ایسے اسلام دشمن خلیفہ کی قربت سے دوری اور برأت کہیں بہتر ہے۔

عمری جھوٹ

حضرت عمر کی فطرت میں جھوٹ بھی داخل تھا اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ سقیفہ کے دوسرے دن جب مسلمانوں کا اجماع مسجدِ نبوی میں ہوا اور بحیثیت خلیفہ ابوبکر نے مجمع کو خطاب کرنا چاہا تو ان سے پہلے آپ نے کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کہ:

"ایہا الناس! میں نے ابوبکر کی بیعت کے بارے میں

[1] طریق الحکمت ص ۱۶

کل (بہ ہنگام سقیفہ) جو کچھ تم لوگوں سے کہا تھا وہ نہ تو کتابِ خدا میں ہے اور نہ ہی رسول اللہؐ نے اس کے متعلق کوئی وصیت کی تھی نہ کوئی خاص حکم تھا لہٰذا اب اگر کوئی ایسا کرے تو اسے قتل کر دو"

یہ وہ تقریر ہے جو کتابی حوالوں کی محتاج نہیں ہے، اسے تمام مورخین نے نقل کیا ہے۔ اس تقریر سے نہ صرف حضرت عمر کا جھوٹ ثابت ہے بلکہ یہ صراحت بھی ہوتی ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں ابوبکر کا انتخاب نہ تو قرآن کے مطابق تھا اور نہ ہی اس کے لیے رسول اکرمؐ کی کوئی وصیت تھی کہ جس کے تحت ابوبکر خلافت کے حقدار قرار پاتے۔

حضرت عمر کی نظر میں یہ معاملہ انتہائی سنگین اور واجب القتل تھا لیکن چونکہ اس سے ابوبکر کی ذات وابستہ تھی اور انھیں خلیفہ بنانے والے آپ ہی تھے اس لیے بربنائے مصلحت آپ اسے ٹال گئے اور آئندہ کے لیے سقیفہ کے طریقۂ انتخاب پر یہ کہہ کر پابندی عاید کر دی کہ اب اگر کوئی ایسا کرے تو اسے قتل کر دو۔ کیونکہ باہمی معاہدے کے تحت آپ کو یہ معلوم تھا کہ ابوبکر اپنے بعد خلافت کو نامزدگی کے ذریعہ ان کی طرف منتقل کر دیں گے۔ اور یہی ہوا۔

عمری تجسس

ایک رات حضرت عمر شب گشت پر نکلے اور دیکھا کہ ایک گھر سے گانے بجانے کی آوازیں آرہی ہیں۔ آپ دیوار پھاند کر اندر گھس گئے۔ وہاں ایک عورت، کچھ لوگ اور شراب کا چلتا ہوا دور آپ کو نظر آیا۔ آپ نے اپنی کرخت آواز میں تنبیہ شروع کر دی اور فرمایا کہ کیا تم

Presented by www.ziaraat.com

لوگوں کو نہیں معلوم کہ یہ کام شریعت کے خلاف ہے؟ عورت نے بڑھ کر جواب دیا کہ ہم جاہل عوام کچھ کریں۔ لیکن خلیفہ ہوتے ہوئے بھی آپ نے اس وقت تین گناہ ایک ساتھ کیے ہیں۔ اول یہ کہ دروازے سے آنے کے بجائے دیوار پھاند کر آئے، دوسرے یہ کہ بغیر اجازت مکان میں داخل ہوئے، تیسرے یہ کہ آپ نے تجسس فرمایا[1]۔ یہ سننا تھا کہ آپ اپنے ماتھے سے ندامت کا پسینہ پونچھتے ہوئے واپس آ گئے[2]۔

مصری مورخ محمد حسین ہیکل کا کہنا ہے کہ آپ خود بھی غنا اور سماع کے بڑے شوقین تھے[3] علامہ شبلی نے بھی اس بات کی تائید کی ہے۔ (الفاروق ج ۲ ص ۲۹۴)

سدی سے روایت ہے کہ آپ ابن مسعود کے ساتھ رات میں گشت پر نکلے تو ایک جگہ سے روشنی نظر آئی آپ کچھ دور چل کر ایک مکان میں گھس گئے۔ معلوم ہوا کہ ایک چراغ کے زیرِ سایہ ایک بوڑھا شخص اور ایک عورت ہے اور شراب کا دور چل رہا ہے۔ ابھی وہ شخص آپ کی طرف متوجہ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ آپ نے ڈانٹ پھٹکار شروع کر دی۔ اس نے کہا کہ آپ کے لیے تجسس کب جائز تھا؟ کہ بغیر اجازت گھر کے اندر گھس آئے۔ یہ سننا تھا کہ آپ شرمندہ ہو کر روتے پیٹتے گھر سے نکل آئے[4]۔

شعبی کا بیان ہے کہ ایک دن عمر نے اپنے ایک صحابی کو اپنی محفل میں نہیں دیکھا تو ابن عوف سے کہا کہ چلو اس کے گھر چلیں اور وجہ معلوم کریں کہ وہ کیوں نہیں آیا؟ عمر اور ابن عوف جب وہاں پہنچے تو کیا دیکھا

---

[1] الفاروق ص ۱۷۲ [2] کنز العمال ج ۲ ص ۱۶۷، ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۹۶ [3] فاروق اعظم ص ۶۵۶، ۶۵۷ [4] کنز العمال ج ۲ ص ۱۴۱

دیکھا کہ دروازہ کھلا ہے اور اس صحابی کی عورت کسی برتن میں کچھ انڈیل رہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ انھیں چیزوں نے تو اسے حاضری سے غافل کر دیا ہے۔ ابن عوف نے کہا کہ آپ کو کیا معلوم کہ کیا شے ہے؟ آپ نے فرمایا تو کیا میں نے تجسس کیا ہے؟ ابن عوف نے کہا۔ جی ہاں۔ فرمایا تو پھر واپس چلو اور اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا[1]۔

مسور بن مخرمہ۔ ابن عوف سے مروی ہیں کہ ایک رات عمر شب گردی پر نکلے تو ایک گھر سے کچھ آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ربیعہ بن امیہ کا مکان ہے اور یہ سب شراب نوشی میں مصروف ہیں۔ ابن عوف نے کہا یہ عمل بھی آپ کا تجسس ہے۔ فرمایا تو پھر واپس چلو۔

ابو قلابہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر کو یہ اطلاع ملی کہ ابو محجن اپنے گھر میں شراب پی رہا ہے۔ آپ وہاں پہنچے۔ قبل اس کے کہ آپ کچھ کہیں اس نے اعتراض کیا کہ جناب کا یہ تجسس کیسا؟ آپ نے زید بن ثابت اور عبدالرحمن بن ارقم سے اس واقعہ کی صحت کی تصدیق بھی کر لی۔ لیکن اس کے باوجود پلٹ آئے[2]۔

مذکورہ روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ عورت، شراب اور شرابیوں کے لیے آپ اپنے دل میں انتہائی نرم گوشہ رکھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ آپ کی نظر میں حاکم کا قصور، مجرم کو اس کے جرم سے بری کر دیتا تھا۔

---

[1] کنز العمال ج ۲ حدیث نمبر ۳۶۹۴ [2] کنز العمال ج ۲ ص ۱۴۱

Presented by www.ziaraat.com

سرمہ دانی میں سلائی

عمری عدالت میں مغیرہ بن شعبہ پر قبیلۂ عامر بن صعصعیہ کی ایک بدکردار عورت ام جمیل بنت ارقم کے ساتھ زناکاری کے جرم میں مقدمہ دائر ہوا۔ اور ابوبکرہ، مشعل بن بجلی، نافع بن کلدہ نیز زیاد نے اس امر کی چشم دید گواہیاں دیں کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے اس فعل کو سرزد ہوتے دیکھا ہے۔ زیاد نے تو یہاں تک کہا کہ میں نے مغیرہ کو ام جمیل کی ٹانگوں کے درمیان دیکھا ہے جس کے پاؤں حنا آلود تھے اور سرین کھلے تھے۔ مغیرہ تیزی سے حرکت میں تھے اور سانسوں کی آواز زور زور سے آرہی تھیں۔ لیکن حضرت عمر نے یہ کہہ کر ان گواہاں کے بیانات کو مسترد کر دیا کہ "خدا کی قسم میں اس وقت تک نہ مانوں گا جب تک تم لوگ یہ نہ کہو گے کہ ہم نے ....کو ....میں جاتے اس طرح دیکھا ہے جس طرح سرمہ دانی میں سلائی جاتی ہے۔"

قرآن میں زناکار مرد اور عورت دونوں کی "حد" معین ہے اور اس کے ساتھ ہی چار عادل گواہوں کی شرط بھی ہے۔ مگر یہ شرط کہیں نہیں ہے کہ گواہ اس طرح گواہی دے جس طرح حضرت عمر نے فرمایا ہے۔ جبکہ دور رسالت میں بھی کچھ صحابہ زنا کے مرتکب ہوئے اور ان پر حد جاری کرنے کے لیے گواہ بھی طلب کیے مگر آپ نے "سرمہ دانی اور سلائی والی شرط نہیں رکھی، صرف معتبر اور عادل گواہوں کے چشم دید بیانات پر اعتماد و اکتفا کر کے حد جاری کر دی۔

حضرت عمر کے تجویز کردہ اس تعجب خیز نصاب شہادت کو

آپ کے اولیات میں شامل کیا جانا چاہیے کہ آپ نے نہ صرف سرمہ دانی اور سلائی کی شرط رکھ کر مغیرہ کو اس کے جرم سے بری کر دیا بلکہ اس کے ہاتھ سے گواہوں کی پٹائی بھی کرائی جس میں تازیانوں کی ضرب سے ابوبکرہ سب سے زیادہ زخمی ہوئے۔

جو چاہے کرے

ایک عورت نے عمر سے شکایت کی کہ اس کا شوہر رات بھر عبادت کرتا ہے اور دن بھر روزہ رکھتا ہے۔ میری طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اس پر عمر نے کہا کہ یہ تو بڑی ہی اچھی بات ہے۔ اتفاق سے کعب بن سوار بھی وہاں موجود تھے انھوں نے کہا: یہ عورت اپنے شوہر کی تعریف کرنے نہیں آئی بلکہ شکایت کرنے آئی ہے کہ وہ اس کے ساتھ مجامعت نہیں کرتا۔ آپ نے کعب سے فرمایا کہ اچھا! تم خوب سمجھے، بات یہی معلوم ہوتی ہے، اب تم ہی اس کا فیصلہ بھی کر دو۔ کعب نے کہا: اس عورت کے شوہر کو چار عورتوں سے نکاح کرنا چاہیے، اس طرح ہر چوتھا دن اور ہر چوتھی رات اس عورت کو ملے گی باقی دنوں اور راتوں میں اس کا شوہر جو چاہے کرے[1]۔

کعب کے اس انوکھے فیصلے سے عمری قوت فیصلہ کا پتہ چلتا ہے۔

حفصہ کی پیش کش

شرفاء کا دستور ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں کی شادیوں کے پیغامات خود

[1] تاریخ الخلفاء ص ۹۳

Presented by www.ziaraat.com

نہیں دیا کرتے بلکہ کوئی درمیانی شخص اس کام کو انجام دیتا ہے یا پھر لڑکی والے، لڑکے والوں کی طرف سے پیغام کا انتظار کرتے ہیں۔ عرب کے قدیمی معاشرے میں بھی یہی دستور تھا لیکن حضرت عمر نے اس دستور کو توڑا اور اپنی عمری غیرت کو بالائے طاق رکھ کر اپنی بیٹی حفصہ کو مختلف لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

آپ کی صاحبزادی حفصہ کا پہلا عقد خنیس بن حذافہ سے ہوا تھا، لیکن موصوفہ کی نحوست نے اسے زندہ نہ رکھا۔ انتقال کے بعد عدہ کے دن پورے کیے اور جب عربی آب و ہوا نے چین نہ لینے دیا تو حضرت عمر کو بیٹی کی دوسری شادی کی فکر دامن گیر ہوئی۔ چنانچہ ابن حجر کا کہنا ہے کہ حضرت حفصہ کے بیوہ ہو جانے کے بعد جب عدہ کا زمانہ پورا ہو گیا تو حضرت عمر نے اپنی پارۂ جگر کو حضرت ابوبکر کے سامنے پیش کیا مگر انھوں نے سکوت اختیار کیا، پھر رقیہ کے انتقال کے بعد عثمان کے سامنے پیش کیا، انھوں نے انکار کیا تو حضرت عمر نے اس کا ذکر حضرت رسول خدا صلعم سے کیا۔[1]

علامہ ابن حجر کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ (صلعم) نے بذات خود، حضرت عمر سے حفصہ کی خواستگاری نہیں کی بلکہ عمر نے اپنی طرف سے تجویز پیش کر کے اپنی صاحبزادی کو رسول کریم (صلعم) کے سر زبردستی منڈھ دیا۔

علامہ دیار بکری کا کہنا ہے کہ جب رسول اللہ غزوۂ بدر سے فارغ

---

۱ اصابہ ج ۸ ص ۵۱

ہو کر مدینہ میں آئے تو حضرت عمر نے حفصہ کو ابوبکر کے سامنے پیش کیا مگر انھوں نے کسی بات کا جواب نہیں دیا، پھر آپ نے موصوفہ کو عثمان کے سامنے پیش کیا مگر انھوں نے اس تجویز کو ٹھکرا دیا تو حضرت عمر نے حضرت رسول خدا سے اس کی شکایت کی اور کہا: یا رسول اللہ! میں نے حفصہ کو پیش کیا تو انھوں نے میری طرف سے منھ پھیر لیا۔[1]

حضرت رسول خدا صلعم چونکہ کریم النفس تھے اس لیے آپ سے عمر کی یہ بے بسی اور بے چارگی نہیں دیکھی گئی اور آپ نے حفصہ کو بحالت مجبوری اپنے لیے قبول کر لیا۔

تین چار ماہ میں

علامہ سیوطی رقمطراز ہیں کہ حسب دستور ایک رات حضرت عمر مدینہ کی گلیوں کا گشت کر رہے تھے۔ اسی دوران آپ نے سنا کہ کوئی عورت گھر کا دروازہ بند کیے ہوئے بڑے پر درد لہجہ میں چند اشعار پڑھ رہی ہے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ میں بھی جوان ہوں، رات بھی جوان ہے اور آسمان پر ستارے بھی چمک رہے ہیں، مگر کوئی ایسا نہیں ہے جو میری پیاس بجھاتا۔ واللہ اگر میرے دل میں خدا کا خوف نہ ہوتا تو (اس وقت) میرے پلنگ کی چولیں ہل رہی ہوتیں۔ میرا شوہر بڑا کریم النفس شریف اور برتر ہے۔ کوئی دوسرا اس کی سواری پر سوار ہونے کی ہمت نہیں کر سکتا۔

---

۱ تاریخ خمیس ج ۲ ص ۴۶۹

Presented by www.ziaraat.com

اشعار سن کر عمر بہت متاثر ہوئے اور گھر آکر اپنی بیٹی حفصہ کو طلب کیا۔ فرمایا کہ اے بیٹی! ایک سخت مشکل کا سامنا ہے، جسے تم آسان کرسکتی ہو۔ بیٹی نے باپ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ عورت کو مرد کی خواہش کتنی مدت میں بے چین اور پریشان کرتی ہے؟ حفصہ نے شرم سے اپنا منھ پھیر لیا، لیکن عمر نہ مانے اور وہ جواب کے لیے مسلسل اصرار کرتے رہے۔ بالآخر مجبوراً حفصہ نے ہاتھ کے اشارہ سے بتایا کہ تین چار ماہ میں۔۔۔[۱]

دوسرے ہی دن آپ نے یہ شاہی حکم جاری کر دیا کہ کوئی بھی شخص خواہ وہ میدان جنگ ہی میں کیوں نہ ہو چار ماہ سے زیادہ اپنی بیوی کو چھوڑ کر غائب نہیں رہ سکتا۔

اس روایت کا مقصد اپنی جگہ کچھ سہی۔ لیکن کیا حضرت عمر کے علاوہ دنیا کا کوئی غیرت مند باپ اپنی بیٹی سے اس قسم کے بے ہودہ سوالات کرسکتا ہے؟ جبکہ یہ بات دیگر ذرائع سے بھی معلوم کی جاسکتی تھی۔

اسلام کے والدین

علامہ سیوطی نے تحریر کیا ہے کہ: ابو اسامہ کہتے ہیں کہ کیا تم لوگ جانتے ہو کہ ابوبکر و عمر کون تھے۔ یہ دونوں اسلام کے ماں باپ تھے۔[۲]

اس عجیب و غریب اور حیرت انگیز روایت کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر قارئین کرام میں سے کوئی صاحب اس کی تہ تک پہنچیں

۱ تاریخ الخلفاء ص ۹۷ ۲ تاریخ الخلفاء ص ۸۳

تو مجھے بھی مطلع فرمائیں، یہ زحمت میرے علم میں اضافہ کا سبب ہوگی۔

ابوبکر اور عمر میں کون اسلام کا باپ تھا اور کون ماں؟ روایت میں اس کی صراحت نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں اسلام کے باپ بھی ہوں اور ماں بھی۔ دوسرا مطلب "اول" اور "دوم" کے اعتبار سے یہ ہو سکتا ہے کہ ابوبکر باپ تھے اور عمر ماں۔ مگر کسی طرح نہ مقصود واضح ہوتا ہے اور نہ ہی تشبیہ سمجھ میں آتی ہے۔ اگر یہ دونوں باپ اور ماں تھے تو کیا اسلام ان کے باہمی اختلاط سے پیدا ہوا تھا جبکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ اسلام کا پیدا کرنے والا خدا اور اس کی تبلیغ کرنے والے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اور بالفرض محال یہ باور کر لیا جائے کہ ابوبکر اسلام کے باپ اور عمر اسلام کی ماں ہیں تو بھی دل مطمئن نہیں ہوتا کہ کس حیثیت سے ابوبکر اسلام کے باپ بن جائیں گے اور کس مناسبت سے عمر کو اسلام کی ماں سمجھا جائے گا؟ اس طرح تو حضرت عمر کی بڑی توہین ہوتی ہے۔ مگر یہ باور کیے بغیر کوئی چارہ بھی تو نہیں ہے۔

اولاد ایک فتنہ ہے

مولوی وحید الزماں رقم طراز ہیں کہ حضرت عمر نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ فتنہ و فساد سے خدا کی پناہ مانگ رہا ہے۔ آپ اس سے فرمانے لگے کہ اے شخص! کیا تو اپنے پروردگار سے چاہتا ہے کہ وہ تجھ کو مال اور اولاد عطا کر دے، جبکہ مال اور اولاد کو بھی فتنہ کہتے ہیں۔[۱]

۱ انوار اللغۃ۔ پارہ ۲۰ ص ۱۳

Presented by www.ziaraat.com

ظاہر ہے کہ کوئی شخص مال اور اولاد سے پناہ نہیں مانگ سکتا بلکہ فتنہ اور فساد سے پناہ مانگنا ہر امن پسند آدمی کا معمول ہے۔ قرآن مجید بھی کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا فرمایا کرتے تھے کہ: پالنے والے تو ہمیں فتنہ نہ قرار دے (پارہ ۲۸، آیت ۷) اس کے علاوہ فتنہ وفساد سے محفوظ رہنے کے بارے میں حدیثیں کثرت سے ہیں۔ مگر حضرت عمر کا یہ عقلی اجتہاد سب سے الگ اور اپنی مثال آپ ہے۔

ایسی عورت ملتی؟

حضرت عمر کے دور حکومت میں ان کے پاس بحرین سے کچھ مشک و عنبر آیا تو آپ نے فرمایا کاش کوئی ایسی عورت ملتی جو اس خوشبو کو تول دیتی تاکہ میں اسے مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیتا۔ یہ سن کر آپ کی اہلیہ عاتکہ نے فرمایا کہ: میں بہت اچھا تولنا جانتی ہوں، کہو تو تم کو بھی تول دوں۔ آپ نے فرمایا، یہ نہیں ہو سکتا۔ بیوی نے پوچھا، کیوں؟ فرمایا، تم چوری سے ڈال لوگی۔ بیوی نے کہا، کس طرح ڈال لوں گی؟ آپ نے اپنی انگلیوں کو اپنے دونوں کانوں میں ڈال کر فرمایا، اس طرح۔ بیوی نے کہا، اچھا میں اس طرح نہیں ڈالوں گی۔ فرمایا، تو پھر مل لوگی۔ بیوی نے کہا، وہ کس طرح؟ تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن مروڑتے ہوئے فرمایا، اس طرح۔ اور اس طرح ملنے پر تمھیں دیگر مسلمانوں سے زیادہ حصہ مل جائے گا۔[1]

۱۔ کنز العمال ج۶ ص ۳۵۰

اس روایت سے یہ بتانا مقصود تھا کہ حضرت عمر کا عدل اتنا ہمہ گیر تھا کہ آپ اپنی بیوی پر بھی بھروسا نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے انھیں عملی طور پر آگاہ کر دیا کہ تم خوشبو تولتے وقت اس طرح چرا لوگی اور آگاہی کا یہ انداز بھی عجیب و غریب تھا، لیکن تعجب تو یہ ہے کہ آپ کی سمجھ میں یہ کیوں نہیں آیا کہ خوشبو جب تولنے والی کے ہاتھوں سے مس ہوگی تو اپنا اثر ضرور چھوڑے گی۔ پھر آپ نے دوسرے کو تولنے کے لیے سوچا ہی کیوں؟ دوسری بات یہ ہے کہ اس کو تولنے کے لیے آپ نے عورت ہی کا انتخاب کیوں کیا؟ کیا یہ کام کوئی مرد نہیں کر سکتا تھا؟ تیسرا امر یہ ہے کہ آپ اپنی بیوی ہی سے اگر اپنی نگرانی میں تولوا لیتے تو پھر چوری کا کیا سوال؟ جب وہ کھجلانے یا کسی اور بہانے سے اپنی کوئی انگلی جسم کے کسی مقام پر لے جاتیں تو ان کا ہاتھ پکڑ لیتے، کہ یہ کیا کر رہی ہو؟ تم اسے تولو، اور لاؤ میں کھجلائے دیتا ہوں۔

بیت المال کا مال

حضرت عمر کی فضیلت میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ آپ جب حاکم وقت تھے، اس وقت بھی اپنی گزر بسر کے لیے تجارت کرتے تھے اور اکثر و بیشتر لوگوں سے قرض بھی لیتے رہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے دور حکومت میں ایک تجارتی قافلہ شام کی طرف روانہ کرنا چاہا تو آپ کو مال کی ضرورت پڑی۔ آپ نے عبدالرحمن بن عوف کے پاس اپنا آدمی بھیجا کہ مجھے چار ہزار درہم قرض دے دو۔ عبدالرحمن نے کہا

Presented by www.ziaraat.com

کہ عمر بیت المال سے یہ رقم کیوں نہیں لیتے، جب قافلہ واپس آئے گا تو اس میں واپس کر دیں گے۔ یہ بات آپ کو سخت ناگوار گزری۔ آپ خود عبدالرحمٰن کے پاس گئے اور ان سے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کہا کہ بیت المال سے لے لو۔ اور اگر بیت المال سے میں یہ رقم لے بھی لوں تو کیا خبر کہ قافلہ واپس آنے سے پہلے ہی مر جاؤں۔ اور جب بیت المال کا مقروض ہو کر مروں گا تو تم ہی لوگ یہ کہو گے کہ بیت المال کا مال ڈکار کر خلیفہ مر گئے۔ اس لیے بیت المال سے میں یہ رقم نہیں لینا چاہتا بلکہ تمھارے ایسے بیمار اور کنجوس سے لینا چاہتا ہوں تاکہ اگر میں مر جاؤں تو وہ میری میراث سے وصول کر لے[1]

یہ روایت حضرت عمر کی فضیلت میں بیان کی گئی ہے اور اس سے یہ مقصود ہے کہ آپ بیت المال کے بارے میں اتنے محتاط تھے کہ بے ایمانی تو درکنار اس سے قرض بھی نہیں لیتے تھے۔ لیکن تاریخی شواہد اس کے برعکس ہیں اور وہ یہ ہیں کہ جب آپ پر موت کا غلبہ ہوا اور آپ اس دنیا سے رخصت ہونے لگے تو بیت المال کے خزانے میں ۸۶ ہزار کا گڑبڑ گھٹالا تھا اور یہ رقم آپ کے ذمہ واجب الادا پائی گئی۔[2]

کبشہ کا بیٹا[3]

حرمت شراب سے متعلق قرآن مجید نے مسلمانوں پر تین احکامات

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۵ [2] تاریخ الخلفاء ص ۹۲ [3] ابو کبشہ ایک شخص تھا جس نے بتوں کی پرستش میں قریش کے طرز عمل کی مخالفت کی تھی۔ آنحضرتؐ بھی چونکہ دین کے معاملہ میں قریش کے مخالف تھے، اس لیے بغرض تحقیر حضرت عمر نے حضورؐ کو کبشہ کا بیٹا کہا اور توہین رسالت کے مرتکب ہوئے (انوار اللغۃ پارہ ۲ ص ۹)

نافذ کیے۔ دوسرے حکم میں ارشاد ہوا کہ:

"اے ایمان والو! ہم نے شراب کو تم پر حرام قرار دے دیا ہے۔ اب نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانا!"

لیکن اس تاکید کے باوجود مسلمانوں کے پیشوا حضرت عمر نے احکامات الٰہیہ کو نظر انداز کر کے خوب شراب پی اور استخوان شتر (اونٹ کی ہڈی) سے عبدالرحمٰن بن عوف کو اتنا مارا کہ وہ بے چارے بری طرح زخمی ہوئے۔ اس حرکت کے بعد آپ نے مقتولین بدر کا نوحہ پڑھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ، ہائے افسوس! کہ بدر کے کنویں میں عرب کے جوانوں کی کتنی لاشیں ڈال دی گئیں۔ یہ کبشہ کا بیٹا (محمدؐ) ہم کو اس بات سے ڈراتا ہے کہ ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ بھلا سڑے ہوئے جسموں اور خاک پر بکھرے ہوئے دماغوں کی زندگی کیوں کر ممکن ہے؟ خدا، ہماری بوسیدہ ہڈیوں کو قبروں سے کیسے اٹھا سکتا ہے؟ جب وہ ہماری موت کو ٹال نہیں سکتا تو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیسے کر دے گا؟ کوئی ہے؟ — جو خدا تک ہمارا یہ پیغام پہنچا دے کہ ہم نے روزہ رکھنا چھوڑ دیا ہے۔ اگر اس میں طاقت ہو تو مجھے روک لے اور میرا کھانا پینا بند کر دے۔

حضرت عمر کے یہ کلمات کفر جب پیغمبر اسلام تک پہنچے تو جلال پیغمبری حرکت میں آیا اور سرور کائناتؐ غیظ و غضب کے عالم میں اس طرح برآمد ہوئے کہ آپ کی ردا زمین پر خط دے رہی تھی۔ آپ نے عمر کی پٹائی جب شروع کی تو سارا نشہ اتر گیا اور کہنے لگے کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں۔ اسی وقت یہ آیت

Presented by www.ziaraat.com

بھی نازل ہوئی کہ:

"شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ تمھیں شراب اور جوئے میں مبتلا کر کے تمھارے درمیان دشمنی پیدا کرے اور تم لوگوں کو اللہ کے ذکر اور نماز سے دور رکھے۔"[1]

اس واقعہ کے بعد حضرت عمر کی شرابی طینت نے شراب کا متبادل ایک دوسرا مشروب تلاش کیا جسے "نبیذ" کہا جاتا ہے۔ علامہ شبلی نے بھی اعتراف کیا ہے کہ شراب کی جگہ لوگ نبیذ استعمال کرتے تھے جس کو عموماً عراق کے مذہبی پیشواؤں سے حلّت کی سند مل چکی تھی۔[2]

حضرت عمر آخری وقت تک نبیذ پیتے رہے۔ چنانچہ جب آپ حضرت ابو لولو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خنجر سے زخمی ہوئے اور طبیب کو بلایا گیا تو اس نے آپ سے پوچھا کہ مشروب میں آپ کو کیا پسند ہے؟ فرمایا۔ "نبیذ"۔ چنانچہ آپ کو نبیذ پلائی گئی جو آپ کے زخموں کی راہ سے باہر نکل گئی۔[3]

نبیذ کے بارے میں ارشادِ پیغمبر ہے کہ:

"بہت جلد میرے بعد مسلمانوں پر ایسے لوگ حکومت کریں گے جو نبیذ کے بہانے سے شراب کو، صدقہ کے بہانے سے ناجائز مال کو ہدیہ و تحفہ کے بہانے سے رشوت کو اور پند و نصیحت کے بہانے سے قتل کو حلال سمجھیں گے۔"[4]

[1] مستطرف ج ۲ ص ۲۱۸ [2] المامون ص ۲۲۲ [3] ریاض النظرۃ ج ۲ ص ۷۲ [4] درمنثور ج ۶ ص ۲۸۴

ضبیع تمیمی کی پٹائی

حضرت عمر کو کسی نے بتایا کہ "ضبیع تمیمی" لوگوں سے آیات قرآنی کی تفسیریں پوچھتا ہے۔ آپ نے فرمایا، خدا کرے مجھ سے ملاقات ہو جائے۔

اتفاق سے وہ ایک دن آگیا اور اس نے حضرت عمر سے بھی وَالذّٰرِيَاتِ ذَرْوًا کی تفسیر دریافت کر لی۔ پھر کیا تھا، آپ کا تازیانہ اٹھ گیا اور آپ نے ایسی پٹائی کی کہ اس کا عمامہ گر گیا اور وہ لہولہان ہو گیا۔ اس کے بعد اس کو گرفتار کر لیا اور روزانہ سو تازیانوں کی سزا مقرر کر دی۔ پھر ایک دن اسے اونٹ پر بٹھا کر بصرہ کی طرف روانہ کر دیا۔[1]

جہل جب علم سے ٹکراتا ہے تو اکثر اسی قسم کے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

ASSOCIATION KHOJA
SHIA ITHNA ASHERI
JAMATE
MAYOTTE

[1] شرح ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۲۲

Presented by www.ziaraat.com

تیسرا باب

واقعۂ حدیبیہ

ذیقعدہ سنہ ۶ھ (۶۲۸ء) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج بیت اللہ کا قصد کیا اور اس اندیشہ کے تحت آپ نے اپنے اصحاب کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا کہ کفار مکہ کہیں مزاحمت نہ کریں، چنانچہ چودہ سو افراد پر مشتمل ایک قافلہ مدینہ سے دوشنبہ کے دن آنحضرت کی قیادت میں مکہ کی طرف روانہ ہوا۔

"ذوالحلیفہ" کے مقام پر پہنچ کر آنحضرتؐ نے عمل تقلید[1] کے ذریعہ احرام باندھا تاکہ کفار مکہ یہ نہ سمجھیں کہ آپ حرب وضرب یا پیکار کے ارادے سے آرہے ہیں۔

ابھی کچھ راستہ طے ہوا تھا کہ آپ کو یہ خبر موصول ہوئی کہ عکرمہ بن ابوجہل اور خالد بن ولید کی قیادت میں ۵۰۰ کا ایک لشکر جنگ کے لیے آپ کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ اس ٹکراؤ سے بچنے کے لیے ایک طرف

[1] حج کی بعض اقسام میں یہ عمل بھی شامل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان ان جوتیوں کا جن میں نماز ادا کرچکا ہے، ہار بنا کر اپنے اونٹ کی گردن میں ڈال دے اور پھر اسی صورت سے حج کے لیے روانہ ہو۔

آپ نے اپنے اصحاب کو راستہ تبدیل کرنے کا حکم دیا اور دوسری طرف عبادہ بن بشر کو ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ خالد وعکرمہ کی نقل وحرکت پر نگاہ رکھنے کے لیے آگے روانہ کر دیا تاکہ دفاعی صورت ممکن ہو سکے۔ آپ بہ ذات خود تھوڑی دور چل کر حدیبیہ نامی ایک کنویں کے قریب ایک درخت کے سائے میں فروکش ہوئے جہاں آپ نے اپنے اصحاب سے جاں نثاری کی بیعت لی۔ یہی وہ بیعت ہے جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے اور بیعت کرنے والوں کو اصحاب سُمرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

کفار قریش کو جب اس بیعت کا حال معلوم ہوا تو وہ مرعوب اور خوفزدہ ہوئے۔ چنانچہ اِدھر دبدبۂ رسالت نے ان کے نخوت، غرور اور جنگی ارادوں کو توڑا اور اُدھر عبادہ اور ان کی جماعت نے خالد وعکرمہ کے لشکر کو اس طرح پسپا کیا کہ انھیں ان کے گھروں تک دوڑا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کفار نے گھبرا کر سہیل بن عمرو کے ذریعہ رسول اکرمؐ کی خدمت میں صلح کا پیغام بھیجا جسے آپ کی کریم النفسی، دوربینی، مصلحت شناسی اور بلند مرتبت اخلاقی قدروں نے منظور کر لیا۔ صلح کی شرطیں حسب ذیل تھیں۔

(الف) محمد بن عبداللہ اس سال مع اصحاب کے واپس جائیں اور آئندہ سال حج کی غرض سے آئیں۔ اس وقت قریش تین دن کے لیے مکہ خالی کر دیں گے۔

(ب) دس سال تک جنگ ملتوی رکھی جائے اور ہر شخص کو یہ آزادی دی جائے کہ وہ جس مذہب کو چاہے اختیار کرے۔

(ج) اگر کوئی شخص قریش سے نکل کر محمدؐ کی طرف چلا جائے تو اسے

Presented by www.ziaraat.com

قریش کے حوالے کر دیا جائے اور اگر کوئی اسلام سے مرتد ہو کر قریش کی پناہ میں آجائے تو اس کی واپسی کا مطالبہ نہ ہو۔

یقیناً صلح کی یہ آخری شرط ایسی تھی جس نے فطری طور پر مسلمانوں کے ضبط و تحمل کو چیلنج کیا لیکن حامل وحی نے یہ کہہ کر قابو حاصل کر لیا کہ جو شخص اسلام سے منحرف ہو کر مرتد ہو جائے گا اسے رحمت الٰہی کا سایہ تک نصیب نہ ہوگا اور جو کفر سے علیحدہ ہو کر اسلام قبول کرے گا اس کی نجات کا ضامن اللہ ہے۔

یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ صلح کی تجویز سے قبل قریش کے خصوصی ایلچی عروہ نے پیغمبر اسلامؐ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ اس سال آپ حج کا ارادہ ترک کر دیں کیونکہ میں آپ کے ساتھ ان منافق چہروں اور اوباش لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو جنگ کی حالت میں آپ کو چھوڑ کر بھاگ جانے والے ہیں تو ابوبکر نے پیغمبری ادب و احترام کو بالائے طاق رکھ کر پیغمبرؐ کے سامنے عروہ کو "بظر اللات" چوسنے کی فحش گالی سے نوازا۔[1] اور فرمایا کہ کیا ہم ایسے ہیں جو رسولؐ اللہ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ جبکہ موصوف کے بارے میں تاریخ بالاعلان یہ کہتی ہے کہ آپ ہمیشہ ہر جنگ سے فرار اختیار کرتے رہے۔

عروہ کی سچائی کا ثبوت اس عمری انکار سے بھی فراہم ہوتا ہے جب رسول اکرمؐ نے آپ سے فرمایا کہ تم قریش کے درمیان جا کر انھیں

---

[1] طبری ج ۳ ص ۷۵۔ قسطلانی شارح بخاری نے "بظر اللات" کے بارے میں یہ حاشیہ تحریر کیا ہے کہ حشفہ (عضو تناسل) کا چوسنا عربوں میں غلیظ ترین گالی ہے۔

اس بات سے مطمئن کرو کہ ہم جنگ کی غرض سے نہیں آئے بلکہ حج کے ارادے سے آئے ہیں تو آپ نے اس حکم رسالت کو ٹھکرا دیا اور کہا کہ میری جگہ ابوسفیان کے بھتیجے عثمان کو کیوں نہیں بھیج دیتے؟

بہر حال۔ منافقانہ اور ناسازگار حالات میں صلح کی تجویز منظور ہوئی اور محمدی املا پر علوی قلم جنبش میں آیا اور صلحنامہ کے تحریری خدو خال قرطاس پر ابھرنے لگے۔ رسول کریمؐ نے صلح نامہ کا ابتدائی کلمہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھوانا چاہا تو سہیل بن عمرو معترض ہوا اور اس نے کہا کہ ہم اس کلمۂ تحریر سے ناآشنا ہیں۔ لہٰذا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی جگہ "باسمک اللھم" لکھا جائے۔ خلق عظیم نے سہیل کی دل آزاری کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے باسمک اللھم لکھوا دیا۔ پھر آپ نے امیرالمومنین حضرت علیؑ سے فرمایا کہ لکھو یہ صلحنامہ منجانب محمد الرسول اللہ ہے، تو سہیل نے کہا اگر ہم آپ کی رسالت کے قائل ہوتے تو یہ جھگڑا ہی کیوں ہوتا لہٰذا رسول اللہ کا لفظ ہٹا کر محمدؐ بن عبداللہ لکھا جائے۔

سہیل کی اس بات سے صحابہ کے جذبات پھر مشتعل ہوگئے قریب تھا کہ ایک ہنگامہ کھڑا ہو جاتا مگر رسولؐ اللہ نے انھیں یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ اس انکار سے نہ تو میری رسالت پر کوئی اثر پڑ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی حرف آسکتا ہے؟

حضرت علی علیہ السلام نے بھی یہ جملہ بڑے ہی صابرانہ اور تحملانہ انداز میں تحریر کیا حالانکہ آپ کے چہرے سے اضطرابی کیفیت نمایاں تھی جسے رسول اکرمؐ نے بھی محسوس کیا اور فرمایا کہ اے علیؑ! ایک دن تمھارے ساتھ بھی یہی مرحلہ درپیش ہوگا اور تم بھی اسی

Presented by www.ziaraat.com

قسم کی بلاؤں میں گرفتار ہو گئے [1]۔

مختصر یہ کہ صلح نامہ کی تحریر مکمل ہوئی اور اس کی تکمیل کے ساتھ ہی حضرت عمر کی عمری رگ بھی بھڑکی یہاں تک کہ وہ رسول اللہؐ سے بدتمیزی اور تند گفتاری پر اتر آئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ یہ صلح نہ ہو اور جنگ کی حالت میں آنحضرتؐ کو جانی ومالی نقصانات سے دوچار ہونا پڑے۔ چنانچہ آپ نے تڑپ کر رسول اللہؐ سے یہ سوال کیا کہ کیا آپ خدا کے رسولؐ نہیں ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ بے شک میں خدا کا رسول ہوں۔ پھر پوچھا۔ کیا ہم حق پر اور ہمارے مخالفین باطل پر نہیں ہیں؟ آنحضرت نے جواب دیا کہ یقیناً ہم حق پر اور ہمارے مخالفین باطل پر ہیں۔

افسوس ہے کہ رسول اکرمؐ کے جوابات سے عمر کی جسارت مطمئن نہ ہوئی اور آخر کار عمر نے پیغمبر اسلامؐ سے کرخت لہجے میں یہ فرمایا کہ جب ہم حق پر ہیں تو پھر یہ ذلت آمیز صلح کیوں کی گئی؟ حضرت عمر کی اس جسارت سے پیغمبری پیشانی پر ناگواری کے اثرات مرتب ہوئے اور خدا کے حبیبؐ نے انھیں یہ کہہ کر جھڑک دیا کہ اے خطاب کے بیٹے! بس خاموش ہو جا۔ میں خدا کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا اور وہی میرا معین و مددگار ہے [2]۔

حضرت عمر کا یہ مکالمہ تقریباً تمام تاریخی کتابوں میں نقل ہوا ہے

---

[1] تاریخ کامل ج ۲ ص ۷۷، روضۃ الاحباب ج ۱ ص ۳۵۶، خصائص نسائی ص ۳۶

[2] مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۶۴

بعض کتابوں میں اس کا لہجہ زیادہ سخت ہے۔ شاید بخاری ہی میں ہے کہ آپ رسول اللہؐ پر سخت معترض ہوئے اور جاہلانہ تکرار کے بعد اس دریدہ دہنی پر کمربستہ ہو گئے کہ آپ نے تو ہم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ہمیں حج کرائیں گے۔ اب اپنی بات سے پلٹنا کیسا؟ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے اس سال کا وعدہ نہیں کیا تھا۔

اللہ کے رسولؐ سے تکرار اور گستاخیوں کے بعد عمر پیر پٹکتے ہوئے ابوبکر کے پاس پہنچے اور ان سے بھی پوچھا کہ کیا محمدؐ خدا کے رسول نہیں ہیں؟ ابوبکر نے کہا ہیں۔ پھر پوچھا کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کہا ہیں۔ پھر پوچھا، کیا ہمارے مخالفین مشرک نہیں ہیں؟ کہا ہیں۔

بس یہ سننا تھا کہ آپ قابو سے باہر ہو گئے اور بولے کہ پھر یہ صلح کیوں کی گئی؟ اس پر ابوبکر نے جواب دیا کہ رسول اللہؐ حکم الٰہی کے پابند ہیں، وہ تمھاری باتوں پر کوئی توجہ نہیں دے سکتے، تم یوں ہی بکتے رہو۔

پیغمبر اسلامؐ سے اس ناروا گفتگو کے بعد حضرت عمر کا حضرت ابوبکر کے پاس آنا اور اطمینان قلب کے لیے ان سے بھی وہی الٹے سیدھے سوالات کرنا اس بات کی محکم دلیل ہے کہ آپ رسولؐ سے مطمئن نہیں تھے اور پھر ابوبکر سے یہ پوچھنا کہ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں، اس امر کی دلیل ہے کہ آپ اپنی مسلمانی کے بارے میں بھی مشکوک تھے۔

یہ درست ہے کہ ابوبکر کی طرف سے عمر کو وہی جواب ملا جس کے وہ مستحق تھے۔ لیکن یہ بھی درست ہے کہ اس عمری تکرار نے اپنی منافقت کی کمان سے دو تیر ایک ساتھ رہا کیے۔ پہلا تیر رسول اللہؐ کے دل پر

Presented by www.ziaraat.com

لگا جس نے آپ کو رنجیدہ و ملول کیا[۱]۔ دوسرے تیر نے اصحاب کو نافرمانی پر اکسایا جس کی کھلی ہوئی دلیل یہ ہے کہ جب صلح نامہ مکمل ہو چکا اور آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب سے یہ فرمایا کہ تم لوگ اٹھو اور اپنے سروں کے بالوں کو ترشوا کر قربانی کے اونٹ نحر کر دو تو کسی نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی یہاں تک حضور سرورِ کائناتؐ نے تین بار یہی حکم دیا مگر کسی نے توجہ نہ دی تو آپ نے خود حجام کو بلوا کر اپنے سر کے بالوں کو ترشوا دیا اور اپنے ہاتھوں سے قربانی کا اونٹ نحر کر کے اپنے خیمہ میں چلے گئے۔ مورخین کا کہنا ہے کہ رسول کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر مجبوراً دیگر اصحاب نے بھی اس کا اتباع کیا۔

رسول اللہ صلعم سے تکرار کے بعد حضرت عمر کا یہ اعتراف بھی کتابوں میں موجود ہے کہ محمدؐ کی نبوت میں جیسا شک مجھے آج ہوا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا[۲]۔

حضرت عمر کی رسول اکرمؐ سے تکرار اور غیر شائستہ گفتگو کے بعد جب ہم آپ کے اس حیرت انگیز و تعجب خیز اعتراف پر غور و فکر کی نگاہ ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ آپ کو اس سے پہلے بھی رسول کی رسالت میں شک و شبہ تھا مگر حدیبیہ کے موقع پر یہ شک آپ کو اس راستہ پر لے گیا جو یقین کی سرحد سے متصل ہو کر انسان کو خود بخود دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس فطری اخراج

---

[۱] تاریخ ابن خلدون ص ۳۶۱ [۲] تاریخ خمیس ج ۲ ص ۱۵، در منثور ج ۶ ص ۷۷، معالم التنزیل ج ۷، ص ۲۳۸، الفاروق ص ۴۵، سیرت خلفائے راشدین، عبدالشکور ص ۸۹

کے بعد عمر نے تلافی کے خیال سے بظاہر نمازیں پڑھی ہوں، روزے رکھے ہوں، صدقات دیے ہوں، غلام آزاد کیے ہوں یا اپنی غیر اسلامی "مسلمانی" کو برقرار رکھنے کے لیے توبہ و استغفار کیا ہو، اس وقت سب بیکار ہوگا جب بروز حشر آپ منافقین، مشرکین اور مرتدین کے ساتھ محشور کیے جائیں گے اور رسالت آپ کی اس تباہی و بربادی کا تماشہ دیکھے گی۔

جیش اسامہ سے تخلف

جیش اسامہ کا واقعہ یہ ہے کہ ۱۱ھ میں اپنی علالت کے دوران پیغمبر اسلامؐ نے رومیوں کی سرکوبی کے لیے ایک لشکر مرتب کیا اور زید بن حارثہ کے سترہ ۱۷ سالہ نوجوان و کم سن فرزند اسامہ کو اس کا امیر مقرر فرمایا۔

یہ وہ اہم لشکر تھا جس میں رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کے علاوہ تمام اعیان مہاجرین و انصار مثلاً ابو بکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، ابو عبیدہ بن جراح، سعید بن زید اور قتادہ بن نعمان وغیرہ سب کو شامل ہونے کا حکم دیا اور اس کے ساتھ ہی اس بات کی سخت تاکید بھی فرما دی کہ اس موقع پر کوئی بھی مدینہ میں نہ ٹھہرے اسامہ بن زید کو لشکر کا علم سپرد کرتے ہوئے فرمایا کہ روم کی طرف اس برق رفتاری سے کوچ کرو کہ تمہارے وہاں پہنچنے کی دشمن کو خبر تک نہ ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پیغمبری حکم کی تعمیل میں اسامہ

Presented by www.ziaraat.com

بن زید نے انتہائی تعجیلانہ انداز اختیار کیا اور سرعت کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے مگر کچھ دور چل کر تقریباً ۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر جرف نامی ایک مقام پر مجبوراً انھیں مع لشکر کے ٹھہر جانا پڑا کیونکہ رسول اللہ صلعم کے صریحی اور حتمی ارشاد کے باوجود اکابرین صحابہ یعنی ابوبکر و عمر وغیرہ لشکر سے غیر حاضر تھے یہاں تک کہ اسامہ تین دن تک جرف میں قیام پذیر رہ کر ان کے آنے کا انتظار کرتے رہے مگر یہ لوگ نہیں آئے[1]

تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ اسامہ بن زید چونکہ کمسن تھے لہٰذا سن وشعور کے لحاظ سے صحابہ کو ان کی ماتحتی گوارہ نہ تھی کیونکہ اس سے ان کی بڑھاپے کی انانیت پر حرف آتا تھا۔ دوسرے یہ بات بھی ان کے ذہنوں میں راسخ ہو چکی تھی کہ اگر اس علالت کے دوران رسولؐ دنیا سے رخصت ہو گئے تو خلافت کا کیا ہوگا؟ جس کے لیے ہم عمر بھر تانے بانے درست کرتے رہے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ آنحضرتؐ کی علالت شدت اختیار کر گئی اور آپ مرض الموت میں مبتلا ہو گئے۔

اسی جان لیوا بیماری کی حالت میں جب آنحضرتؐ کو صحابہ کی ریشہ دوانیوں، منافقانہ طرز عمل اور جیش اسامہ سے بائیکاٹ کے بارے میں مطلع کیا گیا تو آپ غیظ وغضب کے عالم میں اپنے حجرہ سے اس طرح برآمد ہوئے کہ سر اقدس پر پٹی بندھی تھی، زلفِ مبارک منتشر

---

[1] طبری ج ۳ ص ۱۸۵، تاریخ ابوالفدا ج ۱ ص ۱۵۲ مطبوعہ مصر، تہذیب التہذیب علامہ حجر عسقلانی جز اول ص ۲۰۸

تھی اور آپ کے دوشِ طاہرہ پر پڑی ہوئی ردا زمین پر خط دے رہی تھی۔ چنانچہ آپ مسجد میں تشریف لائے اور جو صحابہ وہاں موجود تھے انھیں اسامہ کے لشکر میں شرکت کی مکرر ہدایت کرتے ہوئے فرمایا کہ جو لوگ اسامہ کی سرداری پر معترض ہیں ان لوگوں نے غزوۂ موتہ میں اس کے باپ زید کی سرداری پر بھی اعتراض کیا تھا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ خدا کی قسم اسامہ سرداری کا سزاوار ہے اور اس کا باپ بھی امارت کا اہل تھا۔ اور وہ بھی مجھے عزیز تھا، یہ بھی مجھے عزیز ہے[1] پھر آپ نے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اسامہ کے لشکر سے پہلوتہی کریں ان پر خدا کی لعنت ہے[2]۔ لیکن اس کے بعد بھی عمر اور ابوبکر نہیں گئے اور انھوں نے اپنے لیے اللہ کی دائمی لعنت قبول کر لی۔

شاید یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن پکار پکار کے کہہ رہا ہے کہ:

> "جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے حکم کی نافرمانی کی اور اپنی حدوں سے گزر گئے، خدا انھیں جہنم میں داخل کرے گا اور وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے اور یقیناً اس میں رسوائی کا عذاب ہے۔" (النساء - ۱۴)

واقعۂ قلم وقرطاس

اختصار کے پیش نظر الخلفاء حصہ اول میں اس واقعہ کو ہم اجمالی طور پر تحریر کر چکے ہیں۔ لیکن اس کربناک و دردانگیز واقعہ کی اہمیت،

---

[1] بخاری ج ۵ ص ۸۴ [2] ملل ونحل ج ۱ ص ۲۰

Presented by www.ziaraat.com

انفرادیت اور سنگینیت اس امر کی متقاضی ہے کہ اس پر از سرِ نو غور کیا جائے تاکہ ہر پہلو پر تفصیلی گفتگو بھی ممکن ہو سکے اور مولوی سید ابوالحسن ندوی اور ان کے پیش رو علماء کی تاویلات و توجیہات کے جوابات بھی دیے جا سکیں۔

سنہ ۱۱ھ جمعرات کے دن رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شدید علالت کے دوران جب کہ آپ کا بستر مرگ اکابرین صحابہ اور "جمل کی لیڈی کمانڈر" عائشہ کے حصار میں تھا۔ نبوت کے ہوش مندانہ اقدام اور منشائے ایزدی کے تحت یہ فرمایا کہ مجھے قلم، دوات اور کاغذ دے دو تاکہ میں تحریری دستاویز کے ذریعہ خلافت کے اشکال کو دور کر دوں اور تمہارے لیے ایک ایسا نوشتہ لکھ دوں جو میرے بعد تمہیں گمراہی سے بچائے رکھے۔

پیغمبر اسلام کے دہن اقدس سے یہ کلمات سن کر حضرت عمر کی عمری رگ بھڑک اٹھی اور انھوں نے جسارت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ اس شخص کو (اس کے حال پر) چھوڑ دو، کیونکہ یہ ہذیان بک رہا ہے[1]۔ ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے[2]۔

علامہ شبلی کا کہنا ہے کہ حضرت عمر کے اس قول میں لفظ "ہجر" استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہذیان کے ہیں۔۔۔ حضرت عمر نے ارشاد پیغمبری کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا[3]۔

بہر حال یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس عمری جسارت

[1] سر العالمین ص ۹ طبع بمبئی [2] بخاری ج ۱ ص ۲۴۲ ۸ [3] الفاروق ص ۶۱

نے رسول اکرم کی سعیٔ مواخاۃ اور درس اخوت کو آنِ واحد میں پامال کر کے موجودہ صحابہ کے درمیان ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا اور انھیں آنحضرت کی نظروں کے سامنے ہی دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک گروہ جو ارشاد نبوی کے مطابق اہل بیت سے اپنے کو متمسک کیے ہوئے تھا یہ کہہ رہا تھا کہ آنحضرت کو قلم و دوات مہیا کر دو تاکہ آپ ہمارے لیے گمراہی سے بچنے کا نوشتہ لکھ دیں۔ دوسرا گروہ جو عمر کا ہمنوا تھا، آنحضرت پر عمری ہذیان کی تہمت کو درست تسلیم کر رہا تھا اور حسبنا کتاب اللہ کی تائید کر رہا تھا۔

تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس ہنگامہ آرائی میں گالم گلوج اور ہاتھا پائی کی نوبت بھی آئی یا نہیں لیکن اس کا پتہ ضرور چلتا ہے کہ چیخ و پکار اور شور و غل کا یہ عالم تھا کہ پردے کے پیچھے بیٹھی ہوئی مستورات بھی اس نزاع میں شریک ہو گئی تھیں اور وہ بھی یہی کہہ رہی تھیں کہ آنحضرت کو قلم دوات دے دو تاکہ وہ نوشتہ لکھ دیں۔ عمر نے انھیں بھی ڈانٹا اور کہا کہ تمہاری جیسی عورتیں تو یوسف کے ساتھ بھی تھیں جو اُن کی بیماری پر (مگرمچھ کے) آنسو بہایا کرتی تھیں اور جب وہ صحت یاب ہو جاتے تھے تو ان کو رات دن پریشان کیا کرتی تھیں۔ عمر کی اس بات پر رسول نے بھی یہ فرمایا کہ تم ان عورتوں کے بارے میں کچھ نہ کہو کیونکہ وہ تم لوگوں سے کہیں بہتر ہیں[1]۔ لیکن جب عمر پر اس ارشاد نبوی کا کوئی اثر نہ ہوا اور مسلسل شور و غل اور ہنگامہ آرائی کے ساتھ صورت حال قابو

[1] کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۸

Presented by www.ziaraat.com

سے باہر ہونے لگی تو آنحضرتؐ نے قوموا عنّی کہہ کر انھیں اپنے گھر سے باہر نکال دیا۔

یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عمر نے رسولؐ کے احترام و ادب کو بالائے طاق رکھ کر ارشاد نبوی کو ہذیان سے تعبیر کرنے اور حسبنا کتاب اللہ کا نعرہ بلند کرنے کی جسارت اور گستاخی کیوں کی؟ اور اس قولِ ربانی کی اطاعت کیوں نہیں کی جس میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ:

"اے ایمان والو! خدا اور رسولؐ کی باتوں پر اپنی بات کو مقدم نہ کرو اور نبی کی آواز پر اپنی آوازوں کو بلند مت کرو۔"

اس سوال کے پس منظر میں ایک سیاسی، سازشی اور تاریخی تسلسل پنہاں ہے اور وہ یہ ہے کہ رسولؐ کی حیات طاہرہ کے آخری دور میں منافقین صحابہ نے باضابطہ سازشوں کا آغاز کر دیا تھا جس کی محکم دلیل سورۂ منافقون کا نزول ہے۔

یہ ابتدائی سازشیں اہل مدینہ اور مفاد پرست حلقہ بگوشانِ رسالت کے درمیان پل اور بڑھ رہی تھیں اور ان کا محور یا مرکزی نقطہ رسولؐ کی جانشینی اور مسلمانوں کی قیادت و خلافت کا مسئلہ تھا۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد ۸ھ میں ان سازشوں کے تانے بانے درست کیے جانے لگے تھے اور ان میں تیزی اس وقت پیدا ہوئی جب رسول اکرمؐ نے ۹ھ میں تیس ہزار کا لشکر لے کر ہرقل بادشاہ روم سے مقابلہ کے لیے مدینہ سے شام کی طرف کوچ فرمایا اور تبوک نامی بستی میں مسلسل بیس روز تک قیام فرما رہے لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ یہ واضح رہے کہ اس جنگی مہم میں آنحضرتؐ نے ہر

جنگ کے فاتح حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کو اپنے ساتھ نہیں لیا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے جب رسول اکرمؐ سے شکوہ کیا اور اس مہم کی عدم شرکت پر اپنے دلی کرب کا اظہار فرمایا تو پیغمبرؐ نے کہا: اے علیؑ! کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی[1]۔ کنز العمال میں ہے کہ رسولؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ! میں تم کو اس لیے چھوڑے جاتا ہوں تاکہ تم ہی میرے بعد میرے خلیفہ رہو کیونکہ مدینہ کی حالت صرف میرے رہنے یا تمھارے رہنے سے ہی درست رہ سکتی ہے[2]۔

یقیناً اس قول پیغمبرؐ کے بعد سازشی بھی یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ آنحضرتؐ نے علیؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کرنا طے کر لیا ہے اور شاید یہی وجہ تھی کہ ان منافق سازشیوں نے تبوک کی واپسی پر پیغمبر اسلامؐ کی شمع حیات گل کر دینے کی ناکام و ناپاک کوششیں بھی کیں جو تاریخ میں واقعہ عقبہ کے نام سے محفوظ ہے۔ اور یہی وہ واقعہ ہے جس کے ذیل میں عمر بار بار حذیفہ سے پوچھا کرتے تھے کہ کیا سازشی منافقین میں میرا نام بھی شامل ہے[3]؟ اور پھر آخر کار ایک دن دماغی کچوکوں اور قلبی ٹھوکوں سے مجبور ہو کر حضرت عمر کی زبان پر یہ سچائی آہی گئی کہ اے حذیفہ! خدا کی قسم ان منافقین میں میں بھی شامل تھا[4]۔ اس واقعہ کی تفصیل ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

---

[1] تذکرہ خواص الامہ ص ۱۲ [2] کنز العمال ج ۶ ص ۴۰۴ [3] مدارج النبوہ ج ۲ ص ۲۰۲
[4] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۳۶

Presented by www.ziaraat.com

اس واقعہ عقبہ کے بعد اسی ۹ھ میں ایک واقعہ اور رونما ہوا جس نے منافقین کی سازشی مصروفیات میں مزید سرعت اور تیزی پیدا کر دی۔ اس واقعہ کا اجمال یہ ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے تبوک سے واپسی پر تین سو مسلمانوں پر مشتمل ایک قافلہ حج کے لیے روانہ کیا اور ابو بکر کو سورۂ برأت کے ساتھ اس قافلے کا سردار مقرر کیا تاکہ وہ حج کے موقع پر اس سورہ کی تبلیغ فرمائیں۔ عمر بھی اس قافلے میں شامل تھے، ابھی قافلہ کچھ ہی دور گیا ہوگا کہ جبرئیلؑ نازل ہوئے اور انھوں نے رسولؐ کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! خدا کا حکم ہے کہ آپ یا آپ کے قرابت دار کے علاوہ کوئی دوسرا شخص سورۂ برأت کے تبلیغی کام کو انجام نہیں دے سکتا۔ اس حکم پر رسول اللہ صلعم نے حضرت علی علیہ السلام کو تیزی کے ساتھ قافلے کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ ابو بکر سے سورۂ برأت لے کر اس کی تبلیغ خود کریں اور انھیں واپس مدینہ بھیج دیں۔ حضرت علیؑ نے خدا اور رسولؐ کے حکم پر برق رفتاری سے عمل کیا۔ چنانچہ ابو بکر جب پلٹ کر مدینہ آئے تو اپنی معزولی پر آنحضرتؐ کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور عرض کی کہ کیا میرے متعلق کوئی امر حادث ہو گیا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ اس کی تبلیغ خود کروں یا وہ شخص کرے جو مجھ سے ہو[۱]۔

اس ذیل میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تحقیق یہ ہے کہ آنحضرتؐ

---

[۱] بخاری پ۱ ص ۲۲۸، فتح الباری پ۱۹ ص ۱۹۴، کنز العمال ج۱ ص ۱۴۶، در منثور ج۳ ص ۲۱۰، تاریخ خمیس ج۲ ص ۱۵۶ وغیرہ

نے ابو بکر اور عمر دونوں کو سورۂ برأت کی تبلیغ پر مامور فرمایا تھا پھر دونوں ہی کو معزول کر کے یہ کام علیؑ کے سپرد کیا[۱]۔

اس عبرت ناک انجام کے بعد ۱۰ھ میں ان صحابہ کے سازشی منصوبوں پر ایک ضرب کاری اور پڑی، جب حجۃ الوداع کی واپسی پر پیغمبرؐ نے "غدیر خم" میں سورۂ انشراح کی آیتؔ (جب تم فارغ ہو چکو تو اپنا جانشین مقرر کر دو) اور سورۂ مائدہ آیت۶۷ یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ ... الخ (یعنی اے رسول! جو تم پر نازل کیا گیا ہے اسے فوری طور پر پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو کار رسالت انجام ہی نہیں دیا۔ اللہ تم کو لوگوں (منافقین) کے شر سے محفوظ رکھے گا)، کے تحت ابن عم، داماد اور انت منّی وانا منك کے مصداق حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کو دعوت ذوالعشیرہ میں کیے گئے وعدہ کے مطابق اپنا جیسا حاکم بنا دیا۔ زبان رسالت سے لفظیں یوں ادا ہوئیں من کنت مولاہ فهٰذا علی مولاہ[۲]۔"

امام المحدثین حافظ ابن عبدہ نے غدیر خم کے سلسلہ میں ۱۱۰ صحابہ کرام سے حدیثیں نقل کی ہیں۔ امام جزری اور امام شافعی نے اسّی صحابیوں سے، امام احمد بن حنبل نے ۳۰ تیس صحابہ سے اور طبری نے ۷۵ پچھتر صحابیوں سے روایتیں نقل کی ہیں۔ ان کے علاوہ ذہبی اور صنعانی وغیرہ نے اسے متواتر مانا ہے[۳]۔ لہٰذا انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

---

[۱] قرۃ العینین ص ۲۳۴ [۲] تفسیر در منثور ج۲ ص ۲۹۸، سر العالمین ص۹ مطبوعہ بمبئی
[۳] نہج الوصول ص ۱۳، فتح البیان ج۱ ص ۴۸

Presented by www.ziaraat.com

اسی سن ۱۰ھ میں رسول اللہ صلعم نے حکم خالق کے تحت میدانِ مباہلہ میں "ابنائنا، نساءنا، انفسنا" کی عملی تفسیر کے ذریعہ اپنے اہل بیتؑ کا اظہار بھی فرما دیا۔

ان تمام واقعات کا تسلسل اور رسول اکرم کے عملی اقدامات کا تواتر یہ ظاہر کرتا ہے کہ حضور سرور کائناتؐ بھی منافقین کی سیاسی اور سازشی ریشہ دوانیوں سے بے خبر نہیں تھے۔ اگر آپ بے خبر ہوتے تو اپنی زندگی کے آخری ایام میں وہ احکامات وارشادات صادر نہ فرماتے جن سے صحابہ نے ذاتی طور پر اختلاف کیا اور بات صرف اختلاف تک ہی محدود نہ رہی بلکہ کہیں پر کھل کر حکم پیغمبرؐ کی نافرمانی عمل میں لائی گئی کہیں رسالت کے تقدس کو پامال کیا گیا، کہیں احکامات پر عمل سے گریز کیا گیا۔ کہیں رسولؐ کے مقابلے میں جسارت کا مظاہرہ کیا گیا اور کہیں پر آپ کی شان میں ایسی گستاخیاں کی گئیں کہ حضورؐ کو ان صحابہ کے خلاف لعنت جیسے ابدی حربہ کا استعمال کرنا پڑا۔ غرض کے رسولؐ کے خلاف سازشوں کا ایک سلسلہ بھی جاری رہا اور سازشیوں پر پیغمبری لعنت بھی برستی رہی۔ خدا حق پسند مسلمانوں کو اس لعنت سے محفوظ رکھے۔

اپنی رحلت سے قبل سن ۱۱ھ میں پیغمبر اسلامؐ نے ملت اسلامیہ کو افتراق وانتشار اور ابدی فرقہ بندی سے بچانے کے لیے بڑے ہی حکیمانہ انداز میں ایک اہم فیصلہ اور کیا۔ چنانچہ اس فیصلہ کے تحت آپ نے حکومت روم کی سرکوبی کے لیے ایک لشکر تیار کیا اور اس کا امیر اسامہ بن زید کو بنایا اور تمام اعیان مدینہ، مہاجرین اور انصار کے ساتھ آپ نے ابو بکر، عمر، عثمان، سعد بن ابی وقاص، ابو عبیدہ بن جراح، سعید بن زید

اور قتادہ وغیرہ کو بھی اس لشکر میں شامل کر کے انھیں فی الفور مدینہ سے روانہ ہو جانے کا حکم دیا۔ آنحضرتؐ کا یہ حکم تاکیدی حکم تھا اور اس حکم کے تحت ابو بکر و عمر وغیرہ کو فوراً اسامہ کے لشکر کے ساتھ چلے جانا چاہیے تھا مگر اسے مسلمانوں کی بدقسمتی کہیے، ملت اسلامیہ کے انتشار کا عملی آغاز کہیے یا پھر اسلام کو تباہی و بربادی کے راستہ پر ڈالنے کا سازشیوں کی طرف سے تباہ کن منصوبہ کہیے کہ یہ لوگ اسامہ کے ساتھ نہیں گئے اور انھوں نے فرمان رسالت کو سختی سے ٹھکرا دیا۔

آنحضرتؐ کا سخت تاکیدی حکم سترہ سالہ نوجوان اسامہ بن زید کی قیادت، لشکر کی روانگی میں عجلت کی تہدید، منافق صحابہ کا تخلف، حضرت علی علیہ السلام کو رسول اللہ صلعم کا اپنے پاس روکنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جانشینی اور خلافت کے معاملات میں پیغمبر اسلام کو جن لوگوں سے خطرہ تھا انھیں مدینہ سے باہر روانہ کر دینا چاہتے تھے تاکہ ان کی سیاسی چالیں اور سازشیں کامیاب نہ ہو سکیں ورنہ اسلام تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اکابرین صحابہ کو اسامہ کی ماتحتی میں اس لیے رکھا تھا کہ اگر لشکر کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں ہوتی تو اس کا امکان تھا کہ یہی لوگ پلٹ کر حملہ کر دیتے اور اقتدار، حکومت نیز خلافت پر قبضہ کر لیتے جیسا کہ آنحضرتؐ کی آنکھیں بند ہوتے ہی سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوا۔ لہٰذا جن لوگوں سے خطرہ تھا انھیں رسولؐ نے عام لشکری کی حیثیت دی اور جس پر اعتماد تھا اسے امیر مقرر کیا تاکہ یہ منافقین سرتابی اور روگردانی نہ کر سکیں مگر حصول اقتدار کی سازشوں نے انھیں اتنا جسور بنا دیا تھا کہ ان لوگوں نے اسامہ بن زید کے لشکر سے علیحدگی اختیار کر کے رسولؐ کی دی ہوئی اللہ

Presented by www.ziaraat.com

کی ابدی لعنت قبول کر لی۔ اس کی تفصیل ہم گزشتہ اوراق میں تحریر کر چکے ہیں۔

حضرت عمر کی غیر اسلامی فطرت میں یہی وہ سازشی جسارتیں اور گستاخیاں تھیں جو رسولؐ کی زندگی کے آخری ایام میں اپنے حدود سے تجاوز کر گئیں جس کے تحت عمر نے رسولؐ پر ہذیان کی تہمت عائد کر کے انھیں نوشتہ لکھنے سے باز رکھا۔ یہ حقیقت ہے کہ اس معاملہ میں صحابہ کی اکثریت عمر کے ساتھ تھی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام کا سفینہ اسی منزل میں چکنا چور ہو گیا، ملت اسلامیہ کا مستقبل اندھیروں میں ڈوب گیا اور یہیں سے فتنوں کے دروازے کھل گئے۔ اس واقعہ کو یاد کر کے ابن عباس اس قدر رویا کرتے تھے کہ سنگ ریزے آنسوؤں سے تر ہو جایا کرتے تھے۔ ابن عباس کا کہنا تھا کہ لوگوں نے رسول اکرمؐ کو نوشتہ لکھنے سے باز رکھا، یہی قیامت ہے اور یہی اسلام و اہل بیتؑ پر تمام مصائب کی جڑ ہے[1]۔

یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر کے اس جاہلانہ اور منافقانہ اقدام اور چیخ پکار پر آنحضرتؐ نے نوشتہ لکھنے کا ارادہ کیوں ترک کر دیا جب کہ فعل واجب کسی کی مخالفت سے ترک نہیں کیا جا سکتا؟

اس کا جواب ایک حق پسند اور منصف مزاج سنی عالم شیخ سلیم (جامعہ ازہر) کی زبان سے سنیے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

"قلم و دوات لانا اصحاب پر فرض تھا نہ کہ آنحضرتؐ پر، حضرتؐ

[1] بخاری پ۱ ص ۱۰۶، مشکوٰۃ ج۲ ص ۳۵۳، طبری ج ۳ ص ۱۹۳ وغیرہ

کا فریضہ تو اس فریضہ کی ادائیگی کے بعد شروع ہوتا تھا، جب اصحاب ہی نے انکار کر دیا تو آپ کا فریضہ بھی ساقط ہو گیا اور حجت تمام ہو گئی۔ اب تحریر کا کوئی اثر بھی غیر از فتنہ نہیں ہو سکتا تھا[1]۔"

علامہ عبدالحسین شرف الدین طاب ثراہ کا کہنا ہے کہ:

"اولاً تو اب اس تحریر کا پیش کرنا اس فتنہ کا ابھارنا تھا جس کا اندازہ صرف اعلان سے کر لیا گیا تھا۔ یعنی مقابل طاقتیں اپنے مفاد کو پامال ہوتا ہوا دیکھ کر باقاعدہ مقابلہ پر آمادہ ہو جاتیں اور اس طرح حضورؐ کی تمام زندگی کی محنت خاک میں ملتی ہوئی نظر آتی، دوسرے یہ کہ اس تحریر سے فوری طور پر دو جماعتیں پیدا ہو جاتیں۔ ایک اسے بھی ہذیان کا نتیجہ قرار دیتی اور ایک اس پر بلاچون وچرا ایمان لے آتی اور یہ تحریر دونوں کے لیے بیکار ہوتی۔ ایمان لانے والی جماعت پر یہ مقصد واضح ہو گیا تھا اسے ضرورت نہ پڑتی، انکار کرنے والی پارٹی انکار ہی کرتی اور نتیجہ میں اچھی خاصی حدیث کی مزید توہین ہوتی۔ اتمام حجت ہو ہی چکا تھا، پہلی جماعت اپنی بات پر اٹل تھی، دوسری جماعت اپنی جگہ غائبانہ ایمان لائے ہوئے تھی اور حدیث ثقلین سے متمسک تھی[2]۔"

مندرجہ بالا امور کے پیش نظر حضور اکرمؐ نے اگر نوشتہ تحریر کرنے کا خیال ترک فرما دیا ہو تو اس میں حیرت و تعجب کی گنجائش نہیں ہے۔

توجیہات وتاویلات

حضرت عمر کی اس طوفان بدتمیزی پر پردہ پوشی کے لیے عمر نواز

[1] نص و اجتہاد ص ۹۶ [2] نص و اجتہاد ص ۹۴، ۹۵

Presented by www.ziaraat.com

علماء کی طرف سے جن توجیہات و تاویلات کا سلسلہ صدیوں سے اب تک جاری ہے وہ زیادہ تر حسب ذیل نکات پر مبنی ہیں۔

۱۔ کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ اپنی بیماری کی وجہ سے سخت تکلیف میں مبتلا تھے، اس لیے قلم و دوات نہ دے کر عمر نے سردار انبیاء کو مزید تکلیف سے بچا لیا۔

۲۔ کہا جاتا ہے کہ عمر کو یہ معلوم تھا کہ شریعت کے متعلق کوئی نکتہ باقی نہیں رہ گیا کیونکہ قرآن میں آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ نازل ہو چکی تھی، اس لیے کسی نوشتہ کی ضرورت نہیں تھی۔

۳۔ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی ضروری حکم ہوتا تو آنحضرتؐ عمر کے روکنے سے کیوں رک جاتے؟ اس واقعہ کے بعد آپ تین دن تک بقید حیات رہے اس وقت نہ سہی بعد کو لکھوا دیا ہوتا

۴۔ کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن ابوبکر کو بلوا کر آنحضرتؐ، ابوبکر کے بارے میں خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے، پھر آپ نے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا کہ اہل اسلام خود ابوبکر کے علاوہ کسی اور کو پسند نہ کریں گے۔

۵۔ کہا جاتا ہے کہ عمر کے اس اختلاف کے بعد آنحضرتؐ نے لوگوں کو زبانی وصیتیں بھی فرمائیں، اسی میں اپنے مقصد کی صراحت فرما دیتے۔

مولوی سید ابوالحسن علی ندوی نے بھی انھیں فرسودہ توجیہات و تاویلات کے خدوخال کو اپنی کتاب "المرتضیٰ" میں اجاگر کرنے کی سعی کی ہے، جس کے اقتباسات ہم الخلفاء حصہ اول میں پیش کر چکے ہیں۔ مزید

اطمینان کے لیے قارئین کرام ندوی کی کتاب المرتضیٰ کے صفحات ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴ کا مطالعہ فرما سکتے ہیں۔

پہلے یہ واضح کر دوں کہ مذکورہ توجیہات و تاویلات کے جوابات شیعہ علماء کی طرف سے ہر صدی، ہر دور، ہر زمانے میں تفصیلاً و تحریراً دیے جا چکے ہیں، اجمالاً میں بھی تحریر کیے دیتا ہوں۔ مگر برا ہو عصبیت کا کہ اس نے عمر نواز علماء کے ذہنوں پر باطل اور ہٹ دھرمی کے وہ سیاہ پردے ڈال رکھے ہیں جو حق کی طرف انھیں مائل ہی نہیں ہونے دیتے۔ نہ یہ حق بات سنتے ہیں اور نہ ہی حق کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ ہے۔ عبادت الگ ہے، شریعت الگ ہے، نظریہ الگ ہے۔ کاش اللہ انھیں حق کی روشنی کے ساتھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی عطا کرتا تو یہ اختلافی مسئلہ جواب تک مسلمانوں کو فرقوں میں تقسیم کیے ہوئے ہے، وہابیت کے عالم وجود میں آنے سے پہلے ہی ختم ہو چکا ہوتا۔ نہ توجیہہ ہوتی نہ تاویل، مسلمان اپنی جگہ متحد ہوتا اور جس شے کے حضرت عمر مستحق تھے اس سے انھیں نوازتا رہتا۔ بہر کیف۔

(۱) پہلی توجیہہ یہ ہے کہ آنحضرت اپنی بیماری کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا تھے۔

ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضور سرورِ کائنات تکلیف میں مبتلا تھے اور آپ کی تکلیف ایسی تھی کہ پورا خانوادۂ رسالت اس سے متاثر، مضطرب بے چین اور پریشان تھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ آنحضرتؐ کو اپنے اس ذاتی مرض کی عارضی تکلیف کا احساس زیادہ تھا یا جبراً امت

Presented by www.ziaraat.com

کے ہادی، رہبر، مقتدا اور پیشوا کی حیثیت سے آپ منصب نبوت پر فائز تھے، اس امت کی گمراہی کا خیال آپ کے لیے کرب و اذیت کا باعث بنا ہوا تھا؟ درست تو یہ ہے کہ آپؐ کو تکلیفوں کا سامنا اسی وقت سے تھا جب سے آپ مبعوث بہ رسالت ہوئے تھے۔ آپ کا خود ارشاد ہے کہ جتنی تکلیفیں اور اذیتیں مجھے پہنچائی گئیں کسی نبی کو نہیں پہنچیں۔ ظاہر ہے کہ آپ کا یہ اشارہ ان تکلیفوں کی طرف تھا جو کافروں اور منافقوں کی طرف سے آپ پر مسلط کی گئیں۔ مگر کیا ان تکلیفوں کی وجہ سے آپؐ کافروں، مشرکوں اور منافقوں کی ہدایت سے کنارہ کش ہو گئے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ نے لوگوں کی ہدایت اور بہتری کو اپنی ذاتی تکلیف پر ہمیشہ ترجیح دی اور اپنے فرائض منصبی کو عزم و ارادہ اور صبر و تحمل کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ انھیں فرائض منصبی کے تحت آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں بھی اپنی عزیز ترین امت کو اپنے بعد بھی گمراہی سے بچانے کا خیال رکھا، اسی کے تحت آپ نے قلم اور دوات طلب کیا اور اسی کے تحت نوشتہ لکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ تاکہ مسلمانوں کا مستقبل گمراہی سے محفوظ رہ سکے۔ لیکن اسے امت مسلمہ کی بدنصیبی کہیے یا امت کا انتشار کہ حضرت عمر نے اپنے اور اپنے چند ساتھیوں کے ذاتی مفاد کی خاطر پیغمبر اسلام کے اس حکیمانہ منصوبے کو چٹکیوں میں اڑا دیا اور مسلمانوں کی گمراہی کے امکانات ہمیشہ کے لیے باقی رہ گئے۔

توجیہہ اور تاویل کے علاوہ اس سوال کا کیا جواب ہے کہ جب رسولؐ بھی سمجھ رہے تھے اور صحابہ بھی جان رہے تھے کہ یہ آنحضرتؐ کی

زندگی کے آخری ایام ہیں تو آپ اس ضروری کار ہدایت سے کیوں روک دیے گئے؟ اور کیوں آپ کو آخری وصیت سے باز رکھا گیا؟ جبکہ ہر مرنے والے کو اپنی آخری خواہشیں بیان کرنے کا فطری اور آئینی حق حاصل ہے۔ تو پھر پیغمبر اسلامؐ سے یہ حق کیوں چھین لیا گیا؟ اس کا جواب صرف اقتدار کی ہوس، سیاسی بازی گری اور سازشی اقدام ہے۔

یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ حضورؐ اُمّی تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب آنحضرتؐ پر وحی نازل ہوتی تھی تو اس کی کتابت حضرت عمر کے ہاتھوں عمل میں آتی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ (معاذ اللہ) رسولؐ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور جب ایسا تھا تو پھر حضرت عمر کو خطرہ کس بات کا تھا۔ بے دھڑک قلم اور دوات دے دیتے اور پھر یہ دیکھتے کہ حضورؐ کیا کرتے ہیں؟ بہر حال کائنات کی تاریخ ایسی دوسری مثال پیش کرنے سے قطعی قاصر ہے کہ حضورؐ کے علاوہ کسی اور نبیؐ کو اس کے کسی صحابی کے جارحانہ اقدام نے وقت آخر وصیت سے روک دیا ہو۔

یہ توجیہہ کہ حضرت عمر نے آنحضرتؐ کو مزید تکلیف سے بچایا، اس وقت خود بخود ہوا میں اڑ جاتی ہے جب تاریخ یہ بیان کرتی ہے کہ عمر کی فتنہ پردازیوں اور ریشہ دوانیوں نے قدم قدم پر آنحضرتؐ کو اذیتوں اور تکلیفوں میں مبتلا رکھا۔

(۲) دوسری توجیہہ یہ ہے کہ شریعت سے متعلق کوئی نکتہ باقی نہیں رہ گیا تھا کیونکہ قرآن میں آیت الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہو چکی تھی۔

Presented by www.ziaraat.com

حضرت عمر کو یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ شریعت سے متعلق کوئی نکتہ باقی نہیں رہ گیا؟ کیا شریعت کے مالک و مختار آپ ہی تھے؟ کیا آپ کا علم رسول ص کے علم سے زیادہ تھا؟ کیا رسول ص کی زندگی کے آخری ایام میں رسالت آپ کی طرف منتقل ہو گئی تھی؟ کیا آپ پر جبریل کا نزول ہو گیا تھا؟ کیا آپ پر الہام ہوا تھا؟ کیا آپ کے جسم میں اس وقت کسی کاہن کی روح حلول کر گئی تھی کہ جس نے آپ کو بتا دیا کہ اب شریعت کے متعلق کوئی نکتہ باقی نہیں رہ گیا۔

اگر پیغمبر اسلام، عمر اور ان کے ساتھیوں کے لیے دین کو مکمل سمجھتے تو پھر کاغذ قلم اور دوات طلب کرنے کی ضرورت ہی کیوں درپیش آتی؟

آیت الیوم اکملت لکم ..... کا محل نزول یہ بتاتا ہے کہ تمام غدیری کارروائیوں کے بعد یہ آیت نازل ہوئی اور اس کا اجمال یہ ہے کہ رسول اکرم ص آخری حج سے فارغ ہو کر مدینہ واپس پلٹ رہے تھے کہ آیۂ بلّغ نازل ہوئی جس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ:

"اے رسول! جو حکم تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (سمجھ لو کہ) تم نے اللہ کا کوئی پیغام ہی نہیں پہنچایا اور تم ڈرو نہیں، خدا تمھیں لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا"

(مائدہ ۔ ۶۷)

اس منزل میں یہ وضاحت انتہائی اہم ہے کہ مذکورہ آیت کے بارے میں ابن حاتم نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ یہ آیت غدیر خم میں حضرت علی کے بارے میں نازل ہوئی۔ اسی وجہ سے ابن معترد سے ابن مردیہ نے روایت کی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ص کے زمانہ

میں اس آیت کو یوں پڑھتے تھے:

یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ اِنَّ عَلِیًّا مَوْلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط

"اے رسول! جو حکم اس بات کا کہ علی ع تمام مومنین کے مولیٰ اور حاکم ہیں، تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو سمجھ لو کہ تم نے کوئی پیغام ہی نہیں پہنچایا"۔

آیت مذکورہ میں پروردگار کا لہجہ اس قدر سخت تھا کہ آنحضرت ص کو اپنی تیئس ۲۳ سالہ تبلیغی زندگی خطرے میں نظر آنے لگی اس لیے آپ جہاں تھے وہیں رک گئے اور ستر ہزار حاجیوں پر مشتمل وہ قافلہ بھی ٹھہر گیا جو آپ کے ہمراہ تھا۔ ان میں سے جو لوگ آگے جا چکے تھے وہ واپس پلٹائے گئے اور جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے ان کا انتظار کیا گیا۔ جلتا ہوا ریگستان آگ اگلتی ہوئی زمین، تپتا ہوا سورج، دوپہر کی دھوپ، لُو کے تیز جھکڑ حاجیوں کی یہ حالت کہ اپنی اپنی عباؤں اور رداؤں پر کھڑے تھے۔

جب سارا مجمع ایک مرکز پر سمٹ کر اکٹھا ہو گیا تو امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر آنحضرت ص پالان شتر کے منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا کہ: کیا میں تمہارا حاکم اور تمہارے نفسوں کا والی نہیں ہوں؟ تمام حاضرین نے ایک آواز ہو کر جواب دیا کہ بیشک آپ ہمارے حاکم اور ہمارے نفسوں کے والی ہیں۔ پھر فرمایا: کیا تمہاری جان اور تمہارے مال پر میرا حق نہیں ہے؟ سبھوں نے کہا، ہماری جانیں آپ پر قربان، بے شک ہماری جان اور ہمارے مال پر آپ کا حق ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

اس کے بعد آپ نے تمام مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ: میری طلبی خدا کی بارگاہ میں ہو چکی ہے اور میں لبیک کہہ چکا ہوں اور دیکھو میں تمھارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک قرآن ہے اور دوسرے میرے اہل بیتؑ، اور یہ دونوں عظمت میں ایک دوسرے کے مساوی ہیں اور ایک دوسرے سے اس وقت تک جدا نہ ہوں گے حتّٰی کہ روز قیامت حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہو جائیں۔ اگر تم ان سے متمسک رہو گے تو قیامت تک گمراہ نہ ہو گے اور میں دیکھوں گا کہ تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو۔

اور جب یہ تمام مراحل طے ہو گئے تو آپؐ نے علیؑ کو اپنے دست و بازو کی قوت سے بلند کرتے ہوئے فرمایا کہ اے مسلمانو! خداوند عالم میرا مولا، میرا آقا، میرا مالک اور میرا حاکم ہے جیسے کہ میں تمھارا مولا، آقا مالک اور حاکم ہوں۔ لہٰذا جس کا مولا میں ہوں آج سے علیؑ بھی اس کے مولا ہیں اور میرے جانشین ہیں۔

پھر فرمایا: پروردگار! دوست رکھ اس کو کہ جو علیؑ کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اسے کہ جو علیؑ کو دشمن رکھے اور ذلیل و رسوا کر اس کو جو علیؑ کو رسوا کرے۔

اس کارروائی کے بعد جب سارا مجمع علیؑ بن ابی طالب کو مبارکباد پیش کر چکا اور حضرت عمر بھی بخ بخ کہہ کر اپنے دلی کرب کا اظہار فرما چکے تو آیت الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہوئی جس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ:

"آج میں نے تمھارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام

کر دی اور تمھارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا۔"[۵۱]

ظاہر ہے کہ اگر رسول اکرمؐ حضرت علیؑ کو حکم بَلّغ کے مطابق اپنا خلیفہ، جانشین اور تمام مسلمانوں کا مولا اور حاکم مقرر نہ کرتے اور آپ کی ولی عہدی کا اعلان نہ فرماتے تو مذکورہ آیت کے نزول کا سوال پیدا ہی نہ ہوتا۔

جب یہ نتیجہ سامنے ہے کہ ولایت علیؑ کا اعلان ہی تکملۂ دین، قبولیت اسلام اور اتمام نعمت کی سند ہے تو علیؑ کی ذات گرامی کو اس سند کا مجموعہ کیوں نہ تسلیم کیا جائے کیونکہ نعمت الٰہی کا اتمام علیؑ کی شکل میں ہوا اور اس نعمت میں کوئی دوسری نعمت شریک نہیں ہے۔

نعمت عطیہ الٰہی ہے وہ جسے چاہتا ہے اس سے نواز دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے محروم رکھتا ہے۔ نعمت شکر کی متقاضی ہے اور کفران نعمت کفر ہے۔ اور کفر، کفر ہی ہے خواہ اس کی نوعیت کچھ بھی ہو۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو مجسم نعمت قرار دے کر علیؑ کے مدارج و مناصب کو علیؑ کے پروردگار نے عرش تک پہنچا دیا اور زمین پر بسنے والوں کے لیے علیؑ کو مرجع ہدایت بنا کر تمام مسلمانوں پر آپ کی محبت و اطاعت فرض کر دی۔

لہٰذا دین صرف انھیں لوگوں کے لیے کامل قرار پایا جن لوگوں نے علیؑ کی محبت اور اطاعت کو اپنا شعار بنایا اور خلوص دل کے ساتھ اہلِ بیتؑ سے متمسک ہو گئے۔

---

۵۱ تفسیر در منثور سیوطی ج ۲ ص ۳۰۹ سطر ۴۔ ۵ مطبوعہ مصر

Presented by www.ziaraat.com

رضی اللہ عنہ کا مصداق وہی ہے جو اللہ کی مرضی پر راضی برضا رہے، اہل بیتؑ سے تمسک رکھے اور علیؑ کی محبت و اطاعت کے قلعے میں خود کو محصور کرلے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت عمر ان تمام امور سے کوسوں دور رہے اس لیے رحمۃ للعالمین نے وقت آخر انھیں راہ راست پر لانے کی ایک کوشش اور کی۔ مگر ان کی اس بدنصیبی کو کیا کیا جائے کہ انھوں نے اسے بھی ٹھکرا دیا اور گمراہی کے اندھیرے میں ہمیشہ کے لیے بھٹک گئے۔

(۳) تیسری توجیہہ یہ کہ اگر کوئی ضروری حکم ہوتا تو آنحضرتؐ عمر کے روکنے سے کیوں کر رک سکتے تھے۔ اس واقعہ کے بعد آپ تین چار دن تک زندہ رہے اس وقت نہ سہی، بعد کو لکھوا دیا ہوتا۔

ظاہر ہے کہ ضروری حکم نہ ہوتا تو آنحضرتؐ نوشتہ کے ذریعہ اپنی امت کو گمراہی سے بچانے کی خواہش کا اظہار ہی کیوں فرماتے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس خواہش کے اظہار میں پیغمبرؐ میں اپنی ذاتی رائے کا دخل نہیں ہو سکتا، کیوں کہ قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ رسولؐ اپنی خواہش پر (ضروری یا غیر ضروری) کوئی کلام نہیں کرتا جب تک وحی کا نزول نہ ہو جائے۔[1]

اب مسلمان خود یہ فیصلہ کرے کہ کیا پیغمبرؐ کی کسی ایسی تحریر کو جو تمام مسلمانوں کو گمراہی سے محفوظ رکھنے کی حتمی ضمانت پیش کرتی ہو غیر ضروری قرار دیا جا سکتا ہے یا اس کے ضروری ہونے میں کسی شک و شبہ کا تصو(ر)

[1] سورہ النجم آیت ۳-۴

کیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ جو تحریر رسولؐ کے بعد بھی مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے کا وسیلہ بن سکتی تھی وہ انتہائی اہم اور ضروری تھی۔ کیونکہ قرآن کا نزول بھی اسی لیے عمل میں آیا کہ لوگ گمراہ نہ ہوں۔ اسلام بھی اسی لیے آیا کہ لوگ حق کے راستے پر گامزن ہوں۔ رسول بھی اسی لیے بھیجے گئے، کہ لوگ گمراہی کے اندھیروں سے نکل کر حق کی روشنی کی طرف آئیں، شریعت کا نفاذ اسی لیے ہوا کہ لوگوں کی زندگیاں گمراہیوں سے محفوظ رہ سکیں۔

غرض کہ یہ بات مکمل یقین و اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ملت مسلمہ کو اس نوشتہ کی اتنی ہی سخت ضرورت تھی جتنی نزول قرآن کی۔ اس تحریر کا فائدہ لوگوں کو اتنا ہی پہنچتا جتنا کہ اسلام سے پہنچا۔ اس سے وہی فیض حاصل ہوتا جو رسولؐ کے مبعوث بہ رسالت ہونے سے ہوا۔ جس طرح آنحضرتؐ نے تمام عمر اپنی امت کو گمراہی سے بچایا اسی طرح آپ کے بعد آپ کی یہ تحریر بھی مسلمانوں کو قیامت تک گمراہی سے بچاتی رہتی اور حضورؐ کی طرف سے تحریری طور پر ہدایت کا سلسلہ جاری رہتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اسلام فرقوں میں تقسیم ہونے سے بچ جاتا اور ساری دنیا کے مسلمان بلا تفریق ملت ایک اسلامی پلیٹ فارم پر نظر آتے۔ مگر افسوس کہ عمری ہذیان اور حسبنا کتاب اللہ کی آواز نے مسلمانوں پر ہمیشہ کے لیے فتنوں اور گمراہی کے دروازے کھول دیے۔ یہ کہنا کہ "آنحضرتؐ عمر کے روکنے سے کیوں کر رک سکتے تھے" بیوقوفی اور جہالت کی دلیل ہے، صاف ظاہر ہے کہ جس طرح حضور اکرمؐ

Presented by www.ziaraat.com

روز اول عمر کے روکنے سے رک گئے اسی طرح باقی تین دن بھی رکے رہے، کیونکہ آپ بالکل ہی مجبور تھے اور آپ کا بستر مرگ عائشہ جیسی چالاک و مکار عورت کے حجرے میں تھا جہاں صرف ابو بکر و عمر اور عائشہ و حفصہ وغیرہ کی حکومت تھی۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ ان کے خلاف زبان کھول سکے۔ لہٰذا ان لوگوں نے جیسا چاہا ویسا کیا۔

بعد میں کچھ کہنے سننے یا لکھنے لکھوانے کا سوال اس وقت پیدا ہوتا تھا جب آپ عائشہ کے گھر سے منتقل ہو جاتے اور حضرت علیؑ و ابن عباس وغیرہ کو پیغمبرؐ سے آزادانہ گفتگو کا موقع فراہم ہو جاتا مگر یہ اس لیے ممکن نہیں تھا کہ علالت کی شدت نے آنحضرتؐ کو اس قدر کمزور و ناتواں کر دیا تھا کہ آپ بے بس ہو گئے تھے۔ اور اگر بفرض محال کسی صورت سے عائشہ کے حجرے ہی میں اس نوشتہ کی تکمیل کر دیتے تو کیا عائشہ، حفصہ، ابو بکر اور عمر کی موجودگی میں وہ نوشتہ وہاں سے عام مسلمانوں تک پہنچ سکتا تھا؟ ہرگز نہیں۔ اس بات کا قطعی احتمال تھا کہ عمر کی عمری فطرت اسے چاک کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی جیسا کہ وفات پیغمبرؐ کے بعد فدک کے پروانۂ واگزاری کے معاملے میں یہ فعل آپ سے سرزد ہوا۔

(۴) یہ توجیہہ اور زیادہ حیرت انگیز و تعجب خیز ہے کہ عبداللہ بن ابو بکر کو بلا کر آنحضرتؐ ابو بکر کے بارے میں خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے، پھر آپ نے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا کہ اہل اسلام خود ابو بکر کے علاوہ کسی کو پسند نہ کریں گے۔

سوال یہ ہے کہ آنحضرتؐ اگر ابو بکر کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے

تو کیا حضرت عمر اس سے اختلاف کر سکتے تھے جبکہ رحلت رسولؐ کے فوراً بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں ابو بکر کو منصب خلافت پر فائز کرنے والے آپ ہی تھے۔

مجھے یقین ہے کہ عمر کو اگر رسولؐ کے اس ارادہ کی ذرا بھی بھنک مل جاتی کہ آپ ابو بکر کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے ہیں تو ایک قلم دوات کیا ہزاروں قلم اور سینکڑوں دواتیں آنحضرتؐ کے سامنے ڈھیر کر دیتے اور کیا عجب تھا کہ دو چار رم کاغذ لے کر خود ہی بیٹھ جاتے اور کہتے کہ حضورؐ کو کتابت میں زحمت ہوگی، لہٰذا آپ صرف بولتے جائیں اور میں لکھتا جاؤں۔ تحریر مکمل ہونے کے بعد اگر گواہی کی ضرورت پڑتی تو آپ صحابہ ہی نہیں کفار مکہ کو بھی طلب کر لیتے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا ابو بکر کی خلافت کے متعلق آنحضرتؐ کے لیے نوشتہ لکھنے کا ارادہ ممکن بھی تھا؟ قطعی نہیں۔ کیونکہ ابو بکر خلافت کے اہل تھے ہی نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر آپ خلافت کے اہل ہوتے تو سورۂ برأت کی تبلیغ سے معزول نہ کر دیے جاتے۔ یہ معزولی ظاہر کرتی ہے کہ آپ میں دینی خدمات کی سرداری یا احکام الٰہیہ کی تبلیغ و حفاظت کی صلاحیت نہیں تھی۔

جب اللہ اور اس کے حبیبؐ نے ایک معینہ امر کے لیے سورۂ برأت کے تبلیغی منصب کے لیے آپ کو پسند نہیں کیا تو اسلام کی ہدایت و قیادت کی عظیم ذمہ داریوں کا بوجھ آپ کے نااہل کاندھوں پر کیسے رکھ دیتے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر ابو بکر میں سرداری اور قیادت کی صلاحیت

Presented by www.ziaraat.com

ہوتی تو آنحضرت آپ کو اسامہ ایسے کمسن صحابی کا ماتحت کیوں بناتے؟ اسامہ کا ماتحت ہو کر مدینہ سے باہر چلے جانے کا پیغمبری حکم یہ واضح کرتا ہے کہ نہ ہی آنحضرتؐ کے دل میں آپ کی خلافت کے متعلق کوئی خیال تھا اور نہ ہی امور مملکت میں آپ سرداری کے اہل تھے۔ ورنہ رسول اکرمؐ اسامہ کے بجائے آپ ہی کو لشکر کا امیر بناتے اور دوسرے صحابہ کو آپ کی اطاعت کا حکم دیتے۔

(۵) یہ توجیہہ بھی عجیب و غریب ہے کہ حضرت عمر کے اس اختلاف کے بعد آپ نے جو زبانی وصیتیں فرمائیں اسی میں اپنے مقصد کی وضاحت کر دیتے۔

سوال تو یہ ہے کہ آنحضرت نے جب پہلی وصیت کے لیے قلم و دوات کی خواہش ظاہر کی تو کہا گیا کہ یہ شخص ہذیان بک رہا ہے، ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ لیکن اس کے بعد آپ نے جو وصیتیں کیں، ان پر نہ ہذیان کی تہمت عائد کی گئی اور نہ ہی حسبنا کتاب اللہ کا شور بلند کیا گیا۔ آخر کیوں؟ کیا آنحضرتؐ کے مرض کی شدت میں تخفیف ہو گئی تھی یا ان زبانی وصیتوں کے وقت آپ کی ہذیانی کیفیت ختم ہو گئی تھی؟

عقل تو یہ کہتی ہے کہ آنحضرتؐ کے مرض میں تخفیف کے بجائے اور اضافہ ہو گیا ہو گا اور حضرت عمر کے لیے اضافہ کی صورت میں ہذیان گوئی یا بدحواسی کی تہمت زیادہ آسان تھی۔ پھر یہ کیوں نہیں کہا گیا کہ آپ پر مرض کا غلبہ ہے، آپ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں، اسلام کامل ہو چکا ہے، کتاب اللہ کافی ہے، اب کسی زبانی وصیت کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر بعد میں کی جانے والی وصیتیں قابل توجہ سمجھی گئیں تو پہلی وصیت کی خواہش کیوں رد کر دی گئی؟ جو جھگڑا، جو نزاع اور جو اختلاف قلم و دوات کے مسئلے میں ہوا وہ ان زبانی وصیتوں کے بارے میں کیوں نہیں ہوا؟ عمر نواز علماء کے پاس آخر اس کا کیا جواب ہے؟ بجز اس جواب کے کہ نوشتہ لکھنے کا ارادہ حضرت علیؑ کی خلافت کی تصریح پر مبنی تھا اس لیے نزاعی صورت حال پیدا کر دی گئی اور زبانی وصیتیں چونکہ خلافت سے متعلق نہیں تھیں اور نہ ہی ان وصیتوں سے حضرت عمر یا مخالف پارٹی کا کوئی نقصان تھا اس لیے ان پر نہ حسبنا کتاب اللہ کا نعرہ بلند کیا گیا اور نہ ہی ہذیان کی تہمت عائد کی گئی۔ پھر اگر حضورؐ اپنی ان زبانی وصیتوں میں اپنے مقصد کی وضاحت فرما بھی دیتے تو وہ کب قابل قبول ہوتی جب پہلی ہی مرتبہ یہ کوشش رد کر دی گئی۔

ان مذکورہ توجیہات و تاویلات کے علاوہ شیخ ازہر (شیخ سلیم) نے جن توجیہات کا ذکر کیا ہے اور ان کے جوابات دیے ہیں، پھر اپنا عذر بھی پیش کیا ہے، انھیں ہم علامہ عبدالحسن شرف الدین کی کتاب نص و اجتہاد سے (جس کے مترجم علامہ ذیشان حیدر صاحب جوادی ہیں) نقل کیے دیتے ہیں تاکہ حقیقت پوری طرح آشکار ہو جائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

"بعض علماء نے توجیہہ کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قصد واقعاً تحریر کرنے کا نہیں تھا بلکہ آپ اصحاب کا امتحان کرنا چاہتے تھے، حضرت عمر چونکہ اس نکتہ سے واقف تھے اس لیے انھوں نے منع کر دیا اور یہ ان کی الہامی صلاحیت کی واضح دلیل ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

لیکن ظاہر ہے کہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول کہ "تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے" امتحان پر حمل نہیں کیا جا سکتا ورنہ آنحضرتؐ کے لیے کذب صریح کا الزام لازم آئے گا"۔

پھر فرماتے ہیں کہ:

"بعض حضرات نے یہ عذر کیا ہے کہ یہ حکم واجبی نہ تھا بلکہ اصحاب سے ایک مشورہ تھا۔ اس لیے حضرت عمر نے یہ سوچ کر روک دیا کہ ایسے وقت میں آپ کو زحمت ہوگی اس لیے کہ یہ عالم مرض الموت کا ہے یا یہ خیال کیا ہو کہ ممکن ہے کہ عالم مرض میں ایسی باتیں لکھ جائیں جن پر امت عمل نہ کر سکے اور اس طرح بلاوجہ ساری امت جہنم کی مستحق بن جائے، پھر منافقین بھی اس تحریر کو دیکھ کر قرآن کریم کی جامعیت میں اشکال کر سکتے تھے۔

لیکن ظاہر ہے کہ عدم گمرہی کا ذکر ان تمام توجیہوں کو باطل کر دیتا ہے اور "قوموا عنی" کہنا یہ بتاتا ہے کہ یہ رائے حضرت رسولؐ کی نظر میں نہایت درجہ غلط اور مذموم تھی"۔

پھر فرماتے ہیں کہ:

"بعض لوگوں نے یہ عذر کیا ہے کہ حضرت عمر نے اس عبارت پیغمبرؐ سے یہ استنباط ہی نہیں کیا کہ اس میں ہر شخص کو گمراہی سے بچانے کی ذمہ داری ہوگی بلکہ وہ یہی سمجھتے تھے کہ اکٹھا تمام امت گمراہ نہ ہوگی اور ظاہر ہے کہ قرآن کے ہوتے ہوئے یہ بات یوں بھی غیر معقول تھی اس لیے انھوں نے یہ اعلان کر دیا کہ اب ایسی تحریر کی ضرورت نہیں ہے۔ یعنی رسول اللہ کا یہ ارشاد کمال احتیاط اور شدت لطف و کرم کی بنا

پر تھا۔

لیکن ظاہر ہے کہ لن تضلوا کے ہوتے ہوئے یہ عذر انتہائی مہمل ہے۔ اس فقرہ کا ظاہر ہی یہ ہے کہ ہر ہر فرد کی ہدایت کی ضمانت ہے اور پھر قوموا عنی خود ہی تمام توجیہات کو باطل کرنے کے لیے موجود ہے۔ لہٰذا ہماری نظر میں بہترین عذر یہ ہے کہ اس ایک واقعہ میں اصحاب سے غلطی کا اعتراف کر لیا جائے اس لیے کہ انسان سے غلطی ہوتی ہی رہتی ہے۔ رہ گیا یہ سوال کہ اس غلطی کی وجہ صحت کیا ہے؟ اس کا علم صرف اللہ کو ہے ہمیں زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے"۔

شیخ ازہر کی ان توجیہات اور ان کے جوابات کی روشنی میں علامہ عبدالحسن شرف الدین طاب ثراہ نے اپنے جن خیالات کا اظہار فرمایا وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ موصوف رقم طراز ہیں کہ:

"کہا جاتا ہے کہ حضرت کا مقصود امتحان تھا۔ شیخ ازہر کے جواب کے علاوہ ہمیں یہ کہنا ہے کہ وقت آخر وصیت و تبلیغ کا وقت ہوتا ہے نہ کہ امتحان و مزاح کا۔ اگر حضرت کی پوری مدت حیات امتحان کے لیے کافی نہ ہوئی تو حالت مرض الموت کا زمانہ کس طرح کافی ہوگا؟ پھر اگر واقعاً امتحان ہوتا تو قوموا عنی سے خطاب نہ کیا جاتا۔ امتحان میں کامیاب ہونے پر قوموا عنی کی سند نہیں ملتی۔ ممتحن کو ہذیان گو نہیں کہا جاتا اور صحابیٔ رسولؐ اس حادثہ پر ماتم گریہ نہیں کرتا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت کا مقصود مشورہ تھا اور حضرت عمر اپنی نظر میں زیادہ صاحب الرائے تھے۔

سوال یہ ہے کہ کیا رسالت ان کی طرف منتقل ہوگئی تھی یا مرکز وحی

Presented by www.ziaraat.com

سے بھی غلطی کے امکانات پیدا ہو گئے تھے جن کی اصلاح کے لیے ان کے مشوروں کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتابت کی زحمت سے بچا لیا۔

سوال یہ ہے کہ اگر اس میں حضورؐ کی کوئی زحمت تھی تو ارادہ ہی کیوں فرمایا تھا؟ پھر آپ کے ارادہ کے مقابلہ میں حضرت عمر کے ارادہ کی قیمت ہی کیا ہے؟ جب کہ قرآن نے عمومی ممانعت کر دی ہے کہ رسولؐ کے مقابلہ میں اپنی بات زندہ کرنے کی کوشش نہ کرو اور ان کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کرو۔ پھر کیا ہذیان ولغو کے الفاظ سے بھی آپ کی زحمتوں میں تخفیف ہو سکتی تھی؟

کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر کی نظر میں قلم و دوات کا نہ دینا ہی اولیٰ تھا۔ اس لیے کہ ایک طرف یہ اندیشہ تھا کہ کوئی ناممکن حکم نہ تحریر کر دیں، دوسری طرف منافقین کے اعتراض کا بھی خیال تھا۔

سوال یہ ہے کہ کیا حضرت عمرؓ آنحضرتؐ کی نسبت زیادہ صاحب الرائے تھے؟ کیا رسول اسلامؐ ناممکن امر کا حکم دے سکتے تھے؟ کیا امت پر آپ کی مہربانیاں زائل ہو گئی تھیں؟ کیا لن تضلوا میں منافقین کے فتنوں سے بچنے کی ضمانت نہ تھی؟ اور اگر منافقین ہی سے خطرہ تھا تو حضورؐ نے ایسا سوال ہی کیوں اٹھایا تھا جس پر غیر منافق حضرات کو بھی ہذیان کہنا پڑا؟

کہا جاتا ہے کہ حسبنا کتاب اللہ کی ضرورت ان آیات کے پیش نظر پڑی جن میں کتاب کی جامعیت کا ذکر ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ تاویل غلط ہے اس لیے کہ کتاب میں ہدایت کا ذکر ہے، ضلالت سے حفاظت کی ضمانت نہیں ہے اور آج کی تحریر میں یہ ضمانت بھی تھی لہٰذا کتاب کے بعد بھی اس کی ضرورت تھی بلکہ اگر یہ تحریر سامنے آگئی ہوتی تو اصحاب کو ہذیان گو کہنے تک کی نوبت نہ آتی یعنی امت اس ضلالت سے بھی محفوظ ہو جاتی۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کلام سے یہ استفادہ نہیں کیا تھا کہ اس میں ہر ہر فرد کی ہدایت کی ضمانت ہے۔

سوال یہ ہے کہ حضرت عمر اس قدر کمزور دماغ کے آدمی تو نہ تھے کہ ان سمجھ میں وہ بات بھی نہ آسکے جو ایک بدو عرب بھی سمجھ سکتا تھا۔

پھر اگر سوءِ فہم ہی کی بات ہوتی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بتا دیتے کہ وہ مفہوم نہیں ہے جو تم لوگوں نے خیال کیا ہے، ایسے آدمی کو نکال دینا تو کسی طرح مناسب نہ تھا۔ ابن عباس کا گریہ بے وجہ تو نہ تھا۔

انصاف یہی ہے کہ بقول شما، یہ ایک واقعہ تھا جو ہو گیا یہ اور بات ہے کہ اسی ایک واقعہ نے اسلام کو تباہی کی منزلوں تک پہنچا دیا اور مسلمانوں میں ایک دائمی افتراق پیدا کر دیا یا بقول شیعہ، یہ صحابہ کرام کا ایک اجتہاد تھا جو نص رسول کے مقابلہ میں پیش کیا گیا اور اس میں ہمیں کوئی اعتراض بھی نہیں ہے۔ ایک مسئلہ ہے، ایک طرف اللہ کی رائے ہے اور ایک طرف حضرت عمر کی۔ امت کو اختیار ہے جس رائے کو چاہے پسند کرے اور جسے چاہے رد کر دے۔"[1]

---

۱ نص و اجتہاد ص ۹۵ تا ۹۹

Presented by www.ziaraat.com

چوتھا باب

ڈنڈے کے زور پر اعلانِ خلافت

سنہ ۱۳ھ میں مرض الموت نے جب ابو بکر کو اپنے شکنجہ میں جکڑا اور انھیں یہ یقین ہو گیا کہ اب بچنا محال ہے تو آپ کسی خیال کے تحت رفع حاجت کے بہانے سے پاخانے میں جلوہ افروز ہوئے اور کھڈیوں پر کھڑے ہو کر روشن دان سے باہر جھانکا، نہ جانے آپ کو کیا کرشمہ دکھائی دیا کہ لڑکھڑاتے ہوئے فوراً پلٹ آئے اور عجلت میں عثمان کو طلب کیا۔ جب وہ آگئے تو تنہائی میں وصیت نامہ لکھوانے لگے۔ ابھی "امابعد" کا فقرہ زبان سے نکلا ہی تھا کہ بیہوش ہو گئے۔ عثمان سمجھے کہ شاید روح جسم سے پرواز کر گئی۔ انھوں نے بھی موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنی مرضی سے وصیت نامہ میں یہ تحریر کر دیا کہ "میں نے تمام مسلمانوں پر عمر کو خلیفہ مقرر کیا۔"

ابو بکر کو ہوش آیا تو انھوں نے پوچھا کیا لکھا ہے؟ عثمان نے پڑھ کر سنایا تو آپ اپنی دلی آرزو کی اس تکمیل پر خوش ہو گئے اور فرمایا کہ شاید تمھیں یہ خوف پیدا ہوا کہ میں ختم ہو گیا۔ عثمان نے کہا یہی خوف اس وصیت نامہ کی تکمیل کا باعث بنا۔ (طبری ج ۴ ص ۵۲)

پھر ابو بکر نے وہ وصیت نامہ اپنے ایک غلام کو دے کر عمر کو اس کے ساتھ کیا تاکہ وہ اس کا اعلان مسلمانوں میں کرا دیں۔

یہ اعلان اس انداز سے ہوا کہ عمر کے ہاتھ میں ایک موٹا سا ڈنڈا تھا اور وہ اسے ہلا ہلا کر کہتے جاتے تھے کہ مسلمانو! جو کچھ یہ غلام کہتا ہے اسے سنو، اس پر عمل کرو اور خلیفۂ رسولؐ کا حکم مانو۔[1]

کسی نے پوچھا کہ اے ابو حفصہ! اس وصیت نامہ میں کیا لکھا ہے؟ جواب ملا کہ مجھے نہیں معلوم مگر میں اس حکم کا ماننے والا سب سے پہلا شخص ہوں۔ اس نے کہا کہ تمھیں معلوم ہو یا نہ ہو مگر خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ اس میں کیا لکھا ہے؟ عمر نے کہا کیا؟ اس نے کہا سنو! کل تم نے ابو بکر کو خلیفہ بنایا تھا، اسی احسان کے بدلے میں آج انھوں نے تمھیں خلیفہ بنا دیا ہے۔[2]

اس اعلان کے بعد ابو بکر کے اس غیر جمہوری، خود ساختہ اور ناروا اقدام کی خبر جب عام ہوئی تو اہل اسلام تڑپ اٹھے اور مسلمانوں میں کرب و اضطراب اور غم و غصہ کی وہ لہر پیدا ہوئی جس کی مثال خلفائے راشدین، خلفائے بنی امیہ یا خلفائے بنی عباس میں سے کسی خلیفہ کے بارے میں نہیں ملتی۔ لوگوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا، فریادیں کیں اور استغاثے بلند کیے۔

انصار و مہاجرین پر مشتمل ایک بڑی جماعت نے اپنی ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے ابو بکر سے کہا کہ تم نے عمر کو ہم پر خلیفہ کی حیثیت سے

[1] کامل ج ۲ ص ۱۶۲ [2] الامامت والسیاست ج ۱ ص ۳۳

Presented by www.ziaraat.com

مسلط کر کے اچھا نہیں کیا جب کہ تمھیں معلوم تھا کہ وہ ایک تند خو اور درشت مزاج انسان ہیں اور تم ان کی مکاریوں، عیاریوں اور فتنہ پردازیوں سے بھی واقف تھے اور تمھیں یہ بھی معلوم تھا کہ جب وہ تمھارے دور خلافت میں قابو سے باہر تھے تو تمھارے بعد خدا جانے کیا کر گزریں جس سے اسلام کا وجود خطرے میں پڑ جائے۔ تم دنیا سے جا رہے ہو روز قیامت آخر خدا اور رسولؐ کو کیا جواب دو گے۔[1]

طلحہ کا شمار عشرۂ مبشرہ میں کیا جاتا ہے، انھوں نے کہا کہ تم نے (اپنی مرضی سے) عمر کو لوگوں کا حاکم اور خلیفہ بنا دیا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ وہ سخت مزاج، اکھڑ اور غلیظ طبیعت کے آدمی ہیں، جب تمھارے عہد میں وہ مسلمانوں پر سختی اور مظالم سے باز نہ آئے تو تمھارے بعد نہ جانے کیا کریں۔ آخر یہ مظلمہ کس کی گردن پر جائے گا اور پھر جب خدا اس بارے میں تم سے سوال کرے گا تو کیا جواب دو گے؟[2]

اور جب زبیر نے بھی طلحہ کی طرح احتجاجی گفتگو کی تو ابوبکر بستر علالت سے اٹھ کر تکیہ کے سہارے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ تم مجھے خدا سے ڈراتے ہو، جاؤ میں اس سے کہہ دوں گا کہ میں نے عمر کو خلیفہ اور حاکم بنایا تھا۔[3]

ابوبکر کے اس غیر اسلامی اقدام اور مسلمانوں کے احتجاج سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ان کی نظر میں حصول اقتدار کے سامنے شرعی و اسلامی قوانین، احادیث نبوی اور نص قرآنی کی کوئی اہمیت نہیں تھی اور یہی سبب ہے کہ خلافت اولیٰ یا خلافت ثانیہ سے متعلق اجماع کا

۱۔ امامت وسیاست ص ۲۳ ۲۔ طبری ج ۴ ص ۵۴ ۳۔ تاریخ خمیس ج ۲ ص ۲۶۹

دعویٰ آج تک شرمندۂ دلیل نہ ہو سکا۔ پہلی خلافت صرف عمر کی بیعت سے مسلم ہوئی اور اس کے معاوضہ میں دوسری خلافت ابوبکر کی ذاتی خواہش کی بنا پر مسلمانوں پر مسلط ہو گئی۔

ابوبکر پر عمری غلبہ

حضرت ابوبکر منصب خلافت پر فائز ہونے کے باوجود، عمر کی مرضی کے بغیر اپنی مرضی سے امور خلافت کی آزادانہ و غیر جانبدارانہ انجام دہی میں مجبور، بے بس اور قاصر تھے۔ آپ کسی معاملے میں نہ تو عمر کی مخالفت کر سکتے تھے اور نہ ہی ان کے حکم کی نافرمانی[1]۔ مثال کے طور پر چند واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) اقرع اور زبرقان نامی دو اشخاص ابوبکر کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئے کہ ان کے لیے بحرین کا خراج معین کر دیا جائے" انھوں نے یہ ذمہ داری بھی قبول کی کہ ان کی قوم کا کوئی بھی شخص اس سے منحرف نہ ہو گا۔ چنانچہ ابوبکر نے ان کی خواہش پر خراج کا فرمان جاری کر دیا۔ حضرت عمر چونکہ فرمان کے اجرا سے متفق نہیں تھے اس لیے انھوں نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پیروں سے مسل دیا۔ عمر کی یہ حرکت طلحہ کو ناگوار گزری اور وہ غصہ کی حالت میں ابوبکر کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟ ابوبکر نے جواب دیا کہ صرف اطاعت میری ہے ورنہ خلیفہ تو عمر ہی ہیں[2]۔

۱۔ تاریخ خمیس ج ۲ ص ۲۴۷ ۲۔ طبری ج ۳ ص ۲۴۰

Presented by www.ziaraat.com

(۲) شہزادیٔ کونین جناب فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا اور حضرت علی علیہ السلام کے استدلال سے لاجواب ہوکر ابوبکر نے فدک کی واگزاری کا پروانہ تحریر کر دیا تھا جسے عمر نے معصومہؑ کے ہاتھ سے چھین کر پاش پاش کر دیا اور ابوبکر دیکھتے رہے۔[1]

(۳) ابوبکر نے شام کی طرف ایک لشکر بھیجنے کا قصد کیا اور اس کے ۴/۱ حصہ کا سردار خالد بن سعید کو بنایا لیکن چونکہ عمر کی مرضی نہیں تھی اس لیے ابوبکر کی ایک نہ چلی اور خالد کو اسی وقت معزول کرنا پڑا۔[2]

(۴) عروہ سے مروی ہے کہ میں ایک مرتبہ معاویہ سے ملنے گیا تو اس نے پوچھا کہ مسلول نامی آراضی کس کے پاس ہے؟ میں نے کہا آپ کا مقصد کیا ہے؟ معاویہ نے کہا کہ اس زمین کو ابوبکر اپنے داماد زبیر کو دینے کے لیے ایک دن مجھ سے دستاویز لکھوا رہے تھے کہ اتنے میں عمر آ دھمکے۔ عمر کو دیکھتے ہی ابوبکر نے اس تحریر کو میرے ہاتھ سے لے کر اپنے فرش کے نیچے دبا لیا اور جب عمر چلے گئے تو وہ تحریر نکالی اور میں نے اسے تمام کیا۔[3]

مذکورہ واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ خلافت اولیٰ ابوبکر و عمر کے درمیان مشترکہ تھی اور حضرت عمر ابوبکر پر چڑھے رہتے تھے۔

عہد عمری کے اہم واقعات

ابوبکر کے انتقال کے بعد ۲۳/ جمادی الاُخریٰ ۱۳ھ کو حکومت کی

[1] سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۳۹۱ [2] طبری ج ۴ ص ۲۸ [3] کنز العمال ج ۲ ص ۱۸۹

باگ ڈور جب حضرت عمر کے ہاتھوں میں آئی تو سب سے پہلا کام انھوں نے یہ کام کیا کہ خالد بن ولید کو فوج کی افسری کے عہدہ سے معزول کر کے ان کی جگہ ابو عبیدہ کو سردار مقرر کیا۔ اور اسی سال ابو عبیدہ نے خالد بن ولید اور عمرو عاص کے ساتھ دمشق کا محاصرہ کر کے اسے فتح کیا۔ اسی سال عراق فتح ہوا اور اسی سال عمر نے اپنے کو لوگوں سے امیر المومنین کہلوایا۔

۱۴ھ میں بصرہ کی آبادکاری کا حکم ہوا اور اس کی حد بندی عمل میں آئی۔ اسی سال ابوبکر کے والد قحافہ، ۹۷ برس کی عمر میں اپنے شرک کے ہمراہ دنیا سے رخصت ہوئے۔

۱۵ھ میں حمص فتح ہوا اور رومیوں سے اہل دمشق کی شرائط صلح کے مطابق مصالحت ہوئی۔ اسی سال حماۃ[1] فتح ہوا اور وہاں کے رومیوں سے اس شرط پر صلح ہوئی کہ ہر زمین کا خراج اور ہر شخص کا جزیہ لازمی ہوگا۔ اسی سال حماۃ کے بڑے گرجا کو مسجد میں تبدیل کر دیا گیا جو بڑے بازار کی جامع مسجد کہلائی۔ یہ کارنامہ انجام دینے کے بعد ابو عبیدہ شیراز گئے وہاں کے باشندوں نے بھی صلح کر لی۔ پھر معرہ[2] گئے، معرہ والوں نے

[1] قاضی جمال الدین بن واصل نے اپنی تاریخ میں تحریر کیا ہے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے عہد میں حماۃ ایک عظیم شہر تھا جو یہودیوں کے قبضہ میں تھا اور جس کی حیثیت زمانۂ فتوحات میں محض ایک قصبہ کی رہ گئی تھی۔

[2] معرہ کا پہلا نام معرۃ الحمص تھا، پھر معرہ نعمان بن بشر انصاری کہا جانے لگا کیوں کہ معاویہ کے زمانہ میں یہ حمص کے ساتھ اس شخص کے حوالے کر دیا گیا تھا۔

Presented by www.ziaraat.com

بھی دیگر شہروں کے لوگوں کی شرائط پر صلح کی۔ اسی سال ظلم وتشدد اور قتل و غارت گری کے بعد لاذقیہ فتح ہوا۔ اسی سال خالد بن ولید اور ابو عبیدہ نے قنسرین جو حلب کا پایۂ تخت تھا، کو فتح کیا۔ وہاں رومیوں سے سخت جنگ ہوئی اور مسلمانوں نے اس شہر کو تباہ و برباد اور تاراج و مسمار کر دیا۔ اس کے بعد انطاکیہ، سرمین اور تسترین وغیرہ فتح کر لیے گئے اور اسی جانب سے شام پر پورا تسلط ہو گیا۔ یہاں سے خالد مرعش کی طرف بڑھے اور اسے فتح کر کے وہاں کے باشندوں کو جلاوطن کر دیا اور اس شہر کا نام و نشان مٹا دیا۔ پھر مختلف شہروں کی فتحیابی کے بعد بیت المقدس فتح ہوا اور دفتروں کی داغ بیل پڑی۔ مسلمانوں کے سیاسی وظائف مقرر ہوئے۔ اسی سال سعد بن ابی وقاص کی سربراہی میں جنگ قادسیہ ہوئی اور رستم جو عجمیوں کا سپہ سالار تھا، مارا گیا۔

۱۶ھ میں سعد اپنی فوج کے ساتھ دجلہ کو عبور کر کے مدائن میں داخل ہوا، تلواروں سے خون کی بارش ہوئی اور لاکھوں بے گناہ انسان موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ قصر کسریٰ تاراج ہو گیا اور وہاں سے بے شمار دولت اور مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اسی سال موصل فتح ہوا اور اسی سال جبلہ بن ایہم کا واقعہ پیش آیا جو اپنے پانچ سو ساتھیوں کے ساتھ مسلمان ہو کر عمری تشدد کے باعث مرتد ہو گیا تھا۔

۱۷ھ میں کوفہ آباد ہوا اور مسجد الحرام کی توسیع عمل میں آئی۔ مسجد کے آس پاس مسلمانوں کے جو مکانات تھے، مسمار کر دیے گئے۔ اسی سال معاویہ کے معتمد خاص اور رسولؐ کے ایک بدکردار صحابی مغیرہ بن شعبہ کی زناکاری کا واقعہ پیش آیا، جسے ہم اپنی کتاب "تفسیر کربلا" میں بصراحت

تحریر کر چکے ہیں۔ اسی سال اہواز فتح ہوا جس پر "ہرمزان" قابض تھے۔

۱۸ھ میں حجاز اور مدینہ قحط کا شکار ہوئے۔ عمر نے قحط زدہ افراد کے لیے مختلف شہروں کے حاکموں سے مدد کی اپیل کی۔ ابو عبیدہ شام سے چار ہزار اونٹوں پر غلہ لائے۔ قحط سے نجات حاصل کرنے کے لیے پیغمبر اسلام کے چچا جناب عباس نے نماز استسقاء پڑھ کر دعا کی اور بارش ہوئی۔ اسی سال شام میں طاعون کی وبا پھیلی جس کی شدت نے پچیس ہزار مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ابو عبیدہ اور معاذ بن جبل بھی دنیا سے چل بسے اور عمرو عاص عمر کی طرف سے شام کا گورنر مقرر ہوا۔

۱۹ و ۲۰ھ میں عمرو بن عاص اور زبیر بن عوام نے مصر اور اسکندریہ کو فتح کیا، مصر کی حد بندی کی گئی۔ اسی سال آنحضرتؐ کے موذن بلال نے انتقال کیا۔

۲۱ھ میں نہاوند کی مشہور جنگ ہوئی جس میں ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ اسی سال ہمدان و اصفہان فتح ہوئے اور اسی سال خالد بن ولید نے دنیا سے کوچ کیا۔

۲۲ھ میں آذربائیجان، رے اور جرجان وغیرہ فتح ہوئے۔ اسی سال عمرو عاص نے طرابلس اور احنف بن قیس نے خراسان کو فتح کیا۔

۲۳ھ میں مغیرہ بن شعبہ کے غلام ابو لولو کا خنجر عمر کے ناف کے نیچے اتر گیا اور آپ دس سال چھ ماہ آٹھ دن مسلمانوں پر مسلط رہ کر یکم محرم ۲۴ھ کو اپنے سیاہ اعمال کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو گئے۔[1]

---

[1] مذکورہ واقعات تاریخ ابو الفداء سے ماخوذ ہیں

Presented by www.ziaraat.com

فتوحاتِ عمری پر ایک تنقیدی نظر

اس میں شک نہیں کہ عمر کے عہدِ خلافت میں اسلامی فتوحات کے نام پر ملک گیری اور مالِ غنیمت کی ہوس نے مسلمانوں کو خالد بن ولید، ابو عبیدہ، سعد ابن ابی وقاص، عمرو عاص، زبیر بن عوام اور احنف بن قیس ایسے فوجی جرنیلوں، کمانڈروں اور حاکموں کی قیادت میں بڑی بڑی کامیابیوں سے ہمکنار کیا اور انھوں نے جبر و استبداد، ظلم و تشدد، لوٹ مار، آتش زنی، خونریزی اور قتل و غارت گری کو اپنا شعار بنا کر غیر ممالک پر حملہ کیا، وہاں کے باشندوں کو قتل کیا، ان کے گھروں کو تباہ و برباد کیا، انھیں اپنا غلام بنایا اور ان کی جائدادوں پر قابض ہو کر عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے لگے۔

عظیم فاتحینِ عالم کی فہرست میں حضرت عمر کا نام بڑے کر و فر سے لیا جاتا ہے اور فخریہ انداز میں یہ کہا جاتا ہے کہ آپ کے دور میں مفتوحہ و مقبوضہ ممالک کے حدودِ اربعہ کا رقبہ تقریباً دو لاکھ پچیس ہزار ایک سو تین مربع میل پر محیط تھا اور آپ کی بساطِ حکومت مکہ معظمہ سے شمال کی طرف ۱۰۳۶ میل، جنوب کی طرف ۴۸۳ میل، مشرق کی طرف ۱۰۸۷ میل اور مغرب کی طرف شام، مصر، عراق، آرمینیہ، آذربائجان، فارس، روم، خراسان، کرمان اور بلوچستان کے کچھ حصوں تک پھیلی ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود اس مفتوحہ وسعت پر نہ تو کوئی عقلی دلیل قائم ہو سکتی ہے اور نہ ہی اسے اسلامی و شرعی زاویۂ نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ جب کوئی حق پسند اور نکتہ سنج

واقعہ نگار ان فتوحات پر غور کرے گا تو یہ سوال اس کے ذہن میں ضرور ابھرے گا کہ ابو بکر کے بعد پہلی صدی کے ابتدائی دور میں حضرت عمر اپنے وقت کے ہلاکو، نادر شاہ اور محمود غزنوی تھے یا خلیفۂ رسولؐ؟ اگر موصوف اول الذکر حیثیت کے حامل تھے تو سوال یہ ہے کہ آپ کے پاس وہ کون سا جادو تھا جس نے چند صحرا نشینوں کو ابھار کر طوفان کی طرح فارس و روم کا دفتر الٹنے پر مجبور کر دیا؟ آخر اس کے علل و اسباب کیا تھے جب کہ دورِ رسالت کے تمام اسلامی غزوات سے آپ کی کنارہ کشی اور فرار ثابت ہے۔

اور اگر آپ کو خلیفۂ رسولؐ مان لیا جائے تو بھی سوال یہ ہے کہ آپ کی یہ فتوحات کن اصولوں کے تحت جائز قرار پائیں گی؟ کیا فتنہ و فساد، قتل و غارت گری اور تباہی و بربادی کے المناک واقعات کسی دینی رہبر، روحانی پیشوا اور مذہبی رہنما کے شایانِ شان ہو سکتے ہیں؟ کیا رسول اکرمؐ نے ان ظالمانہ اقدامات کی حمایت و ہمنوائی کی ہے؟ یا کسی ملک پر فوج کشی کر کے اسے تباہ و برباد کیا اور وہاں کے عوام کو بے سبب قتل کیا؟ کیا رسول اکرمؐ کے علاوہ کسی اور پیغمبر، نبی اور ہادی نے تبلیغ و ہدایت کی منزلوں میں ملک گیری کے نام پر بے گناہوں کے خون سے اپنے دامن کو داغدار بنایا ہے؟ کیا اللہ کی طرف سے انبیاء و مرسلین اس لیے بھیجے گئے تھے کہ وہ زمین پر فتنہ و فساد برپا کریں اور خون کی ندیاں بہائیں؟ کیا انبیاء و مرسلین کا طرزِ عمل اور طریقۂ کار یہ تھا کہ جس ملک کے لوگ خدا کو نہ مانیں، اس کی وحدانیت کا اقرار نہ کریں اور اس کے دین کو قبول نہ کریں تو وہ اس پر حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دیں اور وہاں کے عوام کو موت

Presented by www.ziaraat.com

کے گھاٹ اتار دیں۔ ان کی عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کر دیں۔

اگر ان تمام باتوں کا جواب نفی میں ہے تو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ عمری عہد کی فتوحات غیر اسلامی اور غیر شرعی تھیں ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

پھر حضرت عمر کی ان فتوحات کو موصوف کا ذاتی کارنامہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ آپ فرمانروا ضرور تھے لیکن آپ کی بزدلی و نامردی کا یہ عالم تھا کہ کسی معرکے میں نہ شریک ہوئے نہ تلوار اٹھائی۔ آپ نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے اکثر و بیشتر جنگی مشورے ضرور کیے مگر چونکہ حضرت علیؑ آپ کی شجاعت سے واقف تھے اس لیے آپ نے ہمیشہ جنگ کے میدان میں انھیں جانے سے روکا تاکہ رسولؐ کے بعد اسلام کے ماتھے پر شکست کا ٹیکہ نہ لگنے پائے۔

عمری عہد کے جنگی کارنامے دورِ رسالت کے ان نبرد آزما اور آزمودہ کار جرنیلوں کے تھے جنھیں تقدیر کے چکر نے عمر کے دورِ حکومت سے متصل کر دیا تھا اور جنھوں نے ان فتوحات کا سہرا حضرت عمر کے سر باندھ کر حکومت کی نمک خواری کا حق ادا کر دیا۔

تاریخ کے ایوان میں متعصب مورخین کی یہ آواز بھی سنائی دیتی ہے کہ حضرت ابوبکر اور عمر نے بڑے بڑے ممالک فتح کر کے اسلام کو وسعت دی، اسے بامِ ترقی تک پہنچایا مگر حضرت علیؑ نے نہ تو کوئی ملک فتح کیا، نہ اسلامی ممالک میں کسی اہم جزو کا اضافہ کیا اور نہ ہی مسلمانوں کے عیش و عشرت کا کوئی سامان مہیا کیا۔

اس کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت

ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ یا حضرت عیسیٰؑ اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سب کچھ کرتے تو حضرت علیؑ بھی یقیناً اس کی پیروی کرتے۔ مگر چونکہ ان ہادیوں اور رہبروں نے ایسا نہیں کیا اس لیے حضرت علیؑ نے بھی خاموشی اختیار کی کیونکہ آپ کا شمار بھی انھیں ہادیوں کی صف میں ہے جیسا کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا:

"جو شخص آدمؑ کو ان کے علم میں، نوحؑ کو ان کے فہم میں، ابراہیمؑ کو ان کے حلم میں، یحیٰؑ کو ان کے زہد میں اور موسیٰؑ کو ان کی ہیبت میں دیکھنا چاہے اسے لازم ہے کہ علیؑ کو دیکھے۔[۱]"

اس حدیث مذکورہ کے ذیل میں علامہ فخر الدین رازی کا کہنا ہے کہ:

"یہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ ان صفات (علم، فہم، زہد اور ہیبت) میں حضرت علی علیہ السلام مذکورہ انبیاء کے برابر تھے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تمام انبیاء صحابہ سے افضل تھے اور یہ کلیہ ہے کہ جو شخص افضل کے برابر ہوگا وہ بھی افضل ہوگا۔[۲]"

آنحضرتؐ نے بھی حضرت علی علیہ السلام کو اپنی ذات کے مثل قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ:

"ہر نبی کی کوئی مثال اس کی امت میں ضرور ہوتی ہے اور میری امت میں میری مثال علیؑ ہیں۔[۳]"

واضح ہو گیا کہ حضرت علی علیہ السلام کا درجہ و مرتبہ چونکہ انبیاء و مرسلین

---

[۱] ریاض النضرہ جلد دوم ص ۲۱۸ [۲] ارجح المطالب ص ۴۵۵
[۳] ارجح المطالب ص ۴۵۴

Presented by www.ziaraat.com

کے مساوی تھا اس لیے آپ کے لیے یہ مناسب نہیں تھا کہ وہ احکام الٰہیہ کے خلاف کوئی قدم اٹھاتے۔ اس کے برعکس ابوبکر و عمر نے ملک گیری کی ہوس میں جو اقدام کیے یا ان کے عہد میں مسلمانوں سے جو اقدامات ہوئے وہ انھیں سکندر، بخت نصر، چنگیز خاں، نپولین، محمود غزنوی بابر اور اکبر وغیرہ کی صف میں شامل کرنے کے لیے کافی ہے۔

عمری دور میں چند صحرا نشینوں نے فارس و روم کا دفتر کیونکر الٹ دیا؟ اور یہ فتوحات انھیں کیونکر نصیب ہوئیں؟ اس کا سبب یہ ہے کہ اس وقت کے بدو اور جاہل عربوں کو جہاد کا غلط مفہوم بتایا گیا اور یہ بات ذہن نشین کرائی گئی کہ خلیفۂ وقت جس مذہب کو فنا کر دینے کا حکم صادر کرے اور جس قوم کو تباہ و برباد کر دینے کا اشارہ کرے وہی در اصل جہاد ہے جس کو خدا اور رسولؐ نے ہر مسلمان پر واجب کیا ہے، اور جو شخص اس پر عمل کرے گا وہ بہشت کا حقدار ہوگا ورنہ جہنم کا مستحق قرار پائے گا۔ انھیں یہ بھی باور کرایا گیا کہ اگر کوئی کافر شخص اسلام قبول کرنے سے انحراف کرے تو تلوار کے زور سے اس پر قابو حاصل کرو اور اس پر بھی کامیابی نہ ہو تو اسے قتل کر دو، اس کا مال و اسباب لوٹ لو۔

جاہل اور سادہ لوح عربوں کو مالِ غنیمت کے دام میں بھی گرفتار کیا گیا اور ان کے ذہنوں پر یہ عقیدہ مسلط کر دیا گیا کہ جنگ و جدال اور فتح و کامرانی کے بعد لوٹ مار بھی ضروری ہے۔ یہ ایسا دامِ فریب تھا جس نے تمام مفلوک الحال اور عسرت زدہ عربوں کو جکڑ لیا اور وہ عیش و عشرت کی زندگی کا خواب دیکھنے لگے۔ اس کی دلیل ایران

پر حملہ کے دوران رستم اور مغیرہ کے مابین ہونے والی وہ گفتگو ہے جسے تاریخ نے ضبط کر لیا ہے۔ چنانچہ رستم نے مغیرہ سے جب پوچھا کہ تم لوگ ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو؟ تو مغیرہ نے جواب دیا کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ ہمیں بڑی بڑی نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے اور ان نعمتوں میں سے ایک نعمت تمھارے ملک میں پیدا ہونے والا وہ غلہ بھی ہے جس کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ رستم نے کہا کہ اس خواہش میں تم قتل ہو جاؤ گے۔ اس پر مغیرہ بولا کہ ہمیں کوئی فکر نہیں ہے کیونکہ ہم قتل ہو کر بہشت میں جائیں گے اور وہاں کی لذتوں سے لطف اندوز اور اگر بچ گئے تو تم ہمیں جزیہ دو گے۔[1]

مغیرہ کی گفتگو سے صاف ظاہر ہے کہ ان فتوحات کی غرض صرف یہ تھی کہ عمدہ غذائیں حاصل کی جائیں، اچھے لباس پہنے جائیں اور دنیا کی تمام لذتوں کے ساتھ عیش و آرام کی زندگی بسر کی جائے۔

مغیرہ کے ان خیالات میں اتنی پختگی تھی کہ اس نے ایرانی بادشاہ یزدجرد کو بھی وہی جواب دیا جو اس کے سپہ سالار رستم کو دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے خدا کے بارے میں یہ بھی کہا کہ:

> "ہمارے خدا نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ ہم لوگوں کو حکم دیا ہے کہ جو لوگ مذہبِ اسلام قبول نہ کریں ان سے جزیہ لو اور اگر وہ جزیہ دینے سے انکار کریں تو ان سے قتال کرو۔"[2]

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کے مفہوم و مقصد سے بے نیاز و بیگانہ

---

[1] طبری ج ۴ ص ۹۳ مطبوعہ مصر [2] طبری ج ۴ ص ۹۵

مغیرہ کی یہ گفتگو خدا پر افترا و بہتان کے مترادف نہیں تو پھر کیا ہے؟

اس جنگی مہم کے دوران عرب کے مشہور خطیبوں نے میدانِ کارزار میں جو خطبے دیے ان سے بھی صاف ظاہر ہے کہ وہ مسلمانوں کو یہ لالچ دیتے تھے کہ اگر تم فتحیاب و کامیاب ہوئے تو تمھارے لیے مالِ غنیمت کی انتہا نہیں ہے اور اگر قتل ہو گئے تو جنت کی لذتیں تمھاری منتظر ہیں۔ جیساکہ قیس نے اپنی تقریر کے دوران یہ کہا کہ:

"لوگو! گھمسان کی جنگ کرو کیونکہ تمھارے سامنے مالِ غنیمت ہے اور بہشت پر جنت[1]۔"

یا پھر ربیع بن بلاد نے کہا:

"اے عرب والو! اپنے مذہب اور مالِ دنیا کے لیے جی کھول کر لڑو[2]۔"

شعرا بھی اپنی نظموں میں انھیں خیالات کو پرو کر مسلمانوں کے جذبات کو برانگیختہ کرتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے قسمیں کھالیں اور مرنے مارنے پر تل گئے۔

یہی وہ کامیابی تھی جو فتوحات میں ڈھلتی گئی اور فتوحات کا سیلاب تمام اسلامی اصولوں کو کچلتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔

فارس و روم کی شکست اور تباہی و بربادی کے علل و اسباب یہ تھے کہ عمری عہد میں ان ملکوں کا ستارۂ اقبال غروب ہو چکا تھا۔ فارس میں خسرو پرویز کے بعد نظام حکومت درہم برہم ہو چکا تھا

۱؎ طبری ج ۴ ص ۱۹۵ ۲؎ طبری ج ۴ ص ۱۱۶

اور کوئی دوسرا فرمانروا ایسا نہیں تھا جو اس دم توڑتی ہوئی حکومت کے پیکر میں توانائیاں بھر سکے۔ دربار کے عمائدین و اراکین سازشوں میں منہمک تھے اور ان سازشوں کی بدولت تخت نشینوں میں متواتر تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ چنانچہ تین ہی چار سال کے اندر چھ یا سات فرمانرواؤں کے ہاتھوں میں زمام حکومت آئی اور نکل گئی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ نوشیرواں سے کچھ پہلے مزدکیہ فرقہ کافی طاقتور تھا جو کفر و الحاد کی طرف مائل تھا حالانکہ نوشیرواں نے تلوار کے زور سے انھیں پسپا بھی کیا لیکن ان کی قوت میں کمی نہیں آئی۔ مسلمانوں نے جب فارس کی زمین پر قدم رکھا تو یہ فرقہ بھی انھیں اپنا پشت پناہ سمجھ کر ان کے ساتھ ہو لیا۔ عیسائیوں میں نسٹورین فرقہ جسے کسی حکومت میں پناہ نہیں ملتی تھی، وہ بھی مسلمانوں کے سائے میں آکر مخالفین کے مظالم سے محفوظ ہو گیا۔ اس طرح مسلمانوں کو دو بڑے فرقوں کی کمک، اور ہمدردی مفت میں حاصل ہو گئی۔ روم کی حکومت کے ساتھ عیسائیوں کے باہمی اختلافات دشمنی کی حد تک پہنچ گئے تھے اس لیے مسلمان اپنے مقصد میں کامیاب رہے اور فتوحات کے دروازے ان پر کھل گئے۔

فتوحات سے رسول اکرمؐ کی پریشانی

سیرت، احادیث، اور تفاسیر کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بعد مسلمانوں کی اس عیش طلبی، دنیا پرستی اور ملک گیری کے تصور سے خوفزدہ اور پریشان تھے۔ چونکہ

Presented by www.ziaraat.com

آپ ان فتوحات کے انجام اور پیچ و خم سے بخوبی واقف اور باخبر تھے اس لیے آپ نے بار بار اپنے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگ میرے بعد میری تعلیمات کو فراموش نہ کر دینا، اسلام کے مقصد کو پامال نہ کرنا اور ملک گیری کی ہوس میں شریعت کی روح کو مجروح نہ کرنا۔

کبھی آپؐ نے فرمایا کہ:

"مجھے اس بات کا خوف نہیں کہ میرے بعد تم مشرک ہو جاؤ گے، بلکہ مجھے خوف اس بات کا ہے کہ تم لوگ دنیا پرستی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔"[1]

کبھی منبر سے یہ آگاہی دی کہ:

"تمہارے مستقبل کے بارے میں مجھے یہ خوف ہے کہ دنیا کی چمک دمک تم پر اپنے دروازے کھول دے گی۔"[2]

کبھی مطلع کیا کہ:

"مجھے یہ ڈر ہے کہ میرے بعد تم لوگوں پر زمین کی برکتیں اور آرائش و زیبائش کی راہیں کشادہ ہو جائیں گی۔"[3]

کبھی ارشاد ہوا کہ:

"مجھے اس کا ڈر نہیں کہ تم فقر میں مبتلا ہو گے بلکہ مجھے یہ ڈر ہے کہ تم پر دنیا اس طرح کشادہ ہو جائے گی جیسے کہ تمہارے قبل والوں پر تھی اور تم لوگ اس دنیا کی پرستش اس طرح کرو گے جیسے تمہارے قبل والے کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا تمہیں بھی اسی

۱۔ بخاری پ۵ ص ۶۹۳ ۲۔ بخاری پ۷ ص ۱۴۱ ۳۔ بخاری پ۱۱ ص ۶۶

طرح ہلاک (گمراہ) کر دے گی جس طرح تمہارے قبل کے لوگوں کو ہلاک کر چکی ہے۔"[1]

کبھی زبان رسالت سے یہ جملے بھی ادا ہوئے:

"یقیناً تم لوگ وہ طریقہ اختیار کرو گے جو تم سے قبل والوں کا تھا اور تمہارا قدم انھیں کے نقش قدم پر ہوگا، یہاں تک کہ اگر وہ سوسمار کے سوراخوں میں (پوشیدہ) ہوں گے تو تم بھی وہاں داخل ہو جاؤ گے، یعنی گمراہ ہو جاؤ گے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہم لوگ یہود و نصاریٰ کی پیروی کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں!"[2]

مولوی وحید الزماں خاں صاحب اس حدیث کی صراحت میں فرماتے ہیں کہ:

"مجمع البحار میں ہے کہ یہودیوں نے اپنے پیغمبروں کو قتل کیا تھا، اس کی پیروی مسلمانوں نے اس طرح کی کہ رسول اللہؐ کے نواسوں حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو قتل کر دیا۔ اسی طرح عبد اللہ بن حسن نفس زکیہ اور زید بن علی اور یحییٰ و ابراہیم فرزندانِ زید اور امام موسیٰ کاظمؑ اور امام علی رضاؑ کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ غرض ان مسلمانوں نے ہر لحاظ سے یہودیوں کی پیروی کی اور مخبرِ صادقؐ نے جو فرمایا تھا وہ پورا ہوا۔"[3]

کبھی آنحضرتؐ نے اپنے کسی معتبر صحابی سے فرمایا کہ:

"اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ کسریٰ کے مفتوحہ خزانے

۱۔ بخاری پ۱۲ ص ۱۷۱ ۲۔ بخاری پ۱۳ ص ۲۸۳ ۳۔ انوار اللغۃ پ۱۲ ص ۱۴۴

Presented by www.ziaraat.com

مسلمانوں کے تصرف میں ہوں گے اور ان کے پاس اتنی دولت ہوگی کہ لوگ اپنی مٹھیوں میں سونا اور چاندی لے کر نکلیں گے اور وہ چاہیں گے کہ کوئی ان سے اس سونا اور چاندی کو لے لے مگر مسلمان اس کی طرف توجہ نہیں کریں گے، پھر وہ اپنے پروردگار سے اس طرح ملیں گے کہ ان کے اور خدا کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا اور جب ان سے دولت اور مال دنیا کے بارے میں سوال ہوگا تو وہ گھبرا کر اپنی داہنی طرف دیکھیں گے تو صرف انھیں جہنم دکھائی دے گا اسی طرح جب بائیں طرف نظر کریں گے تو ادھر بھی دوزخ کی آگ کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔"[1]

ظاہر ہے کہ کسریٰ کے خزانے مسلمانوں کے عظیم ہیرو عمر بن خطاب کے عہد میں فتح ہوئے اور اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہے کہ خزانوں کے فاتح کا انجام کیا ہوگا۔

علامہ شبلی کا کہنا ہے کہ کسریٰ کے خزانوں میں (سونا، چاندی اور ہیرے جواہرات کے علاوہ) کیانی سلسلہ سے نوشیرواں کے عہد تک کے بے شمار نوادرات تھے۔ خاقان چین، راجہ داہر، قیصر روم، نعمان بن منذر، سیاوش اور بہرام چوبیں کی زرہیں اور تلواریں تھیں۔ کسریٰ، ہرمز اور قباد کے خنجر تھے، نوشیرواں کا تاج زرنگار اور ملبوسات شاہی تھے۔[2]

سرورِ کائنات نے اپنے صحابہ کو اس اندیشہ سے بھی متنبہ کیا کہ "دیکھو! میرے بعد تم لوگ کافر نہ ہو جانا کہ لوگوں کی گردنیں اڑانے لگو۔"[3]

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ بے وجہ دوسروں کی گردنیں اڑانے

---

[1] بخاری پ۱۲ ص ۴۰۳ [2] الفاروق ج ۱ ص ۱۲۰ [3] بخاری پ۱۵ ص ۸۷

والا شخص، پیغمبرؐ کی نظر میں، کافر کا درجہ رکھتا تھا۔

یہ تمام حدیثیں اس بات کی بیّن دلیل ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ بے جا مفتوحات، حملہ آوری، ملک گیری، دنیا پرستی اور سرمایہ داری کو انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور مسلمانوں کو ان سے دور رہنے کی ہدایت بھی فرماتے رہتے تھے لیکن افسوس کہ آپ کے انتقال کے بعد خلافتِ اولیٰ اور خلافتِ ثانیہ میں وہی ہوا جو نہ ہونا چاہیے تھا۔

اسلامی اور غیر اسلامی فتوحات

اسلامی تاریخ کا یہ پہلو انتہائی اجاگر ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کو جب اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور مسلمانوں کی اعانت و کفالت کے لیے سرمایے کی ضرورت درپیش ہوئی تو آپؐ نے نہ تو کافروں کے یہاں ڈاکہ ڈالا، نہ ان کا مال و اسباب لوٹا، نہ ان پر مظالم کیے، نہ انھیں شہر بدر کیا، نہ ان کی جائدادیں ہڑپ کیں نہ ان کے گھروں کو تباہ و برباد کیا نہ ان کے ملکوں پر حملہ آور ہو کر انھیں تلوار یا طاقت کے بل پر اپنی غلامی کے لیے مجبور کیا بلکہ اس کے برعکس ان کے ذہنوں میں وحدانیت کا تصور راسخ کرنے اللہ کے دین (اسلام) کو ان تک پہنچانے اور امن و اتحاد نیز انسانیت کا درس دینے میں حسن اخلاق کے ساتھ ہمہ تن مصروف رہے۔

آپ کا بنیادی نظریہ اور مشن صرف یہ تھا کہ رنگ و نسل کی تفریق کو ختم کیا جائے، انسان کو انسانی حقوق سے آگاہ کیا جائے، لوگ زیورِ اخلاق آراستہ اور صفاتِ حسنہ سے متصف ہوں، توحید پر ایمان لائیں، خدا کی وحدانیت کا کلمہ پڑھیں، اس کی بزرگی اور برتری کو تسلیم کریں اور اس کی

Presented by www.ziaraat.com

بارگاہ میں سرِ نیاز خم کرکے اس کی معرفت حاصل کریں۔ چنانچہ اسی نظریے اور مشن کے تحت آپ نے تبلیغِ اسلام کے ابتدائی دور میں کفارِ مکہ کو اسلام کی دعوت بھی دی اور انھیں خدا کی وحدانیت، عبادت اور اطاعت کی طرف متوجہ بھی کیا۔

یہ تاریخی حقیقت دنیا کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے کہ آنحضرتؐ نے جب بت پرستی کرنے کی اعلانیہ مخالفت اور مذمت شروع کی تو آپ کا یہ طرزِ عمل کفارِ مکہ کی کافرانہ نطرت پر سخت ناگوار گزرا، چنانچہ قریش کی چند سربرآوردہ شخصیتیں محسنِ اسلام حضرت ابو طالبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان سے ترش لہجہ میں اس امر کی شکایت کی کہ تمھارا بھتیجا (محمدؐ) ہمارے خداؤں کی توہین کرتا ہے، اسے سمجھا لو ورنہ ہم اسے برداشت نہ کریں گے۔ اس موقع پر جناب ابو طالبؑ نے انھیں نرمی سے سمجھا بجھا کر رخصت کر دیا۔ لیکن چونکہ بنائے مخاصمت برقرار تھی اور آنحضرتؐ اپنے فرضِ منصبی سے دست کش نہ ہونے پر مجبور تھے اس لیے اہلِ مکہ کو دوبارہ پھر حضرت ابو طالبؑ کے پاس آنا پڑا۔

اس وفد میں قریش کے تمام رؤسا مثلاً عتبہ بن ربیعہ، شیبہ اور ابو سفیان وغیرہ شامل تھے۔ انھوں نے پھر کہا کہ تمھارا بھتیجا اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا اور تم اس کے خلاف کوئی قدم اٹھا نہیں سکتے لہٰذا تم درمیان سے ہٹ جاؤ اور اگر یہ بھی ممکن نہیں تو میدان میں اُتر آؤ تاکہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ تلوار کے ذریعہ ہو جائے۔

حضرت ابو طالبؑ کے لیے یہ مرحلہ یقیناً سخت تھا۔ ایک طرف نبوت کے تحفظ کا احساس اور دوسری طرف کفارِ مکہ کی دھمکیاں

اور بدلے ہوئے تیور۔ آپ کی دور رس نگاہوں نے اس نزاکت کو اچھی طرح محسوس کر لیا تھا کہ کافروں کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا ہے، یہ معاملہ کسی وقت بھی کوئی خطرناک صورت اختیار کر سکتا ہے۔ اگر یہ لوگ آمادۂ پیکار ہوئے تو ان سے تنہا مقابلہ آسان نہ ہوگا۔

انھیں خیالات واحساسات کے ردِ عمل میں جناب ابو طالبؑ کے چہرے پر تردد کے آثار نمایاں ہوئے۔ پیغمبرِ اسلام نے دیکھا کہ شفیق و مہربان چچا کے پائے ثبات میں لغزش کے امکانات ہیں تو آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا:

"خدا کی قسم اگر یہ لوگ (کفارِ مکہ) میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے پر ماہتاب لاکر رکھ دیں تو بھی میں اپنے فرضِ منصبی سے منھ نہیں موڑ سکتا۔"

اس پیغمبری آواز اور صداقت آمیز لہجہ نے جناب ابو طالبؑ کے دل میں ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا کر دیا چنانچہ آپ نے فرمایا:

"اگر تمھارا موقف اور فیصلہ اٹل ہے تو تم اپنا کام انجام دیتے رہو، میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک میرے تن میں جان باقی ہے، کفارِ مکہ تمھارا ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔"[1]

اگر رسولِ اکرم صلعم یا آپ کے چچا حضرت ابو طالبؑ کے دل میں حصولِ زر، جہاں بانی، حکمرانی یا ملکی فتوحات کا کوئی جذبہ کارفرما ہوتا تو وہ اس موقع پر کفارِ مکہ کو آسانی سے اپنا ہمنوا بنا سکتے تھے۔ ان سے

[1] سیرۃ النبی ابن ہشام ج ۱ ص ۸۹

Presented by www.ziaraat.com

کہتے کہ میری مخالفت پر کیوں کمر بستہ ہو، اسلام قبول کر لو تاکہ دنیا کی دولت پر قابض ہو سکو، مسلمان ہو جاؤ تاکہ دوسرے ملکوں کے خزانے لوٹ کر اپنا گھر بھر سکو، میرے قوت بازو بن جاؤ تاکہ عراق، ایران، شام اور مصر وغیرہ پر حملہ کر کے انھیں تاراج کیا جا سکے۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا اور ان کے اس احتجاج کو سختی سے ٹھکرا دیا۔

حضرت ابو طالبؑ کے اس وعدے اور یقین دہانی سے یہ ظاہر ہے کہ آپ کے دل میں حق کے لیے قربانی کا جذبہ تھا اور رسالت کے ساتھ ساتھ اسلام بھی آپ کے سایۂ عاطفت میں پرورش پاتا رہا۔

غرض کہ حالات جب سازگار ہوئے اور اسلام کی قوت عہدِ طفولیت سے گزر کر جوانی کی سرحد کی طرف بڑھنے لگی تو کفار مکہ کے دلوں میں عداوت نفرت، بغض اور حسد کے شعلے پوری شدت سے بھڑک اٹھے، جس کے نتیجہ میں رسول اکرم صلعم کو متعدد جنگوں اور غزوات کا سامنا کرنا پڑا۔

پیغمبرِ اسلامؐ کے دور میں جو غزوات رونما ہوئے یا جو جنگیں لڑی گئیں وہ صرف دفاعی اور اسلام کے مفاد میں تھیں۔ رسولؐ کی طرف سے کسی جنگ میں ابتدا نہیں کی گئی نہ کسی قسم کا جارحانہ اقدام عمل میں لایا گیا نہ بربریت اور تشدد کا مظاہرہ کیا گیا۔

اس کے برخلاف حضرت عمر یا ان سے پہلے ابو بکر اور ان کے بعد عثمان کے دور میں عراق، ایران، شام اور مصر کے ساتھ دیگر دور دراز کے ممالک پر ملک گیری کے لیے حملے کیے گئے، انھیں دل کھول کر لوٹا گیا، وہاں کے عوام کو بربریت اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا، ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے، انھیں شہر بدر کیا گیا اور ان کے گھروں کو ویران

تاراج اور تباہ و برباد کیا گیا۔

ان خلفاء کی فتوحات کا اصول یہ نظر آتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دنیا کی دولت حاصل کی جائے، ملکوں کو فتح کیا جائے اور وہاں کے عوام کو بربریت، تشدد اور مظالم کے ذریعہ اس امر پر مجبور کیا جائے کہ وہ اہلِ اسلام کی غلامی کا کلمہ پڑھیں۔ مسلمان ہوں یا جزیہ دیں اور اگر یہ دونوں صورتیں ممکن نہ ہوں تو تلوار کے پانی سے سیراب ہوں۔

کیا ان فتوحات کو اصولی اور اسلامی کہا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں!

خلفاء کے ان غیر اصولی اور غیر اسلامی جنگی کارناموں سے اگر حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے جہاد کا تقابل کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علیؑ کا جہاد حضرت رسولِ خداؐ کے جہاد سے صد فیصد مشابہت اور مماثلت رکھتا ہے۔ جس طرح آنحضرتؐ نے صرف اسلام کے مفاد میں دفاعی لڑائیاں لڑیں اسی طرح بعد پیغمبرؐ حضرت علی علیہ السلام نے بھی اپنے عہد میں صرف دفاع کو ملحوظ خاطر رکھا۔

جس طرح رسول اکرمؐ نے اپنے مخالفین کا اس وقت مقابلہ کیا جب وہ لوگ حملہ آور ہوئے۔ بالکل اسی طرح حضرت علی علیہ السلام نے بھی جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان میں معرکہ آرائی کی جب آپ کے مخالفین کسی طرح حق کی طرف نہیں پلٹے۔ جس طرح رسولِ اکرم صلعم نے مخالفین کے شر سے مسلمانوں اور اپنے اصحاب کو محفوظ رکھا اسی طرح حضرت علیؑ نے بھی اپنے ماننے والوں اور کلمہ گویوں کی حفاظت کی۔ جس طرح پیغمبرؐ جنگ کے دوران اہل اسلام کو تاکید فرماتے تھے کہ خبردار، انسانی اخلاق و آداب سے کنارہ کش

Presented by www.ziaraat.com

نہ ہونا اسی طرح حضرت علیؑ بھی اپنی فوج کو حکم دیتے تھے کہ جنگ کے میدان سے بھاگنے والوں، شکست کھانے والوں، زخمیوں اور کمزوروں پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ اپنی طرف سے ابتدا نہ کرنا، پہلے دشمنوں کو سمجھانے بجھانے اور راہ راست پر لانے کی کوشش کرنا۔ جب اتمام حجت کے بعد بھی وہ نہ مانیں اور تمھارے قتل پر تیار ہی ہوں تو تم بھی اپنے دفاع اور بچاؤ کے لیے مناسب اقدام کرنا۔

مالک ابن جون سے روایت ہے کہ جنگ جمل میں جب دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں تو حضرت علیؑ نے اپنی فوج میں یہ اعلان کرا دیا تھا کہ ہماری طرف سے جنگ کی ابتدا نہ کی جائے، کوئی دشمن پر تیر نہ چلائے نہ کسی شخص پر نیزے یا تلوار کا وار کرے۔

محمد بن عمر کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ نے اس وقت تک حضرت عائشہ کے لشکر سے جنگ نہیں کی جب تک آپ نے ہر طرح کی حجت تمام نہیں کرلی۔ جب تین دن گزر گئے اور حضرت عائشہ کی طرف سے متواتر حملے ہوتے رہے تو حضرت امام حسنؑ، امام حسینؑ اور عبداللہ بن جعفر نے عرض کی کہ ہمارے لشکری کثرت سے زخمی ہو رہے ہیں، ہم کب تک تحمل سے کام لیں؟ تو اس موقع پر بھی آپ نے فرمایا کہ اگر تم دشمنوں پر غالب آنا تو کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرنا، جو شخص زخمی ہوکر گر جائے اس پر وار نہ کرنا، جو اشیاء ہنگام جنگ مقتولین کے جسم پر ہوں وہی لوٹی جائیں ان کے علاوہ قتل ہونے والوں کا تمام اثاثہ ان کے وارثوں تک پہنچا دی جائیں۔

بہرحال تیسرے دن فوجیں ایک دوسرے پر حملہ آور ہو گئیں،

میدانِ کارزار گرم ہوا، گھمسان کی جنگ ہوئی اور جب حضرت علیؑ کو فتح ہوئی تو آپ نے دشمنوں کے لشکر کی ہر چیز ان لوگوں کو واپس کر دی۔[۱]

حضرت علی علیہ السلام نے تختِ خلافت پر قدم رکھتے ہی جو خطبہ دیا اس کی بھی دو باتیں قابلِ غور ہیں۔

(۱) سچا مسلمان وہی ہے جس کی زبان یا ہاتھ سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔

(۲) خدا کے شہروں اور خدا کے بندوں سے ڈرو، یقیناً تم سے زمین کے ٹکڑوں اور مویشیوں کا بھی حساب لیا جائے گا۔[۲]

مذکورہ دونوں باتوں سے واضح ہے کہ خلیفۂ رسول کے فرائض کیا ہیں؟ آپ نے تمام مسلمانوں سے اس امر کی تاکید فرمادی کہ غیر ملکوں، شہروں اور قصبوں کے باشندوں (خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم) کا بھی خیال رکھو اور ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔

مطلب صاف ہے کہ کسی مسلم یا غیر مسلم کو بے جرم سزا نہ دو، کسی کو پریشان نہ کرو، کسی ملک پر فوج کشی یا حملہ نہ کرو، کسی شہر پر اپنا تسلط نہ جماؤ کیوں کہ تم زمین کے ٹکڑوں اور اس پر چرنے والے مویشیوں کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا اور اس کا حساب لیا جائے گا۔

یہ تھی حضرت علیؑ کی شان خلافت اور فتوحات و غزوات سے متعلق آپ کا نظریہ۔ اب قارئین کرام کا ذہن آسانی سے اس فیصلے پر پہنچ سکتا ہے کہ حضرت عمر وغیرہ کی فتوحات اسلامی اور اصولی تھیں یا غیر اسلامی اور غیر اصولی۔

---

[۱] روضۃ الندیہ ص ۳۲ [۲] طبری ج ۵ ص ۱۵۷ و کامل ج ۳ ص ۷۶

Presented by www.ziaraat.com

عمری نکتہ چینیاں اور منصب نبوت

کسی کے کام میں بے سبب نکتہ چینیاں یا کسی کے کلام میں بے وجہ تاویلیں جن کو وہ شخص پسند نہیں کرتا نہ تو شرعی اعتبار سے جائز ہیں اور نہ ہی اصولی لحاظ سے درست ہیں۔ مگر حضرت عمر کی ذات سے یہ تمام وابستہ ہیں۔ آپ پیغمبرِ اسلامؐ کے ہر اس فعل، ہر اس کام، ہر اس حکم کے بارے میں نکتہ چینیاں اور تبدیلیاں فرما دیا کرتے تھے جو آپ کی سمجھ، عقل اور فہم و ادراک سے باہر ہوتا۔ آپ کی گناہ آلود زندگی سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے حضرت رسول خدا صلعم کے جس حکم یا فعل کو خواہ وہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی شرعی ہو یا امور دنیا سے متعلق ہو، نامناسب سمجھا اس میں ترمیم کر دینا ضروری خیال کیا اور آنحضرتؐ کے اقوال و افعال کو منصب نبوت کے تحت تسلیم کرتے ہوئے اگر خلاف مصلحت سمجھا تو اپنی ذاتی رائے کو ان پر مسلط کرنے میں کسی طرح کا کوئی تامل نہیں کیا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت رسول خدا صلعم جب عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھنے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر مزاحمت پر کمربستہ ہو گئے اور اچھل کر آپؐ کا دامن پکڑ کر کھینچ لیا اور فرمایا کہ آپ منافق کی نماز جنازہ پڑھ رہے ہیں اور خدا کا حکم ہے منافقین کے لیے استغفار مفید نہیں ہے خواہ وہ ستر مرتبہ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن آنحضرتؐ نے حضرت عمر کی اس بے ادبی اور جسارت پر تحمل سے کام لیا اور نماز جنازہ ادا کی اور عبداللہ کی قبر تک تشریف لے گئے۔[۱]

---

[۱] بخاری و مسلم ج ۲ ص ۳۵۷ طبعِ مکہ

ظاہر ہے کہ نماز جنازہ ایک دینی خدمت ہے اور مرنے والا کافر بھی نہیں تھا کہ اس کے جنازے پر نماز حرام ہوتی بلکہ بظاہر مسلمان تھا لہٰذا آنحضرتؐ کا یہ اقدام آئینِ شریعت کے عین مطابق تھا اور اس اقدام سے ایسی فتح حاصل ہوئی کہ قبیلۂ خزرج کے ایک ہزار افراد دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ لیکن افسوس ہے کہ حضرت عمر کی جنگجو طبیعت پر رسول اکرمؐ کی یہ بات ناگوار گزری۔ جب کہ حضرت عمر یہ جانتے تھے کہ آنحضرتؐ کا یہ طرزِ عمل منصب نبوت کے تحت ہے۔ اس اصلاحی کوشش اور گستاخی کے بعد عمر کو یہ احساس بھی ہوا کہ اس موقع پر میری سرکشی غلط تھی، چنانچہ آپ خود ہی فرمایا بھی کرتے تھے کہ مجھے تعجب ہے کہ میں رسولؐ کی شان میں ایسی گستاخی اور جسارت کر بیٹھا۔[۱]

(۲) مندرجہ بالا واقعہ کے ذیل میں حضرت عمر کی یہ حرکت تاریخ سے واقفیت رکھنے والوں کے لیے نئی نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے اور بعد میں بھی وہ ایسی حرکتیں کرتے رہے۔ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں ابوعطیہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہو گیا تو کچھ لوگوں نے آنحضرتؐ سے اس کی نمازِ جنازہ کے لیے درخواست کی۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔ عمر کے اس کہنے پر آنحضرتؐ نے صحابہ سے دریافت کیا کہ کیا تم میں سے کسی نے اس شخص کو کوئی کار خیر کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ ایک شخص نے جواب دیا کہ وہ فلاں شب ہمارے ساتھ سرحدی محافظین میں تھا۔ یہ سن کر آپؐ نے اس کی نماز میت پڑھی، قبر تک تشریف لے گئے

---

[۱] صحیح بخاری پ۵ ص ۱۰۷

Presented by www.ziaraat.com

اور مٹی دینے کے بعد فرمایا کہ لوگ تجھے جہنمی خیال کرتے ہیں اور میں تیرے جنتی ہونے کی گواہی دیتا ہوں۔ پھر آپ نے عمر کو آڑے ہاتھوں لیا اور ڈانٹا۔[1]

اس واقعہ کو مصنف نے ابو منذر کے حالات میں بھی نقل کیا ہے اور طبرانی نے بھی ہشام بن سعد سے تقریباً یہی روایت نقل کی ہے ــــ اور پھر آخر میں آنحضرتؐ کا یہ قول بھی تحریر کیا ہے کہ جو شخص راہ خدا میں جہاد کرے اس پر جنت واجب ہے۔

آنحضرتؐ کا یہ اقدام بھی بشری حیثیت سے نہیں بلکہ منصب نبوت کے تحت تھا لیکن حضرت عمر اپنی نکتہ چینیوں سے بھلا کس طرح باز رہ سکتے تھے؟

(۳) پیغمبر اسلامؐ، بدر میں مقتولینِ کفار کو آواز دے کر کچھ فرمانے لگے تو حضرت عمر کو ناگوار گزرا اور آپ نے رسولِ اکرمؐ سے استفسار کیا کہ آپؐ مردوں سے کیا باتیں کر رہے ہیں؟ اس پر رسولؐ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! تم لوگ تو میری باتیں اتنی بھی نہیں سنتے جتنی یہ کفار کے مردے سنتے ہیں۔[2]

حضرت رسول خدا صلعم نے اس وقت بدر کے کافر مقتولوں سے جو کچھ فرمایا وہ منصبِ نبوت کی حیثیت سے اور عمر بھی اس حقیقت سے خوب واقف تھے۔ لیکن آپ نے رسولؐ اللہ پر اعتراض کیا کہ مردوں سے باتیں کرنا خلافِ عقل ہے۔

(۴) غزوۂ خندق کے موقع پر ایک شب حضرت رسول خدا صلعم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا وفادار ہے جو اس وقت جا کر دشمنوں کی خبر لائے۔ جب سب خاموش رہے اور پہلو تہی کرنے لگے تو

---

[1] اصابہ ج ۴ ص ۱۸۵ و ص ۱۳۵ [2] بخاری پ ۱۶ ص ۱۲

آنحضرتؐ نے ابو بکر کو اس کام پر مامور کرنا چاہا، انھوں نے جواب دیا استغفر اللہ۔ پھر حضرت عمر سے فرمایا کہ تم جاؤ انھوں نے بھی کہا استغفر اللہ و رسولہ۔ میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے استغفار کرتا ہوں اور معافی چاہتا ہوں۔[1]

حضرت ابو بکر اور عمر کا استغفر اللہ و رسولہ کہنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ نے آنحضرتؐ کے اس حکم کو منصبِ نبوت ہی کے تحت سمجھا۔ اگر بشریت کے اقتضا یا دنیاوی اعتبار سے سمجھتے تو استغفار کی کیا ضرورت تھی؟

(۵) صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمر کا یہ قابلِ مذمت طرزِ عمل تاریخ کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے کہ محمدؐ کی نبوت میں جیسا شک مجھے آج ہوا اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔

اگر حضرت عمر رسول اکرمؐ کے اقوال و افعال کو دو حصوں پر تقسیم کرتے، ایک وہ جس میں منصبِ نبوت کار فرما ہوتا اور دوسرا وہ کہ جو دنیاوی حیثیت یا بشری اعتبار سے ہوتا تو اس موقع پر یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ رسولؐ کی یہ بات منصب نبوت کے تحت نہیں ہے اس لیے میں نہیں مانوں گا لیکن آپ کا یہ کہنا کہ "رسولؐ کی نبوت میں آج سے پہلے ایسا شک نہیں ہوا" یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ آنحضرتؐ کے ہر قول و فعل کو منصبِ نبوت ہی کے تحت سمجھتے تھے اور اسی اعتبار سے اس میں شک یا اعتراض کرنے اور اصلاحی مشورہ دینے کی گستاخی و جسارت کرتے تھے۔

(۶) غزوۂ خیبر میں اصحابِ ثلاثہ کی نامردی و ناکامی کے بعد حضرت رسولِ خدا صلعم نے یہ فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو کرار و غیر فرار

---

[1] تفسیر در منثور ج ۵ ص ۳۵۔ سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۲۳۷، کنز العمال ج ۵ ص ۲۷۹

Presented by www.ziaraat.com

ہو گا، خدا اور رسولؐ اسے دوست رکھتے ہوں گے اور وہ خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہو گا۔

رسولؐ کے اس فرمان کے بعد اکابرین صحابہؓ نے تمام رات اس بیقراری میں گزاری کہ دیکھیے یہ تاج کس کے سر پر رکھا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ بھی اس آرزو میں بے چین رہے اور رسالت مآبؐ کے اس قول میں کسی شک و شبہ کا اظہار نہیں کیا۔ اگر ان کے دل میں یہ وہم ہوتا کہ رسولؐ یہ اعلان بشری حیثیت سے کر رہے ہیں تو شاید توجہ بھی نہ دیتے بلکہ (معاذاللہ) رسولؐ پر ہذیان کی تہمت قبل از وقت عائد کر دیتے اور کہتے کہ جب ہم لوگ اتنے دنوں کی کوشش کے باوجود قلعۂ خیبر کو فتح نہ کر سکے تو کل کسی شخص میں اتنی قوت اور ایسی شجاعت کہاں سے آجائے گی کہ وہ فتح کر کے ہی لوٹے گا۔ مگر چوں کہ آپ کو اس ارشادِ رسالتؐ پر یقین و اعتماد تھا کہ وہ ہرگز غلط نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ قول منصبِ نبوت کے تحت ہے اس لیے دیگر صحابہ کی طرح آپ نے بھی وہ رات کرب، بے چینی، تمنا اور آرزو میں گزاری۔

(۷) غزوۂ تبوک کی واپسی پر یہ منادی کرا دی گئی تھی کہ جس وقت تک رسولِ اکرمؐ کی سواری کا ناقہ "عقبہ ذی فتق" سے گزر نہ جائے کوئی شخص ادھر جانے کی کوشش نہ کرے۔ لیکن وہ منافقین جو رسولؐ کی زندگی کا چراغ گل کرنے کا منصوبہ تیار کر چکے تھے اس حتمی اعلان کے باوجود اس گھاٹی میں داخل ہو گئے جدھر سے رسول اکرمؐ کو گزرنا تھا۔ رات کی تاریکی میں آپ کی سواری محتاط انداز میں آہستہ آہستہ گزر رہی تھی کہ اچانک بجلی چمکی جس کی روشنی میں پیغمبرؐ نے کچھ شناسا چہروں کو دیکھا اور ان کے نام حذیفہ سے جن کے ہاتھوں میں ناقہ کی مہار تھی، بتا دیے اور یہ

فرمایا کہ یہ سب منافق ہیں اور میری جان لینا چاہتے ہیں۔

اس واقعہ کے بعد حضرت عمر دل کے ٹھوکوں سے مجبور ہو کر اکثر و بیشتر حذیفہ سے یہ پوچھا کرتے تھے کہ: "اے حذیفہ! کیا عقبہ ذی فتق کے منافقین میں میرا نام بھی ہے؟

حضرت عمر کے اس استفسار پر حذیفہ خاموش ہو جاتے۔ آخر کار عمر نے خود ہی یہ راز اگل دیا کہ اے حذیفہ! خدا کی قسم میں بھی ان منافقین میں سے ہوں۔[1]

یہ وہ مشہور واقعہ ہے جو تاریخی حوالوں کا محتاج نہیں ہے۔ حضرت عمر کا اپنے بارے میں حذیفہ سے بار بار پوچھنا آپ کی پریشانی اور آپ کا تردد یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کا یہ اقدام رسولؐ کے خلاف غلط تھا، جس کی سزا صرف جہنم ہے۔

(۸) سورۂ برأت کی تبلیغ سے جب حضرت ابو بکر و عمر کو رسولِ اکرمؐ نے معزول کیا تو ان دونوں کو سخت صدمہ ہوا اور ابو بکر کے بارے میں تاریخ تو یہ کہتی ہے کہ وہ رسولؐ کی خدمت میں جب واپس آئے تو بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

اگر رسولؐ کا یہ عمل بشری تصور کیا جاتا تو رونے دھونے اور گریہ و زاری کی کیا ضرورت تھی؟ کہتے کہ اس معزولی کا تعلق منصبِ نبوت سے نہیں ہے یہ تو محض رسولؐ کا ذاتی فعل ہے۔ لیکن اس معزولی کو اپنے لیے ایک عظیم مصیبت تصور کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ لوگ ہر فعلِ رسالتؐ کو

---

[1] تاریخ خمیس ج ۲ ص ۱۴۴

Presented by www.ziaraat.com

خدا کی مرضی اور وحی کے مطابق سمجھتے تھے۔

(۹) ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ کو غدیر خم میں پیغمبرؐ اسلام نے جب حضرت علیؑ کی خلافت کا آخری اعلان فرما کر آپ کی مولائیت پر اپنی مہر ثبت کر دی تو حضرت عمر نے بھی مبارک باد دی اور کہا کہ اے علیؑ! آج سے آپ جملہ مومنین و مومنات کے مولا ہو گئے۔

اگر رسولؐ کے اس اعلان کو حضرت عمر منصبِ نبوت کے تحت نہ سمجھتے تو مبارکباد کیوں دیتے؟ کہہ سکتے تھے کہ رسولؐ کا یہ اعلان بشری حیثیت سے ہے لہٰذا ہم اس کے پابند نہیں ہیں۔

(۱۰) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات طاہرہ کے آخری لمحات میں بغرض نوشتہ قلم و قرطاس کی جو خواہش کی اور اس خواہش پر عمر کی طرف سے جو جواب ملا وہ تمام عالم اسلام پر آشکارا ہے۔

اگر آپ آنحضرتؐ کی اس خواہش کو منصبِ نبوت کے تحت نہ تصور کرتے تو اس سخت کلامی سے نہ پیش آتے کہ رسولؐ نے قُومُوا عَنِّی کہہ کر انھیں گھر سے باہر نکال دیا۔ آپ (عمر) صحابہ سے نرمی کے ساتھ کہہ سکتے تھے کہ رسول اللہ کی یہ خواہش منصبِ نبوت کے تحت نہیں ہے اس لیے ناقابلِ توجہ ہے لیکن آپ نے یہ خاص تدبیر اختیار کی کہ قولِ پیغمبرؐ کو ہذیان سے تعبیر کر دیا۔ یعنی آپ کا مقصد یہ تھا کہ رسولؐ بہرحال رسولؐ ہیں اور یہ خواہش بھی منصب نبوت کے تحت ہے مگر اس وقت چوں کہ مرض کا غلبہ ہے اس لیے بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں جو قابلِ اعتنا نہیں ہیں۔

یہی وہ نکتہ چینیاں، دخل اندازیاں اور گستاخیاں ہیں جو رسولؐ کو منصب نبوت پر فائز سمجھتے ہوئے حضرت عمر سے سرزد ہوتی رہیں۔ کیا حضرت عمر کا یہ طرزِ عمل حقیقی مسلمانوں کے لیے قابل برداشت ہو سکتا ہے؟

دینی و مذہبی اصلاحیں

متعۃ الحج و متعۃ النساء

اسلام کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک عظیم ٹھوس، فعال اور تخلیقی قوت رکھنے والا عقیدہ ہے، جو انسان کی عملی و داخلی زندگی پر پوری طرح چھا جاتا ہے اور اس کی تمام عملی و جذباتی قوتوں کو اپنا لیتا ہے۔ اسلام میں نمایاں چیز اس کی ہمہ گیر عملی حقیقت پسندی ہے جو غور و فکر اور میلانات پر حاوی رہتی ہے۔

اسلام کے احکام فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہیں۔ اس کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جس میں انسان کے فطری تقاضوں کو ملحوظ خاطر نہ رکھا گیا ہو۔ فروع دین میں اسلام کے استثنائی احکام اور مراعات خود اس بات کی دلیل ہیں کہ اسلام دین فطرت ہے اس کے احکام ناقابلِ عمل نہیں ہیں۔ خاص صورتوں، مثلاً دکھ، درد اور بیماری وغیرہ کی حالت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے یا روزہ رکھنے کے عام احکام میں تبدیلی بھی ہو جاتی ہے۔ جیسے بیٹھ کر یا لیٹ کر اشاروں سے نماز پڑھنا اور رمضان کے روزے دوسرے دنوں میں قضا رکھنا وغیرہ۔ اسی طرح کوئی شخص خاص وجوہات کی بنا پر ایک مدت تک اپنی زوجہ سے الگ رہے اور اس کی قوتِ برداشت، شہوانی خواہشات و جذبات کی فراوانی کے

Presented by www.ziaraat.com

آگے دم توڑتی نظر آنے لگے، تو کیا وہ اپنی اس جنسی ہوس کی تکمیل کے لیے ایسا طریقہ اختیار کرے جو اسلامی احکام کے منافی ہو، یا پھر اپنے فطری تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اسلام نے چند قیود، پابندیوں اور شرائط کے ساتھ جو مراعاتی احکام دیے ہیں ان پر عمل پیرا ہو کر زنا کے ارتکاب سے محفوظ رہے؟

انھیں خاص مراعاتی احکام میں ایک حکم کا نام "متعہ" ہے، جس کی تقسیم دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک متعۃ الحج اور دوسرے متعۃ النساء۔

"متعۃ الحج" کو "تمتع بالحج" بھی کہتے ہیں۔ تمتّع کے معنی لطف اندوزی کے ہیں۔ اس میں عمرہ اور حج کے درمیان انسان اپنی عورتوں سے لطف اندوز ہو سکتا ہے اور یہ فریضہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو حدودِ مکّہ سے تقریبًا اسّی کیلومیٹر یا اس سے زیادہ فاصلہ پر آباد ہوں۔

متعۃ النساء کی تعریف یہ ہے کہ کسی عورت سے، کسی مقررہ مدت کے لیے کسی معینہ مہر کے عوض عقد کیا جائے اور جب وہ مدت تمام ہو جائے تو وہ عورت بغیر طلاق کے علٰحدہ ہو جائے اور اتنی مدت تک عدہ کی حالت میں رہے کہ حمل کا شبہ جاتا رہے۔

"متعہ" کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے کہ:

"جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا ہو تو انھیں جو مہر معین کیا ہے دے دو اور مہر کے مقرر ہونے کے بعد اگر آپس میں (کم و بیش پر) راضی ہو جاؤ تو اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ بے شک خدا ہر چیز سے واقف اور مصلحتوں کا پہچاننے والا ہے۔"[1]

---

[1] النساء-۲۴

ایک مقام پر ارشاد ہوا:

"لوگو! جو تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو۔"[1]

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوا:

"جو شخص، خدا کی کتاب کے مطابق حکم نہ دے وہ کافر ہے۔"[2]

اور سورۂ کہف میں ارشاد ہوا:

"خدا اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں بناتا۔"[3]

معلوم ہوا کہ متعہ کا حکم صرف خدا کی طرف تھا اور اس حکم میں ترمیم و تنسیخ کا حق خدا کے علاوہ رسول اکرمؐ کو بھی نہیں تھا۔ آپ کا فرضِ منصبی یہ تھا کہ آپ اس حکم الٰہی کو مسلمانوں پر نافذ کریں۔ چنانچہ اسی حکم سے متعلق عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ "ہم حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگوں میں جایا کرتے تھے اور ہمارے پاس کوئی سامان مقتضائے فطرت کے پورا کرنے کا نہیں ہوتا تھا تو ہم نے (رسول اللہؐ سے) کہا کہ ہم کیوں نہ اپنے اعضائے شہوانی کو قطع کرا دیں، آنحضرتؐ نے اس کی ممانعت فرمائی اور ہمیں اس امر کی اجازت دی کہ ہم عورتوں سے مناسب مہر پر عقدِ متعہ کر لیا کریں۔"[4]

صحیح مسلم میں یہ روایت یوں منقول ہے:

"عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ ہم لوگ جوان تھے، ہم نے رسول اللہؐ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم اپنے اعضائے شہوانی کو قطع کیوں نہ کرا دیں۔"[5]

---

[1] الاعراف-۲ [2] المائدہ-۴۴ [3] الکہف-۲۶ [4] بخاری ج۲ ص ۷۵۹، مطبوعہ کرزن پریس دہلی [5] صحیح مسلم ج۱ ص ۴۵۰ مطبوعہ مجتبائی دہلی

Presented by www.ziaraat.com

صحیح مسلم میں غزوات کا تذکرہ نہیں ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمانۂ امن میں بھی اگر زوجہ نہ رہے تو نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے اسلام عقد متعہ کی اجازت دیتا ہے۔ اور ابتدائے اسلام میں متعہ کے جواز کو علماء و مفسرین اہل سنت نے تسلیم کیا ہے۔ علامہ فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں رقم طراز ہیں کہ:

"یہ امر متفق علیہ ہے کہ متعہ ابتدائے اسلام میں جائز تھا اس پر تمام امت کا اجماع ہے کسی کو اختلاف نہیں ہے"[1]

علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم المعروف بہ خازن بغدادی کا کہنا ہے کہ "یہ طریقہ نکاح (متعہ) ابتدائے اسلام میں موجود تھا"[2] علامہ حسن بن محمد نیشاپوری کا کہنا ہے کہ "اس امر پر تمام کا اتفاق ہے کہ متعہ ابتدائے اسلام میں مباح و جائز تھا"[3] ان کے علاوہ محی الدین ابوزکریا یحیٰی ابن شرف نووی، نواب صدیق حسن قنوجی اور سر سید احمد خاں نے بھی یہی کچھ تحریر کیا ہے[4]

مگر افسوس کہ حضرت عمر نے اپنی جہالت و سرکشی کی بنا پر اپنے ذاتی اجتہاد کے ذریعہ خدا اور رسولؐ کے اس حکم کو پامال کر دیا اور سورہ مائدہ کی ۴۴ ویں آیت کے تحت کافر قرار پا گئے۔ جیسا کہ صحابیٔ رسولؐ حضرت جابر بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ:

۱ے تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۹۵ و ۱۹۶ مطبوعہ مصر ۲ے معانی التنزیل ج ۱ ص ۴۲۳ مطبوعہ مصر
۳ے تفسیر غرائب القرآن ج ۱ ص ۱۲۱ مطبوعہ ایران، تفسیر طبری ج ۵ ص ۱۶ مطبوعہ مصر
۴ے دیکھیے شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۰، تفسیر آیات الاحکام ص ۵۰ مطبوعہ لکھنؤ اور تفسیر قرآن ج ۲ ص ۳۱۶ مطبوعہ علی گڑھ۔

"ہم لوگ رسالت مآبؐ کے پورے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر کے پورے دورِ خلافت میں نیز حضرت عمر کے نصف زمانۂ خلافت تک برابر متعہ کرتے تھے مگر حضرت عمر نے اپنے نصف زمانۂ خلافت کے بعد یہ کہہ کر متعہ کی ممانعت کر دی کہ دو متعہ رسالت مآبؐ کے زمانہ میں حلال تھے، متعۃ الحج اور متعۃ النساء۔ میں ان دونوں کو حرام قرار دیتا ہوں اور ان کے کرنے والوں کو سزا بھی دوں گا"[1]

عمران بن حصین سے روایت ہے کہ:

"ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ اور ان کے زمانے میں متعہ کیا کرتے تھے اور آنحضرتؐ نے کبھی منع نہیں کیا اور نہ اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے کوئی آیت اس کی ناسخ اتاری"[2]

ابی نضرہ سے روایت ہے:

"میں نے جابر بن عبد اللہ انصاری سے کہا کہ ابن زبیر لوگوں کو متعہ سے روکتا ہے اور ابن عباس اس کی اجازت دیتے ہیں۔ پس جابر بن عبد اللہ نے مجھ سے کہا کہ زمانۂ رسولؐ اور زمانۂ ابوبکر میں ہم متعہ کیا کرتے تھے، پس جب عمر حاکم ہوئے تو انھوں نے یہ خطبہ دیا کہ قرآن ہے تو ہوا کرے، رسولؐ ہے تو ہوا کرے، متعۃ الحج اور متعۃ النساء دونوں زمانۂ رسولؐ میں جاری تھے لیکن میں تم کو ان دونوں سے منع کرتا ہوں"[3]

۱ے تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۱۴۰، تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۰۰، تفسیر کشاف ج ۱ ص ۳۵۰، معالم التنزیل و مستدرک، طبری و صحیح مسلم وغیرہ ۲ے مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۴۳۹ تا ۴۵۱ ۳ے مسند احمد بن حنبل جز اول ص ۵۲

Presented by www.ziaraat.com

صحیح مسلم میں تو یہاں تک ہے کہ۔ عمر نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کے لیے جو چاہا مباح کر دیا۔ اب اگر کوئی شخص عورتوں سے تعلق پیدا کرے گا تو میں اسے سنگسار کر دوں گا۔[۱]

یہ بات انتہائی حیرت انگیز و تعجب خیز ہے کہ رسول اکرم صلعم کی زندگی کے آخری لمحات میں "قلم و قرطاس" کی خواہش پر "حسبنا کتاب اللہ" کا نعرہ بلند کرنے والا شخص صحیح مسلم کی مذکورہ روایت میں قرآن سے منحرف نظر آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ "قرآن ہے تو ہوا کرے"۔ اس انحراف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر متضاد کردار کے مالک بھی تھے اور مصلحت پروری و فتنہ سازی آپ کی فطرت میں داخل تھی۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ حضرت عمر کی نظر میں نہ قرآن کی کوئی اہمیت تھی نہ حکمِ الٰہی کا کوئی پاس و لحاظ تھا اور اللہ کے رسولؐ کا کوئی مرتبہ تھا۔ ایسی صورت میں کیا ایسے شخص کو مسلمان کہا جا سکتا ہے؟

اس موقع پر قارئین کے لیے حضرت عائشہ کی یہ روایت بھی دلچسپی سے خالی نہیں جس میں آپ فرماتی ہیں کہ:

> "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ جو شخص ہمارے دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کرے یا کوئی ایسا عمل کرے جس کے متعلق ہمارا حکم نہ ہو تو وہ شخص مردود ہے۔"[۲]

۱۔ صحیح مسلم ج ۸ ص ۱۶۸

۲۔ صحیح مسلم حصہ دوم (اردو ترجمہ) ص ۸۱۸ و ۸۱۹ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۴ء

تراویح کی بدعت

تراویح درحقیقت حضرت عمر کی ذہنی اختراع کا نام ہے۔[۱] عہدِ رسالت یا اس کے بعد حضرت ابوبکر کے دورِ خلافت میں اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ یہ بات تاریخی اعتبار سے مستحکم، مسلّم اور یقینی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے نماز استسقاء (وہ نماز جو بارش نہ ہونے کی صورت میں مخصوص ترکیب کے ساتھ پڑھی جاتی ہے) کے علاوہ تمام سنتی نمازوں میں جماعت کو ناجائز قرار دے دیا تھا۔ اسی پر حضرت ابوبکر کے زمانہ میں بھی عمل ہوتا رہا لیکن ماہ رمضان سنہ ۱۴ھ میں حضرت عمر نے مسلمانوں پر یہ حکم نافذ کیا کہ ہر مسلمان ہر رات تراویح میں گزارے اور مسجد میں کھڑا رہے۔

اس اذیت رساں حکم میں کیا عمر کی مصلحت کارفرما تھی؟ اسے حضرت عمر یا ان کا اللہ جانے! لیکن یہ فرمان دوسرے شہروں کے لیے بھی روانہ کر دیا گیا اور اس پر عمل کی سخت تاکید کر دی گئی۔[۲] مدینہ میں عورتوں اور مردوں کے لیے دو قاری مقرر کر دیے تاکہ وہ تمام رات تراویح پڑھائیں۔

بعض مورخین کا کہنا ہے کہ حضرت عمر نے ایک رات مساجد کا معائنہ کیا اور نمازیوں کو مختلف انداز میں مصروف عبادت پا کر اسی شب تراویح کا فرمان جاری کیا۔[۳]

بخاری نے اپنی کتاب تراویح میں عبد قاری سے یہ روایت نقل کی ہے کہ:

> "میں عمر کے ساتھ تھا، جب وہ مسجد میں داخل ہوئے تو انھوں نے

۱۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۶۶ ۲۔ موطا ج ۱ ص ۱۵۴ ۳۔ حیواۃ الحیوان ج ص ۲۴۶

Presented by www.ziaraat.com

نمازیوں کو متفرق حالت میں دیکھ کر کہا کہ میں انھیں مجتمع دیکھنا چاہتا ہوں اور پھر آپ نے تراویح کا حکم جاری کر کے ابیّ بن کعب کو امام مقرر کر دیا۔ جب دوسری رات آئی تو وہ پھر گئے تو اجتماعی منظر دیکھا اور فرمایا کہ کیا اچھی بدعت ہے۔"

علامہ قسطلانی نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عمر نے اس کو بدعت سے اس لیے تعبیر کیا کہ رسولؐ اللہ یا ابوبکر کے زمانہ میں اس قسم کا کوئی اجتماع نہ تھا۔[1]

علامہ سیوطی رقمطراز ہیں کہ حضرت عمر نے تراویح کی ایجاد کی، اُمِّ ولد کی بیع سے منع کیا اور نماز میت میں چار تکبیریں کر دیں۔ اس کے علاوہ پہلے پہل امیرالمومنین کا لقب اختیار کیا اور متعہ کو حرام قرار دیا۔[2]

علامہ عبد ربہ نے استیعاب میں، ابن سعد نے طبقات ج ۳ میں اور ابنِ شحنہ نے روضۃ المناظر ۲۳ھ کے واقعات میں حضرت عمر کی ان خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔

مولوی وحید الزماں خاں حیدر آبادی اس عمری بدعت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ بدعت لغوی کی دو قسمیں ہیں، حسنہ اور سیئہ۔ لیکن بدعتِ شرعی ہمیشہ سیئہ ہوتی ہے جیسے کہ حدیث میں ہے کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ بدعت شرعی کی تعریف علما نے یہ کی ہے کہ کوئی نئی بات ایسی نکالی جائے جس کی دلیل کتاب و سنت سے، نہ ہو۔[3]

تراویح سے متعلق اس عمری بدعت پر علمائے اہلِ سنت شاید اس لیے مطمئن اور عمل پیرا ہیں کہ ان کا خیال ہے کہ حضرت عمر نے اپنی تدبیر اور

۱؎ شرح بخاری ج ۳ ص ۲۴۲ ۲؎ تاریخ الخلفا ص ۵۳ ۳؎ انوار اللغۃ پ۲ ص ۱۹

حکمتِ عملی سے ایک ایسی چیز ایجاد کی جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود غافل تھے۔ یہ محض ایک خوش فہمی ہے ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ عمر خود احکامِ رسالت کی حکمت سے بے بہرہ تھے۔ پیغمبرؐ اسلام نے نماز مستحبات کو اس لیے غیر مشروع قرار دیا تھا کہ نماز مستحب کو انسان اپنے معبود سے مناجات کے لیے اختیاری طور پر ادا کرتا ہے۔ اسے ایسی تنہائی چاہیے جہاں وہ باقاعدہ گریہ وزاری، رغبت و خوف اور انابت و توبہ کے ساتھ مناجات کر سکے اور اس کے ساتھ ہی اجتماعی فائدہ یہ ہو کہ گھر کے بچے بھی نماز کے عادی بنیں۔ غالباً یہی سبب تھا کہ جب عبداللہ بن مسعود نے آنحضرتؐ سے سوال کیا کہ نماز گھر میں افضل ہے یا مسجد میں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میرا گھر مسجد سے ملحق ہے لیکن میں غیر واجب نمازیں گھر میں زیادہ پسند کرتا ہوں۔[1]

ابن ماجہ و ابن خزیمہ وغیرہ نے زید بن ثابت کے ذریعہ آنحضرتؐ سے روایت کی ہے کہ بعض نمازوں کے توسل سے اپنے گھروں کو بزرگ بناؤ اور بخاری و مسلم نے یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرتؐ نے نماز والے گھر کو زندہ اور اس گھر کو جو نماز سے محروم ہے مردہ قرار دیا ہے۔[2] جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کچھ نمازیں گھر میں پڑھ لیا کرو اس لیے کہ اس میں خیر و برکت ہے۔[3]

افسوس ہے کہ ان تمام احکام کے باوجود اپنی بدعت سے مسلمانوں کو ان تمام اجتماعی، مذہبی اور تربیتی فوائد سے محروم کر دیا جن کے لیے سرکار رسالتؐ نے نماز مستحب کو فرادیٰ قرار دیا تھا۔

۱؎ مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۴ ۲؎ بخاری ج ۱ ص ۹۰ و مسلم ج ۱ ص ۳۱۳ ۳؎ مؤطا، شرح سیوطی ج ۱ ص ۱۴۰

Presented by www.ziaraat.com

چار تکبیریں

پیغمبرؐ اسلام پانچ تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے لیکن حضرت نے اس نماز کو چار تکبیروں میں منحصر کر کے چار یاری بنا دیا۔ جیسا کہ علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء[1] اور ابن شحنہ نے روضۃ المناظر میں تحریر کیا ہے۔ امام احمد نے عبد الاعلیٰ سے روایت کی ہے کہ "زید بن ارقم نے ایک جنازے پر پانچ تکبیروں کے ساتھ نماز پڑھی تو ایک شخص نے اعتراض کیا کہ یہ حضرت عمر کے حکم کے خلاف ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسولؐ کے ساتھ یوں ہی پڑھی ہے لہٰذا میں اسے قیامت تک ترک نہیں کر سکتا۔[2] امام احمد نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ یحیٰ نے حذیفہ کے غلام عیسٰی کے ساتھ نماز پڑھی اور انھوں نے پانچ تکبیریں کہہ کر یہ اعلان کیا کہ میں نے سنّتِ رسولؐ پر عمل کیا ہے۔[3]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ سنت رسولؐ میں تبدیلی حضرت عمر کا بنیادی مقصد تھا۔

عمری جہالت اور علوی فراست

نمبر (۱) حضرت عمر نے ایک مجنون اور زانیہ عورت کو سنگساری کا حکم دیا لیکن امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اس عورت کو لوگوں سے چھڑا کر اس کی جان بچالی۔ حضرت کے اس فعل کی شکایت پر عمر نے آپ کو طلب کیا۔ آپ غصہ میں تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا تجھے نہیں معلوم کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجنون، نابالغ اور سوتا ہوا

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۵۳ [2] مسند احمد ج ۴ ص ۳۷۰ [3] مسند احمد ج ۵ ص ۴۰۶

شخص احکام سے مستثنیٰ ہے۔ عمر نے کہا ہاں یہ درست ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس عورت کا جنون ایک مشہور بات ہے اس لیے ممکن ہے کہ وہ وقتِ عمل بھی رہا ہو پھر یہ حد کس طرح جاری ہو سکتی ہے؟ عمر سخت شرمندہ ہوئے اور اپنی غلطی و جہالت کا اعتراف کیا۔ اس واقعہ کو امام احمد نے اپنی مسند میں درج کیا ہے۔

نمبر (۲) حضرت عمر کے پاس ایک زناکار عورت لائی گئی اور بلا تحقیق آپ نے سنگسار کیے جانے کا حکم جاری کر دیا۔ اس فیصلہ پر حضرت علی علیہ السلام نے عمر کو ٹوکا کہ تجھے تحقیق کرنا چاہیے تھا، شاید اس کے پاس کوئی عذر ہوتا۔ حضرت علیؑ کے اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے عمر نے اس کا بیان لیا تو اس نے بتایا کہ مجھ پر پیاس کا غلبہ تھا، میں نے ایک شخص سے پانی طلب کیا، اس نے بدنیتی کا مظاہرہ کیا، میں نے حتی الامکان صبر کیا، لیکن جب بالکل مجبور ہو گئی اور صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے لگا تو اس برے فعل پر تیار ہو گئی۔ یہ بیان سن کر عمر نے فرمایا کہ اللہ اکبر تو تو بہ نص قرآن حد سے مستثنیٰ ہے۔

اس واقعہ کو بیہقی نے سنن میں اور ابنِ قیم نے "الطریق حکمت فی السیاست الشرعیہ" میں نقل کیا ہے۔

نمبر (۳) ایک زناکار عورت، حضرت عمر کے پاس لائی گئی اور وہ حاملہ تھی لیکن حضرت عمر نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دے دیا تو معاذ نے توجہ دلائی کہ اگر عورت خطاکار ہے تو اس کے شکم میں جو بچہ ہے اس نے کیا خطا کی ہے؟ آپ نے فوراً اپنے حکم کو باطل قرار دیا اور فرمایا کہ عورتیں معاذ کا مثل پیدا کرنے سے قاصر ہیں۔ اس واقعہ کو محمد بن مخلد عطار نے فوائد میں نقل کیا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

نمبر (۴) ایک عورت نے حضرت عمر سے زنا کا اقرار کیا، اس موقع پر حضرت علی علیہ السلام موجود تھے، آپ نے فرمایا کہ اس کے انداز بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عورت حرمت زنا سے ناواقف تھی لہٰذا اس پر حد جاری نہیں ہو سکتی، چنانچہ حضرت علیؑ کے اس کہنے پر حد منسوخ کر دی گئی۔ اس واقعہ کو ابنِ قیم نے لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ "یہ حضرت علیؑ کی کمال فراست و دانش مندی کی دلیل ہے۔

نمبر (۵) حضرت عمر کی عدالت میں ایک شخص کے قتل کا معاملہ پیش ہوا جس میں ایک مرد اور ایک عورت کا ہاتھ تھا۔ عمر نے تشویش کا اظہار کیا تو حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اگر ایک سرقہ میں دو شریک ہوں تو کیا دونوں کے ہاتھ قطع نہ ہوں گے؟ عمر بولے ضرور ہوں گے۔ آپ نے فرمایا بس یہی حکم یہاں بھی جاری ہوگا۔ عمر نے تسلیم کیا۔ اس واقعہ کو احمد امین نے فجر الاسلام کے صفحہ ۲۳ پر رقم کیا ہے۔

نمبر (۶) حضرت عمر نے ایک عورت کو کچھ پوچھنے کے لیے طلب فرمایا تو خوف و دہشت سے اس کا حمل ساقط ہو گیا۔ حضرت عمر گھبرائے اور علماء و فقہاء سے مسئلہ دریافت کیا۔ سب نے کہا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر یہ حکم رعایتاً صادر ہوا ہے تو دھوکا اور اجتہاد ہے تو غلط ہے لہٰذا آپ پر شرعی فرض ہے کہ آپ ایک غلام آزاد کریں چنانچہ آپ نے اس مشورہ پر عمل کیا۔ اس واقعہ کو ابن ابی الحدید نے نقل کیا ہے۔ عمر کی خوف و دہشت کی ایسی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

نمبر (۷) قدامہ بن مظعون نے شراب پی تو انھیں پکڑ کر حضرت عمر کے پاس لایا گیا، انھوں نے اس پر حد جاری کرنے کا قصد کیا۔ قدامہ نے کہا کہ

یہ قرآن کے حکم کے خلاف ہے کیونکہ اس میں ہے کہ ایمان اور عمل صالح والوں کے لیے کھانے پینے پر کوئی بندش نہیں، میں مومن، متقی اور مجاہد ہوں۔ یہ سن کر حضرت عمر خاموش ہو گئے اور لوگوں سے مشورہ کرنے لگے۔ ابن عباس نے حرمت شراب کی آیت سے استدلال کیا اور کہا کہ کیا حرام کام کا انجام دینے والا شخص بھی متقی و پرہیزگار ہو سکتا ہے؟ اس پر حضرت عمر نے استفسار کیا اور اسّی کوڑوں کی سزا دی۔ اس واقعہ کو حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے۔

نمبر (۸) ایک عورت کو انصار کے ایک نوجوان سے عشق ہو گیا۔ اس نے اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے اس نوجوان کو اپنی گرفت میں لینا چاہا لیکن وہ کسی طرح رضامند نہ ہوا تو وہ عورت انتقام پر اتر آئی اور اس نے یہ تدبیر اختیار کی کہ انڈے کی سفیدی نکال کر اپنی شرمگاہ اور اس سے ملحق لباس پر مل لی اور اسی حالت میں عمر کے پاس جا کر یہ فریاد کی کہ فلاں شخص نے میری آبرو ریزی کی ہے۔ حضرت عمر نے اس نوجوان کو فوراً طلب کیا اور اس پر حد جاری کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اس نے صفائی پیش کرتے ہوئے کہا کہ آپ مجھے سزا دینے سے پہلے تفتیش کیوں نہیں کرتے کہ اس عورت کے بیان میں کہاں تک صداقت ہے۔ اس معاملے کے پیچ و خم کو سمجھنا حضرت عمر کے فہم و ادراک سے باہر تھا اس لیے یہ مسئلہ حضرت علیؑ کے سامنے رکھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس عورت کے لباس کو گرم پانی میں ڈال دیا جائے، چنانچہ اس کا لباس گرم پانی میں ڈالا گیا اور انڈے کی سفیدی اس کے لباس پر منجمد ہو گئی اور اس کی بدبو سے یہ آشکار ہو گیا کہ یہ انڈا ہے۔ تنبیہ پر اس عورت نے خود بھی اپنی اس حرکت کا اعتراف کر لیا اور وہ نوجوان عمر کی تازیانوں سے بچ گیا۔ اس واقعہ کو بھی ابن قیم نے الطرق الحکیمہ کے صفحہ ۴۸ پر مرقوم کیا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

نمبر (۹) ابن قیم نے اپنی کتاب میں یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ دو آدمیوں نے سو دینار ایک عورت کے پاس بطور امانت اس شرط کے ساتھ رکھے کہ وہ کسی ایک شخص کو تنہا واپس نہ کرے جب تک دوسرا شخص بھی موجود نہ ہو۔ ایک سال کے بعد ان میں سے ایک شخص آیا اور دوسرے شخص کی موت کا بہانہ کر کے وہ رقم اس عورت سے طلب کی۔ عورت نے شرط کی بنا پر انکار کیا لیکن اس شخص نے مختلف وسائل و ذرائع استعمال کر کے وہ رقم حاصل کر لی۔ دوسرے سال اس کا دوسرا ساتھی آیا اور اس نے بھی اپنی رقم کا مطالبہ کیا، عورت نے اس سے گزشتہ سال کا سارا واقعہ بیان کر دیا۔ اس شخص نے حضرت عمر کے روبرو فیصلہ کے لیے اس معاملہ کو رکھا، ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ عورت نے کہا کہ مجھے حضرت علیؑ کے پاس جانے دو اس کا فیصلہ وہی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مسئلہ وہاں پہنچا، حضرتؑ نے فرمایا کہ تیری یہی تو شرط تھی کہ مال تنہا واپس نہیں لے گا۔ اس نے کہا، ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر اپنے ساتھی کو لے آ اور اپنا مال واپس لے لے۔ وہ شخص اپنا سا منھ لے کر رہ گیا۔

تاریخ کے دامن میں اس قسم کے بے شمار واقعات موجود ہیں جن سے عمری جہالت اور علوی فراست کا پتہ چلتا ہے۔

(پانچواں باب)

شوریٰ، وفات، ازواج اور اولادیں

مجلسِ شوریٰ کی تشکیل اور اس کا لائحہ عمل

مغیرہ بن شعبہ کے پارسی غلام حضرت فیروز (ابولولو) کے آبدار اور تیز و تند خنجر نے جب حضرت عمر کے شکمی نہاں خانے کی تلاشی لی اور اس نتیجہ میں رونما ہونے والے کاری زخموں کی گہرائی نے آپ کو یقین دلایا کہ اب زندگی کا چراغ گل ہونے والا ہے تو آپ نے اپنے بعد کے خلیفہ کے لیے ایک مجلسِ شوریٰ تشکیل دی اور اس میں حضرت علیؑ ابن ابی طالب، حضرت عثمان بن عفان، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن عوام، سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبیداللہ کو نامزد کر کے ان پر یہ پابندی عائد کر دی کہ میرے مرنے کے بعد یہ لوگ تین دن کے اندر اپنے میں سے ایک کو خلیفہ چن لیں اور ان تین دنوں میں امامِ جماعت کا منصب صہیب کے سپرد رہے گا۔

اس کے بعد ارکانِ شوریٰ کے بارے میں اپنے خیالات ظاہر کیے۔ فرمایا کہ طلحہ زن مرید اور غرور کا پتلا ہے، اگر وہ خلیفہ ہوا تو خلافت کی انگوٹھی اپنی بیوی کو پہنا دے گا۔ سعد ایک درشت خو اور تند مزاج انسان ہے۔ زبیر غصہ کی حالت میں ہو تو کافر ہے۔ عبدالرحمٰن امت کا فرعون ہے۔ عثمان قبیلہ پرست اور کنبہ پرور ہیں انھیں اپنے قبیلے والوں کے علاوہ دوسرا

Presented by www.ziaraat.com

کوئی نظر ہی نہیں آتا۔ اب باقی رہے علیؑ، وہ اگر خلیفہ ہوئے تو خلافت کو صحیح راستے پر لے جائیں گے جو ہمیں منظور نہیں۔

اس اعتراف کا تقاضہ تو یہ تھا کہ آپ مجلس شوریٰ کی تشکیل کے بجائے اپنے اختیارات خصوصی سے کسی ایک شخص کو اپنی مرضی کے مطابق خلیفہ نامزد کر دیتے جیسا کہ حضرت ابوبکر نے آپ کے ساتھ کیا تھا۔ لیکن اعتراف کے باوجود آپ نے شوریٰ کی تشکیل اس لیے ضروری سمجھی کہ اس تشکیل میں بھی آپ کے مقصد کی تکمیل مضمر تھی اور اس کے ارکان، طریقۂ انتخاب، طریقۂ کار اور لائحہ عمل میں وہ تمام اسباب پنہاں تھے جن کے ذریعہ خلافت کا رُخ اسی طرف مڑ رہا تھا جدھر آپ موڑنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایک معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا انسان بھی آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اس مجلس شوریٰ کی تشکیل اور حکمتِ عملی میں حضرت عثمان کی کامیابی کے تمام اسباب فراہم تھے کیونکہ عبدالرحمٰن بن عوف عثمان کا بہنوئی[1] تھا اور سعد بن ابی وقاص عبدالرحمٰن کا عزیز و ہم قبیلہ تھا لہٰذا ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی عثمان کے خلاف تصور نہیں کیا جا سکتا۔ تیسرے طلحہ تھے جو عبدالرحمٰن اور عثمان کی طرف اس لیے مائل تھے کہ وہ حضرت علیؑ سے منحرف تھے کیونکہ یہ تیمی تھے اور ابوبکر کے خلیفہ ہو جانے کی وجہ سے بنی تیم اور بنی ہاشم میں نزاع کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ باقی رہے زبیر، وہ بفرض محال حضرت علیؑ کا ساتھ بھی دیتے تو ان کی تنہا رائے کی اہمیت ہی کیا تھی؟

---

۱ حضرت عثمان کی والدہ اروی بنت کریز پہلے عقبہ بن ابی معیط کی زوجیت میں تھیں جن سے ایک لڑکی ام کلثوم ہوئی اور وہ عبدالرحمٰن کو بیاہی گئی۔

حضرت عمر کی حکمتِ عملی نے انتخاب کا جو طریقہ تجویز کیا تھا وہ یہ تھا کہ اگر فریقین میں رائے دہندگان کی تعداد نصف نصف ہو یعنی تین ایک طرف اور تین دوسری طرف ہوں تو ایسی صورت میں عبداللہ بن عمر کو ثالث بنایا جائے اور جس فریق کے متعلق وہ حکم دیں وہی فریق اپنے میں خلیفہ کا انتخاب کرے اور اگر لوگ اس پر رضامند نہ ہوں تو عبداللہ بن عمر اس فریق کا ساتھ دیں جس کی طرف عبدالرحمٰن ہوں۔ اور اگر دوسرے لوگ اس کی مخالفت کریں تو انھیں اس متفقہ فیصلہ کی خلاف ورزی کے جرم میں قتل کر دیا جائے[1]۔

آپ (عمر) نے ایک طرف تو یہ کیا اور دوسری طرف یہ کیا کہ عبداللہ کو اس امر کی تاکید کر دی کہ اختلاف کی صورت میں تم عبدالرحمٰن کا ساتھ دینا[2]۔

اس کے بعد آپ نے ابوطلحہ انصاری کو حکم دیا کہ وہ پچاس شمشیر زن سپاہیوں کو لے کر ان چھ افراد کے سروں پر مسلط ہو جائیں اور انھیں کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہونے دیں۔ صہیب کو حکم دیا کہ خود نماز جماعت پڑھائیں اور جماعت کو ایک گھر میں بند کر دیں اور تلواریں ان کے سروں پر لٹکا دیں۔ اور اگر تین دن میں فیصلہ نہ ہو سکے تو سب کی گردنیں اڑا دی جائیں اور معاملہ عام مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ جسے مناسب سمجھیں اپنا خلیفہ بنا لیں[3]۔

حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی دوررس نگاہوں نے حضرت

---

۱ طبری ج ۳ ص ۲۹۴ ۲ طبری ج ۳ ص ۲۶۵ ۳ طبری ج ۳ ص ۲۹۲، کامل ج ۳ ص ۳۴، شرح ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۶۱

Presented by www.ziaraat.com

عمر کی اس حکمتِ عملی اور طریقۂ انتخاب کو قبل از وقت بھانپ لیا تھا کہ خلافت عثمان کی ہو گئی جیسا کہ آپ نے ابن عباس سے فرمایا:

"خلافت کا رخ ہم سے موڑ دیا گیا ہے۔ ابن عباس نے کہا یہ کیسے معلوم ہوا؟ فرمایا، میرے ساتھ عثمان کو بھی لگا دیا گیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اکثریت کا ساتھ دو اور اگر دو ایک پر اور دو ایک پر رضامند ہوں تو تم ان لوگوں کا ساتھ دو جن میں عبدالرحمٰن بن عوف ہیں چنانچہ سعد اپنے چچیرے بھائی عبدالرحمٰن کا ساتھ دے گا اور عبدالرحمٰن تو عثمان کا بہنوئی ہوتا ہی ہے۔"[1]

بہر کیف حضرت عمر کی وفات کے بعد حضرت عائشہ کے حجرہ میں یہ اجتماع ہوا اور دروازہ پر ابو طلحہ انصاری پچاس شمشیر بکف آدمیوں کے ساتھ آکر کھڑا ہو گیا۔ کارروائی کی ابتدا طلحہ نے کی اور اس نے کہا کہ گواہ رہنا، میں اپنا حق رائے دہندگی عثمان کے حوالے کرتا ہوں، اس پر زبیر نے اپنا حق رائے دہندگی حضرت علیؑ کو سونپ دیا۔ پھر سعد نے اپنی رائے عبدالرحمٰن کے حوالے کر دی، اب ارکانِ شوریٰ میں صرف حضرت علیؑ، عثمان اور عبدالرحمٰن رہ گئے۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں اس شرط پر اپنے حق سے دست بردار ہونے کو تیار ہوں کہ آپ دونوں (حضرت علیؑ اور عثمان) اپنے میں سے ایک کے انتخاب کا حق مجھے سونپ دیں یا آپ دونوں میں سے کوئی ایک دست بردار ہو کر یہ حق مجھ سے لے لے۔ یہ ایک ایسا جال تھا جس میں حضرت علیؑ بن ابی طالب کو ہر طرف سے جکڑ لیا گیا تھا۔ آپ یا تو دستبردار

[1] طبری ج ۳ ص ۲۹۴

ہو جاتے یا پھر عبدالرحمٰن کو اپنی من مانی کرنے دیتے۔ پہلی صورت آپ کے لیے ممکن ہی نہ تھی کہ حق سے دست بردار ہو کر آپ خود عثمان یا عبدالرحمٰن کو منتخب کرتے اس لیے آپ جمے رہے اور عبدالرحمٰن نے اپنے کو اس سے علیحدہ کر کے یہ اختیار سنبھال لیا اور حضرت علیؑ سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں اس شرط پر آپ کی بیعت کرتا ہوں کہ آپ کتابِ خدا، سنت رسولؐ اور سیرتِ شیخین پر عمل پیرا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں سیرت شیخین (ابوبکر اور عمر کی سیرت) پر عمل نہیں کروں گا بلکہ کتابِ خدا اور سنت رسولؐ کے ساتھ اپنے مسلک پر چلوں گا۔ تین مرتبہ دریافت کرنے کے بعد جب امیرالمومنین حضرت علیؑ کی طرف سے یہی جواب ملا تو حضرت عثمان کے سامنے بھی یہی شرطیں رکھی گئیں، ان کے لیے انکار کی کوئی وجہ نہ تھی۔ انھوں نے عبدالرحمٰن کی شرطوں کو مان لیا اور ان کی بیعت ہو گئی۔

اس طرح حضرت عمر کی سیاسی حکمتِ عملی اور غلط طریقۂ کار نے خلافت کی باگ ڈور بنی امیہ کی ایک ایسی فرد کے ہاتھوں میں سونپ دی جس کی کنبہ پروری نے اسلام کا بیڑا ہی غرق کر دیا۔

حضرت عمر کی وفات

مغیرہ[1] بن شعبہ کے پارسی غلام فیروز (ابولولو) نے مدینہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس کا پیشہ نجاری، نقاشی اور آہن گری تھا۔ ایک دن وہ

[1] مغیرہ بن شعبہ معاویہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر اور ایک بدکردار صحابی تھا اور اسی نے معاویہ کو یزید کی ولی عہدی کا مشورہ دیا تھا۔

Presented by www.ziaraat.com

حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے اس امر کی شکایت کی کہ میرے آقا نے مجھ پر زیادہ ٹیکس لگا رکھا ہے، آپ اسے کم کرا دیں۔ حضرت عمر نے پوچھا ٹیکس کتنا ہے؟ کہا دو درہم روزانہ۔ پوچھا تیرا پیشہ کیا ہے؟ کہا، نجاری، نقاشی اور آہن گری۔ فرمایا، ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ ٹیکس زیادہ نہیں ہے۔ اس پر فیروز دل ہی دل میں سخت ناراض ہوا اور چلا آیا۔ اس کے بعد ایک دن حضرت عمر نے اسے پھر طلب کیا اور اس سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم ہوائی چکی بھی بنا لیتے ہو؟ اس نے کہا ہاں! بولے، پھر مجھے بھی ایک ایسی چکی بنا دو جو ہوا سے چلتی رہے۔ اس نے کہا میں آپ کے لیے ایسی چکی بناؤں گا جس کا چرچا مغرب تا مشرق ہر جگہ ہوتا رہے۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا تو حضرت عمر نے لوگوں سے کہا کہ یہ نوجوان مجھے دھمکی دے کر گیا ہے۔[1]

دوسرے دن صبح کی نماز کے وقت مسجد میں ابو لولو نے اپنے تیز و تند دو دھاری خنجر سے حضرت عمر پر چھ وار کیے جن میں سے ایک کاری وار زیر ناف لگا جس نے گردوں اور آنتوں کا پوسٹ مارٹم کر کے رکھ دیا۔ فوراً طبیب کو بلایا گیا اس نے آپ کو نبیذ[2] پلائی جو زخم کے راستے سے باہر نکل پڑی اور لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب جانبر نہیں ہو سکتے۔ یہ واقعہ ۲۶ ذی الحجہ سنہ ۲۳ھ ہجری مطابق سنہ ۶۴۴ء کا ہے۔ تین دن بعد یکم محرم سنہ ۲۴ھ کو حضرت عمر دنیا سے رخصت ہوئے۔ آپ کی مدت خلافت دس برس چھ ماہ اور چار دن بتائی جاتی ہے۔

۱ے تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۳۶، ۱۳۷ ۲ے نبیذ وہ شراب ہے جو خرما اور جو سے تیار کی جاتی ہے۔ (لغات کشوری ص ۷۶۹)

ازواج

سات عورتوں کا حضرت عمر کی زوجیت میں آنا تاریخی اعتبار سے ثابت ہے۔ آپ کی پہلی بیوی کا نام زینب بنت مظعون تھا، دوسری بیوی قریبہ بنت ابی امیۃ المخزومی اور تیسری بیوی ملیکہ بنت جرول خزاعی تھیں جن کی کنیت ام کلثوم تھی۔ قریبہ کا تعلق قبیلۂ قریش اور ملیکہ کا تعلق قبیلۂ خزاعہ سے تھا لیکن ان دونوں بیویوں کو حضرت عمر نے سنہ ۶ھ میں طلاق دے دی تھی۔ سنہ ۷ھ میں مدینہ آ کر حضرت عمر نے عاصم بن ثابت کی صاحبزادی جمیلہ سے (جن کا اصل نام عاصبہ تھا) عقد کیا لیکن بدقسمتی سے وہ بھی طلاق کی زد میں آگئیں۔ معلوم نہیں آپ بیویوں کو اس کثرت سے طلاق کیوں دیتے تھے؟ جب کہ مخصوص حالات کے بغیر نہ تو اسلام طلاق کا ہمنوا ہے اور نہ خدا و رسولؐ کی اس کو حمایت حاصل ہے۔

سنہ ۱۲ھ میں آپ نے اپنی چچیری بہن عاتکہ بنت زید سے عقد کیا۔ حضرت عمر کی ایک بیوی ام حکیم تھیں جو حارث بن ہشام کی بیٹی تھیں اور ایک زوجہ کا نام فکیہہ یمنیہ تھا جن کے والدین اور نسب کے بارے میں پتہ نہیں چلتا۔

(ماخوذ از انسائیکلو پیڈیا آف اسلام)

اولادیں

آپ کی لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہے لیکن ان میں حفصہ زیادہ مشہور و ممتاز ہیں جو اپنے سابق شوہر خنیس کے انتقال کے بعد رسولؐ کے عقد میں آئیں لیکن کچھ خاص وجوہات کی بنا پر حضرت رسولِ خدا نے انھیں طلاق

Presented by www.ziaraat.com

دے کر اپنے سے علیحدہ کر دیا تھا۔ حفصہ اور عبداللہ دونوں حقیقی بھائی بہن اور زینب بنت مظعون کے بطن سے تھے باقی مختلف بیویوں سے چھ اولادیں اور بھی تھیں جن کے نام بالترتیب عبیداللہ، عاصم، ابو شحمہ، عبدالرحمٰن، زید اور مجیر کتابوں میں مرقوم ملتے ہیں۔

عبداللہ فقہ اور حدیث کے علماء میں شمار ہوتے تھے۔ عبیداللہ اپنے باپ کی طرح پہلوانی کی طرف رجوع تھے، ابو شحمہ کو شراب پینے کی لت تھی جس کی پاداش میں حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں اپنے ہاتھ سے اسّی کوڑے بھی لگائے تھے، باقی اولادوں کا مشغلہ کیا تھا؟ اللہ جانے!

چھٹا باب

حضرت عثمان بن عفان

نام و نسب

آپ کا نام عثمان اور کنیت ابو عبداللہ و ابو عمر تھی، القاب میں غنی اور ذوالنورین بنی امیہ کا عطیہ ہیں۔ نعثل کا خطاب ام المومنین عائشہ نے مرحمت فرمایا۔

آپ کے والد کا نام عفان بن ابو العاص بن امیہ اور والدہ کا نام اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدالشمس تھا۔

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ آپ کا نسبی سلسلہ پانچویں پشت میں حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسلک ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بات اس لیے قرینِ قیاس نہیں ہے کہ آپ کا خاندانی تعلق براہِ راست بنی امیہ سے ہے اور اموی خاندان کا بانی امیہ عبدالشمس کا بیٹا نہیں بلکہ ایک رومی غلام تھا اور اس کا اصل نام ذکوان تھا۔ ولدیت نامعلوم ہونے اور پست، حقیر و کمتر ہونے کی وجہ سے لوگ اسے امیہ[1] کہہ کر پکارتے تھے چنانچہ وہ اسی نام سے مشہور ہو گیا اور اسی نام کی نسبت سے اس کی اولاد بنی امیہ کہلائی۔ جیساکہ

---

[1] امیہ کے معنی چھوٹی لونڈی کے ہیں۔

Presented by www.ziaraat.com

علامہ ابن حجر عسقلانی نے تحریر فرمایا ہے:

"جب ثعلب معاویہ کے دربار میں پہنچے تو انھوں نے گفتگو کے دوران کہا کہ تم لوگ جھوٹا دعویٰ کرتے ہو کہ امیہ عبد الشمس کا بیٹا تھا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ذکوان نامی عبد الشمس کا غلام تھا" جسے پست اور حقیر سمجھ کر لوگ امیہ کہتے تھے۔[1]"

ثعلب کے اس قول کی تصدیق شریک بن عوز اور معاویہ کے مابین ہونے والے مناظرہ سے بھی ہوتی ہے۔[2] اور یہی حضرت دغفل (صحابیٔ رسولؐ) اور معاویہ کے مکالمہ میں بھی ہے، جسے یہاں نقل کر دینا مناسب ہے۔

معاویہ: کیا آپ نے عبد المطلب کو دیکھا ہے؟

دغفل: ہاں! وہ بہت لحیم شحیم اور بہادر تھے اور انھیں ان کے فرزندان ستاروں کے مانند گھیرے رہتے تھے۔

معاویہ: کیا آپ نے امیہ کو بھی دیکھا ہے؟

دغفل: ہاں! وہ پستہ قد، کرنجا، چندھا اور انتہائی بدشکل ہونے کے ساتھ ساتھ عبد الشمس کا غلام بھی تھا۔

معاویہ: نہیں، وہ عبد الشمس کا بیٹا تھا۔

دغفل: تم لوگ یہی کہتے ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ عبد الشمس کا غلام تھا، اس کا اصل نام ذکوان تھا اور اسی کو امیہ کہتے ہیں۔[3]

حسان بن ثابت نے بھی امیہ کو عبد الشمس کی اولاد تسلیم نہیں کیا۔ اور بنی امیہ

---

۱ اصابہ ج ۱ ص ۶۱۵ ۲ ثمرۃ الاوراق ص ۴۵ ۳ روضۃ الانف سہیلی ص ۴۵ ۴ دیوان حسان ص ۹۱

کے بارے میں روضۃ المناظر میں ہے کہ شجرۂ ملعونہ فی القرآن سے مراد بنی امیہ ہیں۔[1] فتح الباری میں ہے کہ بنی امیہ کی زنا کار عورتیں اپنے گھروں پر "رایتِ زنا" لہراتی تھیں۔[2]

بہر حال ان تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ امیہ عبد الشمس کا بیٹا نہیں تھا بلکہ وہ ایک مجہول النسب غلام تھا۔ ایسی صورت میں حضرت عثمان رسول اکرمؐ کے سلسلۂ نسب میں کیونکر شمار کیے جا سکتے ہیں؟ البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک پست، حقیر اور ذلیل خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔

عثمانی خانوادہ

حضرت عثمان کے باپ عفان بن العاص سے اپنا دل بہلانے کے لیے لوگ مخنث کا کام لیا کرتے تھے۔[3] سوتیلا باپ عقبہ ابن معیط[4] شراب خانہ چلاتا تھا۔ آپ کی بہن آمنہ مشاطہ گری کرتی تھی، بہنوئی حکم بن کنان قبیلۂ بنی مخزوم کا حجام تھا، چچا حکم بن العاص جانوروں کو بدھیا (خصی) کیا کرتا تھا اور نانا عامر بن کریز قصائی تھا۔[5]

---

۱ روضۃ المناظر بر حاشیہ کامل ج ۱ ص ۸۵ ۲ فتح الباری ج ۵ ص ۶۵
۳ خلفائے ثلاثہ حصہ سوم ص ۱۰ بحوالہ مثالب بنی امیہ ۴ امیہ نے اپنی بیوی اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے عمر کو بیاہ دی تھی جس سے ابو معیط پیدا ہوا۔
۵ اصابہ فی معرفت الصحابہ ج ۱ ص ۱۴، ۱۷، حیواۃ الحیوان دمیری از کمال الدین حصہ اول ص ۱۹۶ مطبوعہ مصر ۱۳۵۳ھ

Presented by www.ziaraat.com

اروٰی بنت کریز

اروٰی بنت کریز آپ کی والدہ ہونے کے ساتھ ساتھ ولید بن عقبہ کی والدہ بھی تھیں اور یہ ولید وہی ہے جسے فاسق و فاجر قرار دیا گیا تھا، لیکن آپ نے اسے کوفہ کی گورنری کا عہدہ عطا کیا۔ اسی ولید کی پستی کے بارے میں مسعودی کا بیان ہے کہ ولید دوسروں پر الزام تراشی کیا کرتا تھا چنانچہ ایک بار اس سے جناب عقیل ابن ابو طالب نے فرمایا کہ تو دوسروں پر الزام تراشی کے بجائے اپنے کو کیوں نہیں دیکھتا کہ تو خود کیا ہے؟ تو اہلِ صفوریہ[ع] کا لدّو گدھا ہے[1]۔ اسی طرح حضرت امام حسن علیہ السلام نے ایک موقع پر فرمایا، تو ایک صفوریہ والے کا نطفہ ہے[2]۔

معلوم ہوا کہ ولید صفوریہ کے کسی یہودی کا نطفہ تھا اور چونکہ عثمان کی ماں اروٰی اس زمانے میں عقبہ بن ابی معیط کی بیوی تھیں اس لیے ولید عقبہ کی طرف منسوب ہو گیا۔ یہ بات قرین قیاس اس لیے ہے کہ دورِ جاہلیت میں زنا کاری کا مشغلہ عام تھا اور خصوصی طور پر بنی امیہ کا یہ طرۂ امتیاز تھا، لہٰذا حضرت عثمان کی والدہ کا عقبہ کی زوجیت میں رہ کر زنا کاری کے ذریعہ حرامی اولاد پیدا کرنا تعجب خیز نہیں ہے۔

حضرت عثمان کا خاندانی پس منظر یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ پدری اور

ع صفوریہ ایک گاؤں کا نام ہے جو طبریہ میں اردن کا علاقہ ہے جہاں ولید کے یہودی آباء و اجداد آباد تھے۔

[1] مروج الذہب حصہ دوم اردو ص ۲۷۲ [2] مقتل حسین خوارزمی ج ۱ ص ۱۱۹

مادری دونوں سلسلوں سے مجہول النسب ہیں۔ دوسرے ان کے نام عثمان سے بھی نسب کی خرابی کا پتہ چلتا ہے۔ اس لیے کہ "عثمان" کا مادہ "عثم" ہے اور تاج العروس شرح قاموس ج ۸ ص ۳۱۸ کے مطابق ٹوٹی ہوئی ہڈی کا جوڑ صحیح نہ بیٹھ کر ٹیڑھے رہنے کو عثم کہتے ہیں اور "الف و نون" اس میں نسبت کا ہے۔ چونکہ باپ مخنث (نامرد) تھا اور ماں فاحشہ، اس لیے یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ حضرت عثمان اروٰی بنت کریز کی گود میں کیونکر پہنچے اور ابن عفان کیونکر بن گئے؟ شاید اسی لیے والدین نے نام بھی ایسا چھانٹ کر رکھا کہ نام عثمان سنتے ہی انسان ان کا بے جوڑ نسب سمجھ لے۔ اور اگر لفظ "عثم" سے قطع نظر کی جائے تو لفظ عثمان کے چند معانی اور بھی ہیں (۱) سانپ کا بچہ (۲) اژدہے کا بچہ (۳) سرخاب کا پٹھا۔ ان تینوں معانی سے بھی آدمیت نہیں پائی جاتی۔ اور چوں کہ قاتلانِ مومنین اور موذیان بانیٔ اسلام کی سفارشیں کر کر کے ان کی جانیں بچانا ان کا شعارِ خاص تھا اس لیے معانی اول و دوم پورے منطبق ہو گئے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو ان کے سلسلۂ نسب مشہورہ کے دو، چار پشت کے نام ذلت و رسوائی کا پتہ دیتے ہیں۔ مثلاً باپ کا نام عفان یعنی عفونت سے بھرا ہوا، دادا کا نام عاص یعنی گنہگار، پردادا کا نام امیہ یعنی ذلیل و کمینی کنیز اور سکڑ دادا کا نام عبد الشمس یعنی سورج کا بندہ یا سورج کا غلام۔

غرض کہ جیسے کہ حضرت ابو بکر و عمر شریف تھے کہ پہلے صاحب چڑیمار زادے اور دوسرے صاحب چرواہے زادے یا لکڑہارے زادے ویسے ہی آپ کے والد ماجد ڈفالی اور مخنث پیشہ شریف تھے اور جملہ مجہول و معیوب الانساب میں آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ باپ کے مجہول ہونے کے

Presented by www.ziaraat.com

علاوہ آپ کی ماں بھی مجہول الاسم تھیں۔

پیدائش

حضرت ابوبکر اور عمر کی طرح حضرت عثمان کی تاریخ پیدائش پر بھی پردے پڑے ہوئے ہیں اور یہ کوئی نہیں جانتا کہ آپ کس تاریخ کو اس دنیا میں وارد ہوئے۔ مورخین کا صرف یہ کہنا ہے کہ آپ واقعۂ فیل کے چھ برس بعد اور ہجرت نبوی سے ستائیس برس قبل پیدا ہوئے۔ یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ کہاں پیدا ہوئے؟ بعض کا خیال ہے کہ آپ کی جائے پیدائش طائف ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ ۵۷۶ء میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش اور سِن پر تبصرہ کرتے ہوئے مصری مورخ ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے کیا ہی اچھی بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"کوئی صاحب آپ کو ۶۳ برس ہی کا بتاتے ہیں محض اس خیال سے کہ حضرت عثمان کا شمار بھی ۶۳ برس کی عمر میں مرنے والوں میں ہوجائے اور ان کو رسولؐ کا ہم عمر بنا دیا جائے"۔[1]

حلیہ

خوب صورت چہرہ پر چیچک کے بدنما داغ، بل کھائے ہوئے خمدار ابرو، ضرورت سے زیادہ اونچی اور ناموزوں ناک، عقابی آنکھیں، میانہ قد،

[1] "عثمان" ترجمہ الفتنۃ الکبریٰ ص ۶۸ مطبوعہ بمبئی

زردی لیے ہوئے گورا رنگ، نعثل[عہ] کی طرح گھنی اور لمبی داڑھی، دوش پر لہراتی ہوئی دراز زلفیں، سونے کے تاروں سے بندھے ہوئے بے ترتیب دانت، نرم و نازک جلد پر بالوں کی کثرت اور کمر کا نچلا حصہ بھاری۔[1]

یہ ہے عثمانی حلیہ جو مورخین کے قلم کا مرہون منت ہے۔

ابتدائی حالات

تاریخ ہمیشہ ان لوگوں کے ابتدائی حالات قلمبند کرتی ہے جنھوں نے ابتدا ہی میں اپنے صفات و کمالات کی بنا پر وقت اور تاریخ کے دھارے کو اپنی طرف موڑ لیا ہو یا کوئی شخص ملک و قوم کے لیے ایسی قربانیاں پیش کرے جو تاریخ کا جز بن جائیں، یا پھر کوئی شخص کسی اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ کر خود اپنے ابتدائی حالات کا تذکرہ کرے اور وہ اتنی ہمہ گیری و اہمیت کا حامل ہو کہ تاریخ خود بڑھ کر اس تذکرے کو اپنے دامن میں سمیٹنے کے لیے مجبور ہو جائے مگر یہ صورت اسی وقت ممکن ہے جب تذکرہ کرنے والا شخص خود اپنے ابتدائی حالات سے شرمندہ نہ ہو۔ اور شاید یہی وجہ ہے تاریخ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی طرح حضرت عثمان کے ابتدائی حالات کو مثبت انداز میں بیان کرنے سے قاصر ہے جیسا کہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے تحریر کیا ہے کہ "حضرت عثمان کے ابتدائی حالات بعض دوسرے

[عہ] نعثل۔ قاموس میں نعثل کے معنی نر بجو اور بوڑھے احمق کے ہیں اور مدینہ میں ایک یہودی کا نام بھی نعثل تھا جس کی داڑھی بہت گھنی اور لمبی تھی۔

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷، طبری ج ۳ اور طبقات ابن سعد ج ۳

Presented by www.ziaraat.com

صحابہ کی طرح تاریخ کی گرفت سے باہر اور عہدِ جاہلیت کی تاریکی میں ہیں۔[1] یا جیسا کہ معین الدین ندوی نے تحریر فرمایا ہے کہ "بچپن اور سن رشد کے حالات پردۂ خفا میں ہیں"۔[2] تاریخ کامل ابن اثیر میں خود حضرت عثمان کا یہ قول ہے کہ میں ایسے خاندان سے ہوں جو قلیل المعاش اور فقر و فاقہ کا گہوارہ تھا۔

تعلیم و تربیت اور پیشہ

حضرت عثمان کی تعلیم کیا تھی اور آپ کا معلم کون تھا؟ اس کے جواب میں تاریخ خاموش ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے بھی لکھا ہے کہ حضرت عثمان کی تعلیم پر عہد جاہلیت کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔

لیکن اس کے باوجود بعض عثمان پرست سنی علماء کے قلم نے محض قیاس و قرائن کی بنیاد پر آپ کو پڑھا لکھا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جیسا کہ معین الدین ندوی نے اپنی کتاب خلفائے راشدین میں تحریر فرمایا ہے کہ:

"قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں (عثمان) نے عام عربوں کے خلاف اسی زمانہ میں کچھ پڑھنا لکھنا سیکھ لیا تھا۔"[3]

آپ کی ابتدائی تربیت کن حالات میں ہوئی؟ اس سلسلہ میں بھی تاریخیں خاموش ہیں لیکن اس کا اندازہ اس لیے محال نہیں ہے کہ بقول عثمان ان کا خاندان ایک قلیل المعاش اور فاقہ کش خاندان تھا

---

[1] عثمان ص ۶۷، مطبوعہ بمبئی [2] و [3] خلفائے راشدین ص ۱۸۴ مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ

لہٰذا ایسے خاندان میں عمومی طور پر بچوں کی جو تربیت ہوتی ہے وہ ظاہر ہے یا پھر "عثمانی خانوادہ" کے عنوان سے آپ کے خاندانی افراد کے مشاغل کی جو تفصیل ہم اوپر تحریر کر چکے ہیں، اس سے ہر ذی فہم انسان اس بات کا اندازہ بخوبی لگا سکتا ہے کہ آپ کی تربیت کیسی ہوگی؟

پیشہ کے بارے میں صرف اتنا ہی کافی ہوگا کہ آپ کی ذہنیت ابتدا ہی سے تاجرانہ تھی اور جب سن شعور کی منزل میں قدم رکھا تو تجارت کی طرف مائل ہوئے اور اپنی منافع خوری کی بدولت خوب دولت حاصل کی طبقات ابن سعد حصہ سوم میں ہے کہ آپ اپنا تجارتی مال نفع کی شرکت (مضاربت) پر لوگوں کو دیا کرتے تھے۔ مسند احمد بن حنبل ج اول میں ہے کہ جب آپ مدینہ میں آئے تو وہاں کھجوریں بیچا کرتے تھے۔

پوشاک و خوراک

آپ کو شاید "زردی" زیادہ پسند تھی اس لیے آپ ہمیشہ گہرے زرد رنگ کی پوشاک اپنے لیے منتخب کیا کرتے تھے۔ تہ بند، کرتا، پگڑی اور موزہ سب زرد۔ کبھی کبھی آپ کے جسم پر شوخ و سرخ لباس بھی نظر آتا تھا اور کبھی کبھی اپنی بیوی (نائلہ) کی یمنی چادر اوڑھ کر برآمد ہوتے تھے جس کی قیمت تقریباً دو سو درہم بتائی جاتی ہے

کھانے اور "پینے" کے بھی بے حد شوقین تھے۔ گھی، دودھ، انڈا، اور طیور و دنبوں کا گوشت آپ کی مرغوب غذا تھی۔

عثمانی اسلام

حضرت ابوبکر اور عمر کے مشرف بہ اسلام ہونے کی

Presented by www.ziaraat.com

جو وجوہات تھیں انھیں تفصیل کے ساتھ ہم الخلفاء حصہ اول میں تحریر کر چکے ہیں، تقریباً وہی صورت عثمانی اسلام کی بھی ہے۔ مورخین کا خیال ہے کہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت اور اقتدار کی ہمہ گیری نے آپ کو اپنی طرف متوجہ کیا اور آپ کے اس اقدام میں ابو بکر کا مشورہ بھی شامل ہے جیسا کہ عبدالحئی فاروقی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ آپ کے تعلقات ایام جاہلیت میں حضرت ابو بکر سے دوستانہ تھے، ایک روز (آپ) حضرت ابو بکر سے ملنے آئے تو اسلام کی بابت گفتگو ہوئی اور آپ نے قبول اسلام کی آمادگی ظاہر کی۔ اور خلفائے راشدین میں یہ عبارت مرقوم ہے کہ:

"ایامِ جاہلیت میں ابو بکر و عمر سے آپ کا ارتباط تھا اور آپس میں اکثر مخلصانہ صحبت رہتی تھی۔ ایک روز جب آپ ابو بکر کے پاس آئے اور اسلام کے متعلق گفتگو شروع ہوئی تو آپ اسلام قبول کرنے پر رضامند ہو گئے۔"[1]

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی کتاب الفتنۃ الکبریٰ کے اردو ترجمہ "عثمان" سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ آپ کی خالہ سعدی نے نبی کریم صلعم سے متعلق آپ سے کچھ باتیں کیں اور آپ کو (اسلام کی) رغبت دلائی۔ یہ کاہنہ تھیں اور غیب کی باتیں بتاتی تھیں۔[2]

معلوم ہوا کہ حضرت عثمان برضا و رغبت اپنی خوشی سے اسلام کی طرف مائل نہیں ہوئے بلکہ آپ کی کاہنہ خالہ سعدی کی پیشین گوئی نے آپ کی ہوس آمیز فطرت کو ابھارا۔ دولت و اقتدار کی خواہش نے مستقبل کا

۱؎ خلفائے راشدین ص ۱۸۴ ۲؎ عثمان ص ۶۹

آئینہ دکھایا اور ابو بکر و عمر کے سفاکانہ مشوروں نے مجبور کیا تو آپ نے اسلامی قلادہ اپنی گردن میں ڈال لیا تاکہ ثلاثہ پلان کے تحت ایک دوسرے کے مفاد کی تکمیل ممکن ہو سکے۔

کفار مکہ کا ریلا اور آپ کی ہجرت

دائرۂ اسلام میں قدم رکھتے ہی کفار مکہ نے آپ کو ایسا ریلا دیا کہ آپ کے حواس باختہ ہو گئے۔ اسلام لانے کی پاداش میں آپ کے چچا حکم بن ابی العاص نے آپ کو ایک مکان میں قید کر دیا تھا لیکن آپ کسی طرح نکل بھاگے۔

کفار کی بڑھتی ہوئی یورش اور مسلمانوں کے درمیان سر اٹھاتی ہوئی سراسیمگی کو دیکھ کر پیغمبر اسلامؐ نے کچھ لوگوں کے ساتھ آپ کو بھی حبشہ کی طرف مہاجرت کا حکم دیا اور اسی حکم کے تحت آپ کفار مکہ سے بچ کر بعثت نبوی کے پانچویں سال ماہ رجب میں حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس وقت حبشہ پر عیسائیوں کا تصرف تھا اور اس کا بادشاہ نجاشی تھا جس کا اصل نام اصحمہ بن بحری تھا۔

آپ کا قافلہ ۱۱ مردوں اور ۴ عورتوں پر مشتمل تھا۔ مردوں میں آپ کے علاوہ زبیر بن عوام، عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف، مصعب بن عمیر، ابو سلمہ بن عبدالاسد، عثمان بن مظعون، عامر بن ربیعہ، سہیل بن بیضاء، حاطب بن عمر اور ابو حذیفہ بن عتبہ شامل تھے۔ اور عورتوں میں آپ کی زوجہ رقیہ کے علاوہ ابو سلمہ کی بیوی ام سلمہ، عامر کی زوجہ لیلیٰ اور ابو حذیفہ

Presented by www.ziaraat.com

کی بیوی سہیلہ کے نام کتب تواریخ میں درج ہیں[1]۔ طبری کے یہاں ان
پندرہ ناموں کے علاوہ ابوسبرہ بن ابی رہم کے نام کا اضافہ ملتا ہے۔

حضرت عثمان نے شعبان اور رمضان کا مہینہ حبشہ میں گزارا اور جب ان تک یہ افواہ پہنچی کہ کفار قریش مسلمان ہو گئے ہیں تو وہ ماہ شوال میں حبشہ سے واپس آ گئے۔ مگر مکہ کے قریب آ کر جب ان پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ کفار پہلے سے بھی زیادہ دشمنی پر آمادہ ہو گئے ہیں تو وہ دشمنوں سے بچنے کے لیے مخفی طور پر ایسی جگہ سکونت پذیر ہوئے جہاں انھیں پناہ مل سکتی تھی[2]۔

مواخاۃ

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور پانچ یا آٹھ ماہ کے بعد وہاں کے لوگ مسلمان ہوئے تو آپ نے انصار و مہاجرین کے درمیان رشتۂ اخوت قائم کیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ مہاجرین مکہ پر افسردگی طاری ہو گئی تھی وہ اس آب و ہوا کے عادی نہ تھے۔ بہت سے لوگ بیمار پڑ گئے اور بیماری، کمزوری اور ناتوانی میں انھیں اپنے آبائی وطن مکہ کی یاد ستانے لگی۔

چنانچہ آنحضرتؐ نے ان کے آرام و تسلی کا خیال کرتے ہوئے انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ (عقد مواخات) قائم کیا۔ اس مواخات

---

[1] ابوالفدا ج۱ ص ۱۸۸۔ ابن سحنہ جلد اول ص ۱۳۴، ثمرۃ الاوراق ج۱ ص ۱۰۸

[2] (دیکھیے) روضۃ الاحباب، تاریخ طبری اور تاریخ الخمیس

کے ذریعہ حضرت ابوبکر خارجہ بن زید کے، حضرت عمر عتبان بن مالک کے بھائی قرار پائے۔ اور جب تمام مہاجرین و انصار میں بھائی چارہ قائم ہو چکا تو حضرت علیؑ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ میں تو یوں ہی رہ گیا، اس پر آنحضرتؐ نے یہ فرمایا کہ اے علیؑ! تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی وصی اور جانشیں ہو۔

واضح رہے کہ ہجرت سے قبل مکہ میں بھی ایک بار رسول اکرمؐ نے مواخات قائم کیا تھا اور اس مواخات میں ابوبکر و عمر، عثمان و عبدالرحمن بن عوف اور طلحہ و زبیر میں بھائی چارے کی داغ بیل پڑی تھی۔ اس وقت بھی آنحضرت نے حضرت علیؑ کے بارے میں یہی فرمایا تھا کہ یا علیؑ! میرے بھائی تم ہو۔

غزوات میں عثمانی حصہ

قتال و جہاد کے ذیل میں یہ تجزیہ ضروری ہے کہ "ثلاثہ کمیٹی" کے آخری رکن حضرت عثمان نے دورِ رسالت کے اسلامی غزوات میں کیا حصہ لیا؛ جب کہ جہاد کے بارے میں قرآنی ارشادات حسب ذیل ہیں:

"مسلمانو! خدا کی راہ میں جہاد کرو اور یہ جان لو کہ خدا سب کچھ سنتا اور جانتا ہے"۔ (بقرہ آیت ۲۴۴)

"کیوں قتال نہیں کرتے تم اس قوم سے جس نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسولؐ کو نکالنے کا تہیہ کر لیا۔ اور پھر اسی قوم کے لوگوں نے تم سے (پہلے پہل) چھیڑ کی۔ کیا تم لوگ ان سے ڈرتے ہو؟ بس اگر تم مومن ہو تو خدا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو"۔

(توبہ آیت ۱۳ و ۱۴)

"جب تمھیں حکم دیا جائے تو فوراً چل پڑو اور اپنی جانوں اور

Presented by www.ziaraat.com

اپنے مالوں سے خدا کی راہ میں جہاد کرو اگر تم کچھ جانتے ہو تو سمجھ لو کہ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔" (توبہ آیت ۴۱)

"ایمان والو! جب تم میدان میں کفار سے لڑو تو ان کی طرف ہرگز ہرگز پیٹھ نہ پھیرو ...... اور جو شخص بھی اس دن کفار کی طرف پیٹھ پھیرے گا تو وہ (سمجھ لے کہ) خدا کے غضب میں آگیا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے جو (یقیناً) برا ٹھکانہ ہے۔" (انفال آیت ۱۶)

ظاہر ہے کہ ان احکامات الٰہیہ کے خلاف عمل کرنے والا شخص اللہ، رسولؐ اور اسلام کی نظروں میں کافر قرار پائے گا لیکن اس کے باوجود تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان نہ صرف بعض اسلامی غزوات سے کنارہ کش رہے بلکہ فرار بھی اختیار کرتے رہے۔ حضرت عثمان تو ایک اہم معرکہ میں اپنے پیش رو صحابہ (ابوبکر و عمر) سے بھاگنے میں چار قدم آگے نکل گئے اور آتش کارزار سرد ہونے کے بعد تیسرے دن واپس پلٹے[1]۔ اس کا اجمالی تذکرہ آگے ہوگا، فی الحال ابتدا ہم پہلی اسلامی جنگ سے کریں گے تاکہ ساری حقیقت کھل کر سامنے آجائے۔

جنگِ بدر

یہ جنگ اسلام اور کفر کے درمیان پہلی جنگ ہے اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اگر ایک طرف سے پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ تمام صحابہ موجود تھے تو دوسری طرف کفار کے لشکر میں تمام سردارانِ قریش شامل تھے۔

۱۔ شرح تجرید علامہ قوشجی ص ۳۸۷

یہ جنگ سنہ ۲ھ میں مدینہ سے ۸۰ میل کی دوری پر واقع بدر نامی ایک گاؤں کے قریب لڑی گئی اور اس جنگ میں معرکہ آرائی کے لیے لشکر اسلام کل ۳۱۳ مجاہدین پر مشتمل تھا جن کے پاس صرف دو عدد گھوڑے تھے۔ اس کے برعکس کفار کا لشکر ایک ہزار جنگجو اور خونخوار سپاہیوں پر مبنی تھا جس میں قریش کے آزمودہ کار جرنیل بھی شامل تھے اور ستر گھوڑوں کا ایک رسالہ بھی۔ ظاہر ہے کہ کفار کی تعداد مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھی لہٰذا ایسی صورت میں اسلام کے جانباز سپاہی اگر جذبۂ سرفروشی اور قوت ایمانی کا مظاہرہ نہ کرتے تو اس جنگ میں اسلام شکست سے بھی دوچار ہو سکتا تھا لیکن چونکہ تائیدِ الٰہی شامل تھی اس لیے مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور اس فتح کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مدینہ اور اس کے اطراف کے یہودیوں نیز قرب و جوار کے قبائل پر مسلمانوں کی دھاک جم گئی۔

یقیناً یہ غزوہ بڑی اہمیت کا حامل تھا اور اس میں جن صحابۂ کرام نے حصہ لیا تھا انھیں آج "بدری صحابہ" کے نام سے یاد کیا جاتا اور عزت و احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے لیکن حضرت عثمان اس شرف سے محروم ہیں۔ تاویلاً اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی بیوی رقیہ کی علالت اور بیماری کی وجہ سے رسولؐ اللہ کے حکم کے مطابق رُک گئے تھے۔ مگر میرے خیال سے یہ غلط ہے اور محض حضرت عثمان کی حمایت میں یہ روایت وضع کی گئی ہے۔ ورنہ حقیقت سے قریب تر اور قرینِ قیاس بات یہ ہو سکتی ہے کہ اس جنگ میں خاندانِ بنی امیہ کی کچھ ایسی سر برآوردہ اور سرکش شخصیتیں پیغمبرِ اسلام کے مقابلہ میں صف آرا تھیں

Presented by www.ziaraat.com

جن سے حضرت عثمان کا خونی رشتہ بھی تھا اور نزدیکی قرابت داری بھی، لہٰذا عثمان کا ان شخصیتوں کے مقابلہ میں آمادۂ پیکار ہونا غیر ممکن تھا۔ اس لیے بہانہ تراش کر کنارہ کش ہو گئے ہوں گے۔

بہر حال تاریخی اعتبار سے یہ بات مسلم ہے کہ آپ اس جنگ میں شریک نہیں تھے۔ اب قرآنی احکامات کی رو سے حضرت عثمان خدا، رسولؐ اور اسلام کی نظر میں کیا ہیں؟ قارئین کرام خود فیصلہ کرلیں۔

جنگِ احد

یہ جنگ ماہ شوال ۳ھ میں واقع ہوئی۔ اپنے مقتولین کے انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے بدر کے شکست خوردہ قریش تین ہزار کی ایک جمعیت لے کر پوری توانائی، قوت اور غیظ و غضب کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ ان سے مقابلہ کے لیے ایک سو زرہ پوشوں کے ہمراہ سات سو مسلمانوں کا دفاعی لشکر صف بستہ ہوا اور معرکۂ کارزار احد کے دامن میں گرم ہونے لگا اور رفتہ رفتہ گھمسان کی جنگ میں تبدیل ہو گیا۔

مورخین کا بیان ہے کہ حضرت حمزہ اور حضرت علی صفوں کو چیرتے ہوئے دشمنوں کے درمیان گھس جاتے اور لاشوں کے ڈھیر لگا دیتے یہاں تک کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمان مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ پیغمبرؐ اسلام نے احد کی پشت پر تیر اندازوں کا ایک دستہ اس تاکید کے ساتھ تعینات کیا تھا کہ مسلمانوں کو فتح ہو یا شکست لیکن یہ دستہ اپنی جگہ نہ چھوڑے مگر اس دستہ نے جب اپنے ساتھیوں کو مالِ غنیمت لوٹتے دیکھا تو اس نے بھی حکمِ رسولؐ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی اور وہ بھی

مالِ غنیمت کی طرف متوجہ ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موقع پا کر خالد بن ولید اسی سمت سے عبداللہ ابن جبیر اور اس کے چند ساتھیوں کو تہِ تیغ کرتا ہوا مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا اور ادھر سے مشرکین جن کے قدم کچھ دیر پہلے اکھڑ چکے تھے واپس آ گئے۔ نتیجتاً مسلمانوں کی فتح و کامرانی نامرادی و ناامیدی میں ڈھل گئی۔ یکایک یہ خبر بھی پھیلی کہ رسولؐ اللہ شہید کر دیے گئے۔ پھر کیا تھا، میدان میں بھگدڑ پڑ گئی۔ بڑے بڑے نامی گرامی صحابہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر کے ساتھ عثمان بھی بھاگے اور اتنی دور نکل گئے کہ تین دن بعد پلٹ کر آئے۔ طبری نے تحریر کیا ہے کہ

"عثمان بن عفان اور انصار کے دو آدمی عقبہ و سعد بن عثمان نے فرار کیا تو جلعب[1] پہنچ گئے اور وہاں تین دن قیام کیا۔ جب واپس پلٹے تو ان کا بیان ہے کہ رسولؐ خدا نے کہا کہ تم لوگ تو بڑے لمبے گئے۔"

شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا کہنا ہے کہ کچھ لوگوں نے شہر (مدینہ) جا کر قرار لیا اور عثمان بن عفان انھیں لوگوں میں تھے جو جنگ کا مرحلہ ختم ہونے اور آتش کارزار سرد ہونے کے بعد رسولؐ کی خدمت میں واپس آئے[2]۔

بہر حال تاریخوں سے یہ بات ثابت ہے کہ میدانِ جنگ سے

۱؎ جلعب مقام اعوص کے قریب مدینہ سے ملحق ایک پہاڑ ہے۔

۲؎ مدارج النبوۃ

Presented by www.ziaraat.com

اکابرین صحابہ کے ساتھ بھاگنے والوں میں حضرت عثمان بھی شامل تھے لیکن دو باتیں حضرت عثمان کو ابوبکر و عمر سے ممتاز بنا دیتی ہیں۔ اوّل یہ کہ آپ تیسرے دن واپس آئے اور دوسری بات جسے مورخین نے انتہائی شدومد سے تحریر کیا ہے یہ ہے کہ رسول اکرمؐ نے اپنے اس خطاکار صحابی کو معاف کر دیا ہے۔ معلوم نہیں تذکرہ نگاروں نے حضرت ابوبکر وعمر کے بارے میں معافی کا تذکرہ کیوں نہیں کیا جب کہ فرار کے سلسلے میں جرم سب کا برابر تھا بلکہ حضرت عثمان کا جرم ان دونوں خلفاء کے مقابلہ میں زیادہ سنگین تھا کہ وہ تیسرے دن واپس پلٹے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جمعِ قرآن کے وقت جب حضرت عثمان کے سامنے وہ آیتیں آئیں جن میں احد سے فرار اختیار کرنے والوں کی سرزنش کی گئی ہے تو حضرت عثمان نے فخریہ طور پر اپنے مصاحبین سے یہ کہا ہوگا کہ ان آیتوں کے ذریعہ خداوند عالم میرے جرم فرار کو معاف فرما رہا ہے بس یہیں سے حضرت عثمان سے عقیدت رکھنے والے مفسرین کو موقع ملا ہوگا اور انھوں نے معافی کا تذکرہ عثمان کی خواہش کے مطابق کر دیا ہوگا ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ معافی کے ذیل میں ابوبکر و عمر کا تذکرہ نہ ہوتا۔

دیگر غزوات

سنہ ۴ھ میں بنی اسد نے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا جسے رد کرنے کے لیے پیغمبرؐ اسلام نے ابوسلمہ کو بھیجا۔ انھوں نے دشمنوں کو مار بھگایا پھر سفیان بن خالد نے حملہ کا ارادہ کیا اسے عبداللہ بن انیس نے پسپا کر دیا۔ اسی سنہ میں غزوۂ بنی نضیر، غزوۂ ذات الرقاع اور غزوۂ بدرِ

ثانی پیش آیا مگر ان غزوات یا معرکوں میں حضرت عثمان کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

سنہ ۵ھ میں جنگ خندق واقع ہوئی، اسی سنہ میں غزوۂ بنی مصطلق، واقعۂ افک، غزوۂ بنی قریظہ اور غزوۂ بنی اعیان واقع ہوئے مگر ان غزوات میں حضرت عثمان غائب نظر آتے ہیں۔

سنہ ۶ھ میں حدیبیہ کے موقع پر آپ نظر آتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ ہجرت کے برسوں بعد آپ کو اپنے وطن (مکہ) جانے کا موقع فراہم ہوا تھا۔ دوسری وجہ شاید یہ رہی ہو کہ پیغمبرؐ حج کے ارادے سے نکلے تھے جس میں تمام لوگوں کی جانیں محفوظ تھیں لہٰذا آپ کی جان کو بھی کوئی خطرہ نہ تھا۔ تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ کے دل میں مکہ جاکر اپنے اہلِ خاندان (بنی امیہ) سے ملاقات کی تمنا بھی دل میں چٹکیاں لے رہی ہوگی۔ اسی لیے پیغمبرؐ نے جب حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا اور حالات سے آگاہی کے لیے حضرت عمر کو اپنا سفیر بنا کر مکہ بھیجنا چاہا اور انھوں نے جان کے خوف سے انکار کر دیا تو رسولؐ کے کہنے پر آپ فوراً جانے کے لیے تیار ہو گئے اس کی وجہ صرف یہ ہو سکتی ہے کہ اس وقت مکہ میں ابوسفیان کی سرداری تھی جو آپ کا عزیز خاص تھا۔

سنہ ۷ھ میں خیبر کا معرکہ پیش آیا۔ اس معرکہ میں بھی آپ کا کوئی سراغ نہیں ملتا کہ زندہ بھی تھے یا نہیں جب کہ ابوبکر و عمر اس جنگ میں موجود تھے اور علم لے کر مرحب وغیرہ کے مقابلے میں جاتے تھے لیکن جب کھدیڑے جاتے تھے تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ آتے تھے اس کے بعد فتح مکہ، محاصرۂ طائف اور جنگ حنین کے معرکے گزر

Presented by www.ziaraat.com

گئے لیکن تاریخ کسی معرکے میں آپ کی موجودگی ثابت نہیں کرتی۔ البتہ خان بہادر خیرات احمد مرحوم نے اپنی کتاب "نور ایمان" کے صفحہ ۶۲ پر اس امر کا انکشاف کیا کہ جنگ حنین میں جس وقت کہ دشمن ایک جھاڑی سے نکل کر حملہ آور ہوئے تو آپ جان کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے پھر پلٹ کر نہیں آئے۔

نہیں معلوم کہ آپ کا اسلام کیسا تھا اور آپ کی پیغمبرؐ اسلام سے کیسی محبت و وابستگی تھی۔ کہاں رہتے تھے، کیا کرتے تھے؟ یہ معمہ سمجھ سے باہر ہے۔

غزوۂ تبوک ۹ھ میں بھی آپ کی شرکت واضح نہیں ہے البتہ آپ کی طرف سے مالی اعانت کا تذکرہ ضرور ملتا ہے لیکن یہ خاص بات اس لیے نہیں ہے کہ دیگر صحابہ نے بھی بڑے بڑے نذرانے پیش کیے تھے۔

حضرت عثمان عہد رسالت میں

دورِ رسالت کے غزوات میں حضرت عثمان کا کوئی بھی جنگی یا غیر جنگی کارنامہ نہیں ملتا جیسا کہ اوپر تحریر کیا جاچکا ہے اور نہ ہی آپ رسول اکرمؐ کو کسی قسم کا مفید یا غیر مفید مشورہ دیتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن اس کے باوجود متقدمین میں کچھ سیرت نگاروں نے نہ جانے کیوں آپ کو پیغمبرؐ اسلام کے مشیرِ خاص کے منصب پر فائز کر دیا اور یہ سلسلہ متاخرین تک چلا آیا۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت عثمان حضور سرورِ کائنات صلعم کے

کیسے مشیر خاص تھے کہ تمام اسلامی معرکے گزر گئے اور کچھ نازک ترین منزلیں بھی آئیں مگر آپ کے مشوروں سے تاریخ کا دامن خالی ہے۔

پیغمبرؐ کی حیات طاہرہ کے آخری لمحات میں سب سے اہم مسئلہ خلافت کا تھا جسے تحریری شکل دینے اور اپنے بعد امت کو گمراہی سے محفوظ رکھنے کے لیے کچھ صحابہ کی موجودگی میں آنحضرتؐ نے قلم، دوات اور کاغذ کی خواہش ظاہر کی لیکن عمر نے آپ کی اس خواہش کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ اس شخص پر مرض کا غلبہ ہے اور یہ ہذیان بک رہا ہے، ہمیں کسی نوشتہ کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے لیے بس قرآن کافی ہے۔

صحابہ میں کچھ رسول اللہؐ کے اس حکم پر عملدرآمد کرنا چاہتے تھے اور کچھ عمر کے ہمنوا تھے، آپس میں تکرار ہوئی اور جب شور زیادہ بڑھا تو آنحضرتؐ نے "قُومُوا عَنِّی" کہہ کر سب کو نکال باہر کیا۔ اس نازک وقت میں مشیر خاص کہیں نظر نہیں آتے حالانکہ یہ مشورے کا خاص وقت تھا۔

اسی طرح وقت آخر جیش اسامہ کی تشکیل و ترتیب کا مقصد بھی یہی تھا کہ جب آپؐ دنیا سے رخصت ہوں تو مدینہ مخالفین علیؑ سے خالی رہے۔ چنانچہ رسولؐ نے یہ حتمی اور تاکیدی حکم دے دیا تھا کہ اس لشکر میں تمام صحابہ ابوبکر، عمر اور عثمان وغیرہ بھی شامل ہوں اور یہ لشکر فوری طور پر مدینہ سے کوچ کر جائے۔ مگر یہ لوگ اس میں شامل نہیں ہوئے اسی بنا پر لشکر کی روانگی میں تاخیر ہوئی تو آپؐ سخت ناراض ہوئے اور تخلف کرنے والوں پر تین بار لعنت فرمائی۔

افسوس ہے کہ ان بے غیرتوں پر لعنت ملامت کا کوئی اثر نہیں ہوا

Presented by www.ziaraat.com

اور ہوتا بھی تو کیسے ؟ جان تو خلافت میں اٹکی ہوئی تھی۔ یہ منتظر تھے کہ کب رسولؐ کی آنکھیں بند ہوں اور کب تختِ خلافت کی طرف جھپٹ پڑیں۔

اگر حضرت عثمان مشیرِ خاص تھے تو اسی موقع پر آنحضرتؐ کو اپنے مشوروں سے نوازتے۔ لیکن مشورہ تو درکنار آپ نے آنحضرتؐ کے جنازہ میں شرکت تک گوارا نہیں کی اور شاید آپ کی غیرت، شرم اور حیا کا تقاضا بھی یہی تھا۔

حضرت عثمان عہدِ شیخین میں

یہ کہنا قطعی غلط نہ ہوگا کہ حضرت عثمان کو شیخین (ابوبکر و عمر) کے دور میں مشیرِ خاص کی حیثیت حاصل تھی۔ جیسا کہ طبقات ابن سعد حصہ سوم کی اس روایت سے ظاہر ہے۔

"ابوبکر جب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو انھوں نے مستقبل کے خلیفہ کے بارے میں رائے مشورہ کے لیے عثمان کو طلب کیا اور ان سے فرمایا:

"عمر کے بارے میں تمھاری رائے کیا ہے ؟ عثمان نے کہا آپ مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ فرمایا، یہ تم درست کہتے ہو لیکن اس کے باوجود جو تمھاری رائے ہو اس کا اظہار کرو۔ عثمان نے کہا میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ ان کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے اور ان کا مثل ہم میں سے کوئی نہیں ہے۔

ابوبکر نے کہا خدا تم پر رحمت کرے اگر تمھاری رائے ان کے خلاف ہوتی تو میں تمھیں جانے نہ دیتا"۔

حضرت ابوبکر، عمر کے بارے میں عثمان کی زبان سے جو کہلوانا چاہتے تھے وہ کہلوا چکے اور مطمئن ہو گئے تو نامزدگی کے فرمان کی طرف متوجہ ہوئے اور اس فرمان کو عثمان ہی سے لکھوانا شروع کیا۔ ابھی عثمان لکھ ہی رہے تھے اور عمر کا نام لکھنا رہ گیا تھا کہ ابوبکر بے ہوش ہو گئے اور جب تھوڑی دیر بے ہوشی طاری رہی تو عثمان نے سمجھا کہ شاید آپ مر گئے لہٰذا انھوں نے اپنی طرف سے یہ لکھ دیا کہ میں نے عمر بن خطاب کو مسلمانوں پر خلیفہ مقرر کر دیا ہے۔ جب آپ کو ہوش آیا اور عثمان نے فرمان پڑھ کر سنایا تو بہت خوش ہوئے۔ عثمان کے اس طرزِ عمل سے آپس کی قربت کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت عثمان کا نام عمر کے مشیروں میں بھی سرِ فہرست ہے۔ چنانچہ ابن سعد نے طبقات میں ایوب بن ابی امامہ سے روایت کی ہے کہ عمر اپنے زمانۂ خلافت میں بیت المال سے کچھ نہیں کھاتے تھے یہاں تک کہ فاقہ کشی کی نوبت آ گئی تھی۔ انھوں نے اصحاب کو اکٹھا کر کے اس مسئلے کو ان کے سامنے رکھا اور کہا کہ میں نے اپنے آپ کو امورِ خلافت میں مشغول کر رکھا ہے مگر یہ میرے لیے کافی نہیں ہے میرے اخراجات کیسے چلیں گے ؟ اس پر عثمان نے کہا کہ (خوب) کھائیے اور کھلائیے۔ عثمان کی تائید سعید بن زید نے بھی کی تو آپ نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں، فرمایا۔ صبح و شام کا کھانا کھائیے اور اسی پر اکتفا کیجیے[1]

[1] طبقات ابن سعد حصہ سوم اردو ص ۹۳

Presented by www.ziaraat.com

حضرت عثمان کے اس مشورے سے آپ کی ذہنیت کا پتہ چلتا ہے۔ غرض کہ ابو بکر و عمر کے عہد حکومت میں عثمان کی زندگی کے تقریباً تیرہ برس ان دونوں کی حکومت مضبوط و مستحکم کرنے اور ان کے ہر اقدام کی تائید میں گزر گئے۔

عثمان کے بارے میں رسول اللہ صلعم کی پیشین گوئیاں

ابو ہریرہ سے یہ روایت ہے کہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ بنی امیہ میں سے ایک جبار میرے تخت پر بیٹھے گا جس کی ناک سے خونِ رُعاف جاری ہو گا۔[1]

اس پیشین گوئی کے متعلق صاحب روضۃ الاحباب تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو تین ماہ تک ان کی نکسیر پھوٹتا کی اور خون جاری ہوتا رہا۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی تاریخ الخلفا میں حضرت عثمان کی نکسیر پھوٹنے کا تذکرہ کیا ہے۔

صاحب خلفائے ثلاثہ حصہ سوم نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۸ پر علامہ ذہبی کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ:

"آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب دجال خروج کرے گا تو اس کی پیروی وہی لوگ کریں گے جو عثمان کو دوست رکھتے ہوں گے۔"

کیا آنحضرت صلعم کا یہ ارشاد اہلِ بصیرت کے لیے مشعلِ ہدایت نہیں ہے؟

---

[1] تطہیر الجنان برحاشیہ صواعق محرقہ ص ۱۴۱ طبع مصر

شوریٰ پر تبصرہ

حضرت عمر اپنے دیرینہ منصوبہ کے تحت ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ خلافت کی باگ ڈور حضرت علیؑ بن ابی طالب کے ہاتھوں میں جائے لہٰذا اس کا رخ عثمان کی طرف موڑنے کے لیے انھوں نے انتہائی حکمتِ عملی سے کام لیتے ہوئے ایک پراسرار مجلس شوریٰ تشکیل دی اور اس کی ہیئت ترکیبی میں کچھ ایسے رہنما اصول رکھے جس سے حضرت علی علیہ السلام کو خلافت ملنا ناممکن ہو جائے۔ اس کی تفصیل حالاتِ عمری کے پانچویں باب میں ہم مرقوم کر چکے ہیں۔

پاکستان کے مشہور مولف و مصنف جناب علی اکبر شاہ نے اپنی کتاب "نعثل کو قتل کر دو" میں تاریخ طبری سے شوریٰ کے تفصیلی واقعات نقل کر کے اس پر جو تبصرہ فرمایا ہے وہ انتہائی جامع، پر مغز اور فکر آمیز ہے۔ میرے خیال سے مناسب ہو گا کہ محترم قارئین کی خدمت میں اسے پیش کر دیا جائے۔ آپ فرماتے ہیں:

یہ کوئی پہلا موقع نہ تھا کہ خلافت کو اس کے مرکز پر پہنچنے سے روکا گیا۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ مصلحتوں اور مجبوریوں سے اسلام لانے والے کہ جنھیں کثرت اور طاقت حاصل تھی، بنی ہاشم کو مزید کوئی اعزاز دے دیتے، ان کے لیے یہ کوئی کم قیامت نہ تھی کہ انھیں اپنے آباء و اجداد کے ورثہ کو چھوڑ کر حضرت محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیادت کلی اختیار کرنا پڑی۔ اب کس دل سے وہ علیؑ کی خلافت قبول کر لیتے اور پھر علیؑ ابن ابی طالب کے ہاتھ سے تو ان کے بڑے بڑے سورما

Presented by www.ziaraat.com

قتل ہو چکے تھے، تو یہ صدیوں انتقام کی آگ میں جلنے والی قوم کس طرح علی علیہ السلام کو معاف کر سکتی تھی، ان کے لیے ابوبکر و عمر کو قبول کر لینا آسان تھا کہ ان کی حقیقتوں سے سب واقف تھے چنانچہ انھیں ٹھنڈے پیٹوں قبول کر لیا گیا اور پھر جب تیسری خلافت کی نوبت آئی تو خلافت کے اصل امیدوار علیؑ اور عثمان تھے۔ عثمان بنی امیہ کے چشم و چراغ تھے یہ قبیلہ بنو ہاشم کا طاقت ور حریف تھا اور فتح مکہ تک یہی قبیلہ اسلام دشمنی پر کمر بستہ رہا اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی اسے صرف اپنے ذاتی مفادات سے دل چسپی تھی لہٰذا وہ اپنے ہی قبیلہ کے اس فرد کا حمایتی بنا کہ جو داد و دہش میں شہرت رکھتا تھا اور کفر و اسلام کی جنگوں میں اس کے ہاتھ سے کسی کافر کو خراش تک نہ آئی تھی اور دوسری طرف انھوں نے ایسے شخص کو چھوڑ دیا کہ جس کا تعلق ایک دشمن (بنو ہاشم) قبیلہ سے تھا اور جو کہ اسلام کا سب سے بڑا مخلص تھا اور جس نے کفر و اسلام کی جنگوں میں بنو امیہ کے بڑے بڑے سرداروں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ بنو امیہ کے علاوہ اور دوسرے مجبوری کے مسلمان بھی علیؑ کو چھوڑنے پر مجبور تھے۔ علیؑ کے چاہنے والوں کے پاس طاقت نہ تھی کہ وہ اہل بیتؑ کے ساتھ ہونے والی اس مسلسل زیادتی کا ازالہ کر سکتے۔ چنانچہ مشہور صحابی جناب مقدادؓ پکار اٹھے کہ "کاش میں علیؑ کے مددگار پاتا۔"

حضرت علی نے خلافت کے بارے میں وہ موقف اختیار کیا کہ جو آپ کے شایانِ شان تھا۔ آپ کا فرض صرف اتنا تھا کہ لوگوں پر حق واضح کر دیں اور یہی ان کے بھائی محمدؐ کا طرزِ عمل تھا کہ اپنی رسالت کا اعلان کرتے، خدا کا پیغام پہنچاتے کوئی مان لیتا تو خوش ہوتے، انکار کر دیتا تو

صبر کرتے۔

حضرت علی علیہ السلام نے پہلی خلافت چھیننے والوں کے سامنے بھرپور احتجاج کیا اور اپنے حق کے لیے دلیلیں دیں، اپنی فضیلتیں بیان کیں۔ ایسا نہ کرتے تو کہا جاتا کہ ہمیں کیا معلوم کہ حق کہاں؟ دوسری خلافت پہلی کا لازمی نتیجہ تھی، لہٰذا عمر بن خطاب کی نامزدگی پر علیؑ کو کوئی حیرانی نہیں ہوئی۔ علیؑ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ابوبکر کی خلافت کے لیے عمر کی کوشش اس لیے تھی کہ حیات ابوبکر میں بھی در پردہ انھیں کی حکومت ہوگی اور جب ابوبکر دنیا سے رخصت ہونے لگیں گے تو خلافت کے لیے وہی نامزد کیے جائیں گے۔ غرض کہ حضرت علیؑ ابن ابی طالب نے دوسری مرتبہ بھی صبر کا گھونٹ پیا۔ تیسری خلافت کے موقع پر عمر بن خطاب نے عثمان کو براہِ راست نامزد نہیں کیا کہ اب اس کا موقع نہ تھا، لہٰذا خلیفہ کے انتخاب کے لیے ایسی شورای تشکیل دی اور ایسے رہنما اصول دیے کہ نتیجہ سو فیصدی عثمان کے حق میں رہے۔ حضرت علیؑ بھی اس انجام سے واقف تھے، لیکن اس کے باوجود آپ نے شوریٰ میں شرکت کی اور آپ نے اپنے اس اقدام کی یہ توجیہ کی:

"میں نے اس طویل مدت اور شدید مصیبت پر صبر کیا یہاں تک کہ دوسرا بھی اپنی راہ لگا اور خلافت کو ایک جماعت میں محدود کر دیا گیا اور مجھے بھی اس جماعت کا فرد خیال کیا۔ اے اللہ! مجھے اس شوریٰ سے کیا لگاؤ؟ ان میں کے سب سے پہلے کے مقابلہ ہی میں میرے استحقاق اور فضیلت میں کب شک تھا جو اب ان لوگوں میں شامل کر لیا گیا ہوں۔ مگر میں نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ جب وہ

Presented by www.ziaraat.com

زمین کے نزدیک ہو کر پرواز کرنے لگیں میں بھی ایسا کرنے لگوں اور جب وہ اونچے ہو کر اڑنے لگیں تو میں اسی طرح پرواز کروں۔"

(نہج البلاغہ)

"حضرت علیؑ کو معلوم تھا کہ اس شوریٰ کا کیا انجام ہونے والا ہے، لیکن آپ نے اتمام حجت کے طور پر اہل شوریٰ کے سامنے اپنا استحقاق پیش کیا:

"اے عزیزو! تمھیں معلوم ہے کہ ہم اہلِ بیتؑ نبوت ہیں اور ہر ایک بلا و مصیبت سے امت کے بچاؤ کا ذریعہ ہیں۔ اگر تم ہمارا حق ہمیں پہنچاؤ گے تو حق اپنے مرکز پر پہنچ جائے گا اور اگر ہمارا حق ہمیں نہ دو گے تو ہم اونٹوں پر بیٹھ کر چلے جائیں گے اگرچہ کتنا ہی زمانہ گزرے ہمیں پروا نہیں جب ہمارا حق آ پہنچے گا تو چلے آئیں گے خدائے جلیل کی قسم! اگر محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہم سے عہد نہ لیتے اور ہم کو اس امر کی اطلاع نہ کر چکے ہوتے تو میں اپنا حق کبھی نہ چھوڑتا اور کسی کو اپنا حق نہ لینے دیتا۔۔۔۔"

حضرت علیؑ کی اس تقریر کا اثر اہلِ شوریٰ پر کچھ بھی نہیں ہوا کہ صورت حال کچھ اس طرح تھی۔

عبدالرحمٰن بن عوف کی بیوی ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط عثمان کی بہن تھی یعنی عثمان اور عبدالرحمٰن بن عوف میں سالے بہنوئی کا رشتہ تھا اور سعد بن ابی وقاص عبدالرحمٰن بن عوف کے قریبی رشتہ دار تھے اس کے علاوہ سعد بن ابی وقاص کی ماں اموی تھیں۔ میدانِ کربلا میں یزیدی فوج کا سپہ سالار عمر ابن سعد اسی سعد ابن ابی وقاص کا بیٹا

تھا لہٰذا اموی رجحان کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ طلحہ کو حضرت علیؑ سے پرانی دشمنی تھی اور ان کی والدہ ابوسفیان کی بیوی بھی رہ چکی تھیں۔ خود طلحہ کا تعلق ابوبکر کے قبیلہ بنو تیم سے تھا۔ اب صرف زبیر رہ گئے جو ابوبکر کے داماد بھی تھے اور ان کی والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب تھیں۔ اس لحاظ سے وہ دونوں طرف تھے۔

ان رشتہ داریوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ سعد بن ابی وقاص نے اپنا حق عبدالرحمٰن بن عوف کے حوالے کر دیا اور طلحہ نے اپنی رائے عثمان کے حق میں دے دی زبیر نے دیکھا تو جوش میں علیؑ کی طرف ہو گئے مگر جب عبدالرحمٰن عوف نے عثمان کے لیے کوشش کی تو یہ پھر اُدھر ہو گئے۔"

(ماخوذ از نقل کو قتل کر دو)

شوریٰ کا انجام

حضرت عمر نے شوریٰ کا طریقۂ انتخاب پیش کر کے قریش کی اہم شخصیتوں اور ان کے قبائل و انصار میں ایسا سیاسی طمع پیدا کر دیا جس کا وہ خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے کیونکہ عمر نے شوریٰ کو جن چھ شخصیتوں میں منحصر کیا تھا ان میں سے ہر ایک خلافت کے لیے امیدوار تھا۔ لوگ حضرت علیؑ بن ابی طالب علیہ السلام کی طرف مائل تھے کیونکہ بنی امیہ کی سلطنت سے خوفزدہ تھے۔ دوسری طرف مہاجرین حضرت علیؑ اور ان کے استقامت سے خائف تھے شاید ان میں سے اکثر کو بیت المالؑ اجتماعیت اور حکومت کے بارے میں حضرت علیؑ کے نظریات کا علم بھی تھا۔ انصار کی اکثریت علیؑ کے ساتھ اور اقلیت عثمان کے ساتھ

Presented by www.ziaraat.com

تھی ایسا اس لیے تھا کہ وہ قریش کی حکومت سے خوفزدہ تھے اور مسجد نبوی میں جو گفتگو ہوئی تھی اس میں بنی امیہ پر سقیفہ کا قبائلی تعصب چھایا ہوا تھا۔ یہ گفتگو حضرت عثمان کی بیعت سے پہلے ہوئی تھی۔

لہٰذا حضرت علیؑ مسلمانوں کی اکثریت کی طرف سے اور عثمان قریسی ارسٹو کریسی کی جانب سے امیدوار تھے۔

شوریٰ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اموی حکومت پر قابض ہو گئے اور حضرت عمر نے جن لوگوں کو شوریٰ میں نامزد کیا تھا ان میں حضرت علی کے علاوہ سب کے سروں پر اقتدار کا بھوت سوار ہو گیا اور یہی بھوت شوریٰ سے باہر قریش کی دوسری شخصیتوں پر بھی سوار تھا کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ حضرت عمر نے قریش میں سے جن لوگوں کو امیدوار بنایا ہے وہ ان سے کسی چیز میں افضل نہ تھے۔ شوریٰ نے انصار کے ذہنوں پر بھی برا اثر چھوڑا کیونکہ سقیفہ میں ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا کہ وہ حکومت میں شریک ہوں گے لیکن وہ محروم کر دیے گئے تھے اور اس پر یہ ستم تھا کہ ان کے قدیم حریف یعنی مکہ کے وہ مشرک جو ان کے ساتھ برسرپیکار رہے برسر اقتدار آ گئے تھے۔

خلافت کی طمع رکھنے والے پس پردہ انصار کو اپنے گرد جمع کرتے اور اپنی دولت اور قبیلہ کی طاقت سے بھی استفادہ کرتے تھے اور دوسرے قبائل سے رشتے بناتے تھے چنانچہ حضرت عثمان کی خلافت کے آخری دنوں میں یہ لوگ (قریش) اپنے مقصد کے لیے علی الاعلان سامنے آ گئے۔

یہ سب شوریٰ کا نتیجہ تھا کہ مختلف شخصیتوں کو پسند کرنے والے یہ احزاب عالم وجود میں آ گئے۔ یہ شخصیتیں اپنے ذاتی مفاد کی خاطر اقتدار پر قبضہ جمانے کے لیے عثمان کے خلاف کی جانے والی عوامی شکایتوں سے بھی فائدہ اٹھاتی تھیں۔ ابن عبداللہ نے معاویہ کا ایک اعتراض نقل کیا ہے جس میں وہ کہتا ہے:

> "عمر نے چھ آدمیوں میں شوریٰ قائم کر کے مسلمانوں میں تفرقہ اور ان کے خیالات میں اختلاف پیدا کیا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک خلافت کی طمع رکھنے لگا تھا اور اس کی قوم بھی اس کے ساتھ اس طمع میں شریک تھے"۔

یہی وہ حوادث تھے جن سے مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑا اور انھیں حادثات میں سے ہر حادثہ نے دوسرے حادثے پر اثر ڈالا اور اس کے ساتھ ساتھ حکومت کو چلانے، تقسیم اموال اور اجتماعی امور میں عثمان کے غلط اسلوب کار نے بھی اثر کیا جس کی وجہ سے لوگ اسلامی اصولوں سے منحرف ہو گئے، یہاں تک کہ یہ حادثات اس انتہا پر پہنچے کہ عثمان کے خلاف عوامی غم و غصہ کا سیلاب اٹھ کھڑا ہوا اور آپ کے قتل کی شکل میں شوریٰ کا انجام سامنے آ گیا۔ حضرت عمر کی حکمت عملی نے شوریٰ کے ایک تیر سے دو شکار کیے۔ ایک عثمان کو لقمۂ اجل بنایا اور دوسرے بنی امیہ کو اقتدار و استحکام عطا کر کے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو شہید کرا دیا

۱؎ عقد الفرید ج ۵ ص ۳۱ و ۳۲

Presented by www.ziaraat.com

خاموش انتقام

سقیفہ بنی ساعدہ میں صحابیت، انصاریت اور قرابت کو تزویری چالوں سے شکست ہوئی اور "دُم کٹے"[۵۷] اجماع کے ذریعہ خلیفۂ اول کا انتخاب ہوگیا۔ یہ اجماع حجت قرار پایا اور دنیائے اسلام نے اس کو سنتِ شیخین تصور کیا۔ لیکن یہ سنت باقی نہ رہی کیوں کہ عمر نے سقیفائی کوششوں کا ثمر فرمان نامزدگی کی شکل میں ابو بکر سے پالیا۔ اب خلیفۂ اوّل کی اس روش اور اس طرز عمل کو سنت کہیے یا سیرت!

بہرحال یہ سلسلہ بھی ختم ہوا کیونکہ عمر نے ان دونوں راستوں سے ہٹ کر ایک تیسرا راستہ اختیار کیا جس پر گامزن ہو کر موصوف نے اجماع، وصیت، سنت اور نص کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ شوریٰ مقرر ہوا اور اس میں عمداً ان ہستیوں کو رکھا گیا کہ لامحالہ خلافت بنی ہاشم سے نکل کر بنی امیہ تک پہنچے اور جب بنی امیہ تک پہنچے گی تو بنی امیہ و بنی ہاشم کی خاندانی عداوت بنی ہاشم کو سرسبز نہ ہونے دے گی۔ کیوں کہ ریاست و حکومت بنی امیہ کے ہاتھوں میں ہوگی اور ہمیشہ کے لیے خاندانِ رسالت اس سے محروم رہے گا۔ یہ وہ خاموش انتقام تھا جو رسولؐ سے ان کے قتل کا ارادہ کرنے والے اور ان کی بزم ادب آموز میں بیٹھنے والے نے لیا۔

---

۵۷ دم کٹا اجماع اس لیے تھا کہ انصار اور بنی ہاشم اس میں شریک نہیں تھے۔

خلافت عثمانیہ کی ابتدا

حضرت عائشہ و حفصہ کی وساطت نے جس طرح حضرت ابوبکر و عمر کو سرسبز کیا اسی طرح عبدالرحمٰن بن عوف سے ازاربندی رشتہ نے حضرت عثمان بن عفان کو تخت خلافت تک پہنچایا لیکن یہ نہیں معلوم کہ آپ نے کس تاریخ کو کاروبار حکومت سنبھالا؟ شاید اسی لیے "علمبردار ثلاثہ" مولوی عبدالشکور پاٹانالوی نے بھی اپنی کتاب خلفائے راشدین میں بھی تاریخ کا انکشاف نہیں کیا۔ بعض مورخین یکم محرم الحرام سنہ ۲۴ھ تحریر کیا ہے اور یہی تاریخ زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ غرض کہ تاریخ کچھ سہی مگر یہ حقیقتِ کلیہ ہے کہ آپ نے حصول خلافت کے وقت کیے گئے کتاب خدا اور سنت رسولؐ پر عمل کے وعدہ کو یکسر فراموش کر دیا تھا اور خلیفہ بنتے ہی اس کی خلاف ورزیاں شروع کر دی تھیں۔ صرف آپ کی توجہ اس بات پر مرکوز رہ گئی تھی کہ کس طرح سیرت شیخین پر عمل پیرا رہ کر ابوبکر و عمر کی اسلام دشمن سرگرمیوں کو جاری رکھا جائے اور کس ترکیب سے ایسے حالات پیدا کر دیے جائیں کہ قیامت تک اسلام کو پھلنے پھولنے کا موقع نہ ملے۔ غالباً آپ کے اسی رجحان کو محسوس کرتے ہوئے عرب کے مانے ہوئے فتنہ پرداز ابوسفیان نے کہا تھا: "بنی تیم و بنی عدی کے بعد اب خلافت تمھارے ہاتھ آئی ہے، اسے گیند کی طرح گھماؤ پھراؤ اور نچاؤ اور بنی امیہ کو اس کی میخیں بنا کر اسے ہمیشہ کے لیے مستحکم کر لو۔ یہ صرف دنیاوی حکومت ہے، دین سے اس کا کیا تعلق؟ میرے نزدیک جنت و دوزخ اور سزا و جزا کچھ نہیں ہے[۱]"

---

۱ استیعاب ج ۲ ص ۷۰۹ و ۷۱۰ مطبوعہ مصر

Presented by www.ziaraat.com

(ساتواں باب)

عثمانی نظامِ حکومت

اقتدار پرست سقیفائی خلافت ابتدا ہی سے ملوکیت کی طرف مائل رہی اور اس کا اصل مقصد تعلیماتِ اسلامی، سنتِ پیغمبری، احکامِ شریعت، حقوق بشریت اور انسانی قدروں کو بالائے طاق رکھ کر اقتدار کی تمنا، ملک گیری کی ہوس اور تخت و تاج کی خواہش کے تحت ایک ایسا شہنشاہی نظام قائم کرنا تھا جس میں خواہشاتِ نفس کی تکمیل دینی فریضہ کی ادائیگی قرار پائے۔

اور چونکہ اصحابِ ثلاثہ نے تزکیۂ نفس یا اللہ کے حقوق کی ادائیگی کے لیے اسلام قبول نہیں کیا تھا اور صرف جہاں بانی ان کا مطمحِ نظر تھا اس لیے وہ نظامِ الٰہی و نظامِ اسلامی کو خالص شہنشاہی نظام میں ضم کرنے کی جدوجہد میں مصروف رہے۔ وہ ایک ایسے نظام کی کوششوں میں سرگرداں رہے جس میں حصولِ منفعت کی ہر امکانی کوشش مستحسن سمجھی جائے خواہ وہ منفعت دوسروں پر جبر و تشدد اور مظالم کے ذریعہ ہی کیوں نہ حاصل ہو۔

یہ سلسلہ خلافتِ اولیٰ سے دورِ عثمانی تک برابر جاری و ساری رہا اور غالباً یہی وجہ ہے کہ حق گو مورخین نے عہدِ ثلاثہ کے نظامِ حکومت کو

دینی و الٰہی نظام تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے جیسا کہ مصر کے مشہور مورخ ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا کہنا ہے:

"جو لوگ اس نظام (خلفائے ثلاثہ کے نظامِ حکومت) کو الٰہی نظام تصور کرتے ہیں وہ حقیقت میں ان الفاظ و کلمات سے دھوکا کھاتے ہیں جو خلفاء کے خطبات میں پڑھتے ہیں نیز ان روایات سے جو خلفاء کے بارے میں عام طور سے مشہور ہیں اور جن میں اللہ کا ذکر، اللہ کا حکم اور اس کی سلطانی اور اطاعت کا تذکرہ ہے۔ یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ الفاظ اور یہ روایات اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان کا نظامِ حکومت آسمانی تھا حالانکہ ان میں صرف ایک بات کی طرف اشارہ ہے جو بالکل عام لیکن ساتھ ہی ساتھ بہت اہم ہے اور وہ یہ کہ "خلافت" خلفاء اور عام مسلمانوں کے مابین ایک معاہدہ ہے[1]۔"

اسی کتاب کے صفحہ ۴۴ پر رقم طراز ہیں کہ:

"اکثر لوگ خیال کرتے ہیں کہ اس عہد کا نظام ایک الٰہی نظام ہے جو آسمان سے اترا ہے حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے اصل بات خلیفہ اور رعایا کے دلوں کا متاثر ہونا ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ خلفائے ثلاثہ کا رائج کردہ نظام نہ تو اسلامی تھا نہ الٰہی تھا اور نہ سنت رسولؐ کے مطابق تھا بلکہ اس نظام کا مقصد یہ تھا کہ عام مسلمان ان کے نظامِ حکومت کو اللہ کا رائج کردہ نظام

---

[1] "عثمان" ترجمہ الفتنۃ الکبریٰ عبدالحمید نعمانی ص ۳۴۴

Presented by www.ziaraat.com

سمجھ کر ان کے ہر جائز و ناجائز افعال کو قبول کرتے رہیں اور اس سے یہ بھی واضح ہے کہ خلفائے ثلاثہ کے ذہن میں نظام اسلامی، نظام الٰہی یا نظام آسمانی کا کوئی تصور نہیں تھا اور وہ صرف ایک دنیاوی حکمراں کی حیثیت رکھتے تھے۔

یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ وہ مسلمان یا صحابہ جو ہمہ وقت جمال و کمالِ رسالتؐ کا مشاہدہ کیا کرتے تھے اور جنھوں نے سوچ سمجھ کر اسلام قبول کیا تھا یا جو سیرت رسولؐ سے متاثر تھے اور جن کے دلوں میں ایمان کا چراغ روشن تھا اور جو اس امر سے بخوبی واقف تھے کہ رسولؐ دنیا پر حکومت کرنے نہیں آئے بلکہ دنیا کو امن، اخوت، سلامتی کا درس دینے آئے ہیں اور جو یہ بھی جانتے تھے کہ رسولؐ کے دل میں فتوحات اور مالِ غنیمت کی تمنا نہیں تھی بلکہ وہ خلقِ عظیم بن کر انسانی قدروں کو بلند کرنے، اخلاق بشری کو سنوارنے، توحید کا درس دینے اور مرحلۂ آخرت کو آسان بنانے کے لیے آئے ہیں۔ وہ لوگ عقل و بصیرت کیوں کھو بیٹھے کہ انھوں نے خلفائے ثلاثہ کے ان خطرناک ارادوں اور منصوبوں کو نہ سمجھا اور ان کے غیر اسلامی رنگ ڈھنگ اور رویے کو محسوس کرتے ہوئے بھی انھیں خلیفۂ رسولؐ کی حیثیت دے دی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تلوار، طاقت، دولت اور خصوصاً ذہن کی نیم پختگی نے حقائق و عقائد پر گہرے پردے ڈال دیے تھے جس کی وجہ سے یہ لوگ خلفا کی ہر بات کو حقیقت سمجھ کر مجاز میں گم ہو گئے۔

ملک گیری کی تمنا نے دور اول میں فتوحات کا بازار گرم کر کے مالِ غنیمت کی شکل میں جو سرمایہ حاصل کیا اس کا بیشتر حصہ بغاوت کو

فرو کرنے، حکومت کے استحکام اور افواج کی تنظیم کاری پر خرچ ہوا، جو بچ گیا وہ مسلمانوں میں تقسیم کے بعد خلیفہ کے گھر یا بیت المال[1] میں جمع ہو گیا۔ رفتہ رفتہ فتوحات کا یہ سلسلہ دوسرے دور میں داخل ہو کر منزلِ کمال پر پہنچ گیا اور دنیا کی دولت سمٹ کر ڈھیر ہو گئی لیکن حضرت عمر کی جمع خوری نے اسے وقت آخر حضرت عثمان کے حوالے کر دیا اور عثمان عمری مفتوحہ ممالک اور ان کے خزانوں کے مالک و مختار بن گئے۔

عہد عثمانی میں افراطِ زر کا یہ حال تھا کہ ایک لاکھ درہم میں ایک گھوڑا خرید اجاتا تھا[2] اور ایک بیگہ زمین پر لگے ہوئے باغ کی معمولی قیمت چار لاکھ درہم تھی۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے عثمانی عہد میں مفتوحہ ممالک سے مالِ غنیمت کے طور پر حاصل ہونے والی دولت کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:

"سنہ ۳۰ھ میں خراسان کے اکثر شہر، نیشاپور، طوس، سرخس، مرو اور بیہق فتح ہوئے۔ ان وسیع شہروں کی فتوحات کے بعد دولت و مالِ غنیمت کے انبار لگ گئے تو حضرت عثمان نے (باضابطہ) خزانہ بنوایا اور تمام لوگوں کو وظیفہ و یومیہ تقسیم کیا۔ دولت کی فراوانی کا یہ عالم ہوا کہ ہر شخص کو ایک ایک لاکھ بدرے وہمانیاں (یعنی سولہ ارب روپیہ) دیئے[3]"

---

[1] تاریخ اسلام ذاکر حسین حصہ دوم ص ۵۶ [2] تاریخ خمیس ج ۲ ص ۲۰۸
[3] تاریخ الخلفا ص ۱۶۰

Presented by www.ziaraat.com

دولت کی اس ریل پیل میں حضرت عثمان نے تقسیم اموال کا جو غیر مساوی طریقہ اختیار کیا وہ مسلمانوں کے لیے قطعاً نامانوس اور تکلیف دہ تھا۔ آپ شوریٰ کے اراکین، قریش کے بڑے لوگوں اور اپنے رشتہ داروں کو خصوصی طور پر بہت زیادہ مال دیتے تھے۔

اگر یہ سارا مال ان کی اپنی ذاتی کمائی کا ہوتا تو کسی کے لیے اعتراض کی گنجائش نہ ہوتی لیکن یہ مال بیت المال سے دیا جاتا تھا جس میں تمام مسلمان شریک تھے۔ مستزاد یہ کہ مختلف شہروں میں عثمان کے نمائندے بھی ان کی پیروی کرتے اور وہ بھی اپنے عزیزوں، رشتہ داروں کو ترجیحاً مال دیا کرتے[1]۔

حضرت عثمان نے دولت مند طبقہ کی دولت کو مزید بڑھاوا دینے کے لیے یہ طریقہ بھی رائج کیا کہ وہ مالِ غنیمت میں حاصل کی ہوئی اپنی زمینوں کو وہاں منتقل کر سکتے ہیں جہاں وہ مقیم ہیں یعنی کسی شخص کی زمین اگر شام میں ہے تو وہ اس کے عوض اس شخص سے اپنی زمین کا تبادلہ کر سکتا ہے جس کی آراضی حجاز یا دوسرے عرب ممالک میں ہے۔

اس "طریقہ" کار سے دولت مند طبقہ نے بھی فائدہ اٹھایا اور اپنی بے پناہ دولت سے مفتوحہ علاقہ میں آراضیات کی خریداری شروع کر دی اور اپنے غلاموں و مزدوروں کو ان کی کاشت پر لگا دیا۔ نتیجے میں یہ زمینیں سونا اگلنے لگیں جس سے ان کی دولت دن دونی رات چوگنی کے تناسب سے بڑھنے لگی۔ جس کا خلاصہ مسعودی کے قلم کی زبان سے سنیے:

---

[1] مروج الذہب ج۲ ص۱۴۱ و انساب الاشراف ج۵ ص۲۵، ۵۲

"زبیر کی دولت بصرہ، کوفہ، مصر اور اسکندریہ میں پچاس ہزار دینار، ایک ہزار گھوڑے، ایک ہزار غلام اور جاگیر تک پہنچ گئی تھی۔ اور طلحہ بن عبید اللہ کو عراق کے غلہ سے ایک ہزار یومیہ کی آمدنی تھی۔ عبدالرحمٰن بن عوف کے پاس ایک سو گھوڑے، ایک ہزار گائیں اور دس ہزار بھیڑیں تھیں۔ اس کے علاوہ اس کے انتقال کے وقت اس کی دولت کے آٹھویں حصہ کا ایک چوتھائی اٹھاسی ہزار تک پہنچ چکا تھا۔ جب زید بن ثابت کا انتقال ہوا تو اس کا سونا اور چاندی کلہاڑوں سے توڑا گیا، اس کے علاوہ جو رقم نقد اس نے چھوڑی وہ ایک لاکھ دینار پر مشتمل تھی۔ یعلیٰ بن منیۃ مرا تو اس نے تین لاکھ کی جاگیر کے علاوہ پانچ لاکھ دینار نقد چھوڑے۔ خود عثمان نے مرتے وقت ایک لاکھ پچاس ہزار دینار، دس لاکھ درہم (مدینہ میں) نقد اس کے علاوہ وادی القریٰ، حنین اور دوسرے مقامات پر ایک لاکھ دینار کی جائداد، ہزاروں کی تعداد میں اونٹ و گھوڑے اور متعدد محل چھوڑے[1]"۔

اس دولت مند طبقہ کے برعکس غربت اور افلاس کا مارا ہوا ایک مفلس و نادار طبقہ بھی تھا جس کے پاس نہ زمینیں تھیں نہ مال و دولت، اس طبقہ میں محاذِ جنگ پر لڑنے والے جانباز اور ان کے اہل و عیال شامل تھے جن کے لیے عثمان کا کہنا تھا کہ لڑنے والے مسلمانوں کو صرف معمولی اجرت کا حق ہے باقی مالِ غنیمت اللہ کے لیے ہے[2]۔

---

[1] مروج الذہب ج۲ ص۳۴۱ تا ۳۴۳ [2] تاریخ اسلام حسن ابراہیم ج۱ ص۲۵۸

Presented by www.ziaraat.com

جب مالِ غنیمت اللہ کے لیے تھا تو کیا حضرت عثمان خدا تھے؟ یا خدا کے بیٹے اور وارث و جانشین تھے؟ جو اس کی ملکیت کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھ کر اس کے مال پر اپنا دست تصرف دراز کیے ہوئے تھے۔

بہر حال حضرت عثمان نے اپنی اس غلط حکمت عملی سے ان دونوں طبقوں کے درمیان عدم مساوات کی ایک خلیج پیدا کر دی، چنانچہ ایک طرف دولت مند طبقہ کی دولت میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا اور دوسری طرف غریب و مفلس طبقہ کی غربت اور بڑھتی گئی۔ آخر کار اس غیر منصفانہ نظام نے مسلمانوں کو بہت جلد یہ احساس دلا دیا کہ انھوں نے اقتدارِ اسلامیہ کو غلط اور سفاک ہاتھوں کے حوالے کر دیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عثمان نے اپنے عہد میں جو بدعنوانیاں کیں ان پر کسی دردمند انسان کا دل دکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ تو گمنامیوں کے گوشوں میں پڑے ہوں، افلاس ان کا مقدر بن چکا ہو، غربت انھیں گھیرے ہوئے ہو اور بیت المال پر تسلط ہو تو بنی امیہ کا۔ تمام چراگاہوں میں چوپائے چریں تو ان کے، محلات تعمیر ہوں تو ان کے، حکومت کے مرکزی عہدوں پر فائز ہوں تو انھیں کے نوخیز و ناتجربہ کار افراد۔ اور اگر کوئی دردمند ان تمام بدعنوانیوں و بے اعتدالیوں کے خلاف زبان کھولنے کی کوشش کرے تو اس کی پسلیاں توڑ دی جائیں اور کوئی اس سرمایہ داری کے خلاف آوازِ احتجاج بلند کرے تو اسے شہر بدر کر دیا جائے۔

زکوٰۃ و صدقات جو فقراء و مساکین کا حق تھا اور بیت المال جو تمام مسلمانوں کا سرمایہ تھا، اس کا مصرف کیا قرار دیا گیا تھا؟ ذیل کے

چند نمونوں سے واضح ہے:

۱۔ حکم بن العاص کو (جسے رسولؐ نے مدینہ سے نکلوا دیا تھا) نہ صرف سنت رسولؐ بلکہ سیرتِ شیخین کی بھی خلاف ورزی کرتے ہوئے اسے پھر مدینہ میں واپس بلا لیا اور بیت المال سے ایک لاکھ درہم عطا فرمائے۔[۱]

۲۔ ولید بن عقبہ کو (جسے قرآن نے فاسق قرار دیا ہے)، ایک لاکھ درہم دے دیے۔[۲]

۳۔ مروان بن حکم سے اپنی بیٹی ابان کی شادی کی تو اسے ایک لاکھ درہم بیت المال سے دیے۔[۳]

۴۔ حارث بن حکم سے اپنی بیٹی عائشہ کا عقد کیا تو اسے بھی بیت المال سے ایک لاکھ درہم عطا کیے۔[۴]

۵۔ ابو سفیان بن حرب کو دو لاکھ درہم سے نوازا۔[۵]

۶۔ عبد اللہ بن خالد کو چار لاکھ درہم عنایت کیے۔[۶]

۷۔ مروان کو افریقہ کا خمس (پانچ لاکھ درہم) نذر کر دیا۔[۷]

۸۔ مدینہ میں مہزور ایک جگہ تھی جسے رسول اکرمؐ نے مسلمانوں کے لیے وقف عام قرار دیا تھا حارث بن حکم کے حوالے کر دی۔[۸]

۹۔ فدک مروان کو عطائے خسروانہ کے طور پر دے دیا۔[۹]

---

۱ معارف ابن قتیبہ ص ۸۴ ۲ عقد الفرید ج ۳ ص ۹۴ ۳ شرح ابن ابی الحدید ج۱ ص ۳۹ ۴ شرح ابن ابی الحدید ج۱ ص ۳۹ ۵ شرح ابن ابی الحدید ج۱ ص ۳۹ ۶ معارف ص ۸۴ ۷، ۸ و ۹ معارف ص ۸۴

Presented by www.ziaraat.com

۱۰۔ مدینہ اور اس کے نواح میں جتنی چراگاہیں تھیں ان میں بنی امیہ کے اونٹوں کے علاوہ دیگر افراد کے جانوروں کو چرنے کی اجازت نہیں تھی۔[1]

ان واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عثمان نے خلافت حاصل کرتے وقت عبدالرحمٰن بن عوف سے کتاب خدا، سنت رسولؐ اور سیرت شیخین پر عمل کا جو وعدہ ارکان شوریٰ کے سامنے کیا تھا اس سے مکر ہی نہیں گئے بلکہ خلافت ملنے کے بعد اسے ہوا میں اڑا دیا۔

مسٹر ذاکر حسین نے اپنی کتاب تاریخ اسلام میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عثمان کسی طرح بھی حکومت کے قابل نہ تھے۔[2] اور اسی ناقص عثمانی نظام حکومت نے بنی امیہ اور بنی ہاشم کے درمیان عداوت کی دبی ہوئی آگ کو ہوا دے کر پھر مشتعل کر دیا جو تقریباً سو سال تک بھڑکتی رہی۔

مختصر تعارف

حکم بن العاص

حکم بن عاص، حضرت عثمان کے باپ عفان کا حقیقی بھتیجا اور عثمان کا سگا چچیرا بھائی تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گیا تھا مگر اس کے طور طریقے ایسے تھے کہ پیغمبرؐ نے اس پر اور اس کی اولاد پر لعنت کی[3] اور اسے مدینہ سے وادی وج (طائف میں ایک جگہ ہے) کی طرف جلا وطن

۱؎ شرح ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۳۹ ۲؎ تاریخ اسلام ذاکر حسین باب چہارم ص ۱۲

۳؎ نہج البلاغہ ص ۲۱۹ بحوالہ اسد الغابہ

کر دیا۔ اس کا بیٹا مروان بھی اس کے ساتھ جلا وطن ہوا۔ پھر آنحضرتؐ نے عمر بھر ان دونوں کو مدینہ واپس نہ آنے دیا۔ حضرت ابوبکر و عمر نے بھی ایسا ہی کیا لیکن حضرت عثمان نے خلیفہ ہوتے ہی ان دونوں کو واپس بلوا لیا اور مروان کو وہ عروج بخشا کہ خلافت کی باگ ڈور اسی کے ہاتھوں میں تھما دی کہ وہ جو چاہے کرے اور پھر اس کے حق میں حالات کو یوں سازگار بنایا کہ وہ معاویہ ابن یزید کے مرنے کے بعد خلیفۃ المسلمین بن بیٹھا لیکن ابھی نو مہینہ اٹھارہ دن ہی تخت حکومت پر گزرے تھے کہ تیسری رمضان ۶۵ھ میں اسے قضا نے اس طرح دبوچا کہ اس کی بیوی اس کے منہ پر تکیہ رکھ کر بیٹھ گئی اور اس وقت تک الگ نہ ہوئی جب تک اس نے دم نہیں توڑ دیا۔

حکم بن عاص کو پیغمبر اسلامؐ سے جو عداوت تھی یا اس نے آنحضرتؐ کو جو اذیتیں پہنچائیں اس کا حال تاریخ کی زبان سے سنیے، بلاذری کا کہنا ہے:

"حکم آنحضرتؐ کا سخت و شدید دشمن تھا۔ ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد اسلام لایا مگر یہ مسلمان ہونے کے باوجود آنحضرتؐ کا مضحکہ اڑایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ آنحضرتؐ اپنی کسی زوجہ (غالباً عائشہ) کے حجرہ میں خلوت نشیں تھے تو یہ باہر سے (کسی سوراخ کے ذریعہ) جھانک رہا تھا۔ آنحضرتؐ نے باہر نکل کر ڈانٹا اور فرمایا کہ کاش کوئی مجھے اس ملعون سے نجات دلا دے۔ پھر فرمایا جہاں میں ہوں وہاں یہ نہیں رہ سکتا چنانچہ آپ نے اسے طائف کی طرف جلا وطن کر دیا اور عثمان کی سفارشوں اور کوششوں کے باوجود اسے مدینہ میں

Presented by www.ziaraat.com

> پھر داخل نہ ہونے دیا۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے دور میں بھی اس کی جلاوطنی برقرار رہی مگر عثمان نے خلیفہ ہوتے ہی اسے بلا لیا۔"[1]

لطف تو یہ ہے کہ حضرت عثمان کے اس مذموم فعل کو علمائے اہل سنت میں بیشتر حضرات مستحسن نظروں سے دیکھتے ہیں اور اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ حضرت عثمان نے اس سلسلہ میں پوشیدہ طور پر رسول اکرمؐ سے اجازت حاصل کرلی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حکم بن عاص کی جلاوطنی کے بارے میں رسول اللہؐ اور عثمان کے درمیان گویا خفیہ معاہدہ تھا۔ اگر اسی طرح کی تاویلیں ہم کریں کہ اصحاب نبیؐ نے قتل عثمان کے لیے آنحضرتؐ سے پوشیدہ طور پر اجازت حاصل کرلی تھی تو اس کا کیا جواب ہے؟ بہر حال ابن ہشام کا کہنا ہے کہ:

> "حکم مکہ میں آنحضرتؐ کے پڑوس میں رہتا تھا اور یہ آنحضرتؐ کا جانی دشمن تھا اور ہر وقت طرح طرح کی تکلیفیں اور سخت سے سخت ایذائیں پہنچایا کرتا تھا۔"[2]

اصابہ وغیرہ میں مالک بن دینار سے مروی ہے:

> "ایک مرتبہ آنحضرتؐ ایک راستہ سے گذر رہے تھے، حکمؔ آپؐ کے پیچھے پیچھے کچھ مضحکہ خیز اشارے کرتا ہوا چل رہا تھا آنحضرتؐ نے دیکھ لیا تو (اس کے حق میں) بد دعا کی چنانچہ وہ ویسا ہی ہوگیا اور مرتے دم تک ویسا ہی رہا۔"[3]

---

[1] خلاصہ کتاب الانساب بلاذری ج۵ ص ۲۷ [2] سیرت ابن ہشام ج۲ ص ۶۵
[3] اصابہ ج۱ ص ۳۲۵، سیرت حلبیہ ج۱ ص ۳۳۷، فائق زمخشری ج۲ ص ۲۰۵

یہی وہ حکم تھا جسے مدینہ بلوانے کے بعد حضرت عثمان نے بیت المال سے ایک لاکھ درہم عطا کیے تھے۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان نے حکم کو بنی قضاعہ سے زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور کیا تھا اور جب وہ تین لاکھ درہم وصول کرکے لایا تو سب اسی کو بخش دیا۔

یعقوبی نے اپنی تاریخ میں عجیب حیرت انگیز واقعہ تحریر فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

> "بازارِ مدینہ کی آمدنی وصول کرنے پر جو شخص معین تھا اس کے پاس ایک دن عثمان تشریف لے گئے اور فرمایا کہ آج کی جتنی آمدنی ہے وہ حکم کو دے دو۔ حضرت عثمان کا یہ قاعدہ تھا کہ جب وہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو کچھ دینا چاہتے تھے تو اپنے پاس سے نہیں دیتے تھے بلکہ بیت المال سے خزانچی کے ذریعہ دلوا دیتے تھے۔ خزانچی نے کہا یہ رقم میں نہیں دوں گا۔ عثمان نے کہا تم میرے خزانچی ہو اس لیے تمھیں عذر نہیں ہونا چاہیے۔ خزانچی نے کہا تم جھوٹے ہو، میں تمھارا خزانچی نہیں ہوں بلکہ تمام مسلمانوں کا خزانچی ہوں اور بیت المال میں مسلمانوں کا مشترکہ سرمایہ ہے۔ چنانچہ اس تکرار کے بعد وہ خزانچی جمعہ کے دن جب کہ عثمان نماز کے بعد خطبہ دے رہے تھے آیا اور مسلمانوں کو مخاطب کرکے بولا کہ لوگو! عثمان کہتے ہیں کہ تم میرے خزانچی ہو حالانکہ میں مسلمانوں کا خزانچی ہوں ایسی صورت میں میرا ان کا نباہ مشکل ہے لہٰذا بیت المال کی کنجیاں میں واپس کرتا ہوں۔ اس کے بعد عثمان نے اسے معزول کرکے زید بن ثابت کو خزانچی بنا دیا۔"

Presented by www.ziaraat.com

ایسی صورت میں اولادِ امیہ یا دیگر مالی فائدہ حاصل کرنے والے لوگ اگر عثمان کو "عثمان غنی" کے لقب سے یاد کرتے ہیں تو کیا یہ تعجب خیز نہیں ہے؟

مروان بن حکم

یہ حضرت عثمان کا بھتیجا اور داماد تھا، ہم تحریر کر چکے ہیں کہ یہ بھی اپنے باپ حکَم کے ساتھ جلاوطن کر دیا گیا تھا مگر حضرت عثمان نے آنحضرتؐ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے اسے بھی حکَم کے ساتھ واپس بلالیا اور اس پر عنایتوں کی وہ بارش کی کہ وزارتِ عظمیٰ کا قلمدان سپرد کرنے کے ساتھ ہی اپنی بیٹی بھی اسے سپرد کر دی اور کثیر مال وزر کے علاوہ فدک کا علاقہ جو رسولؐ اللہ کی اکلوتی بیٹی جناب فاطمہ زہراؑ سے ابوبکر وعمر نے چھین لیا تھا، اس کو عطا کر دیا۔ غرض کہ مروان سے عثمان کے تعلقات کچھ ایسے پیچیدہ تھے کہ وہ برائے نام خلیفہ رہ گئے تھے اور خلافت وحکومت کا سارا کام مروان ہی انجام دیتا تھا۔

مروان نگاہِ رسالت میں کیا تھا؟ حضرت عائشہ بنت ابوبکر کی زبان سے سنیے:

"عائشہ کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے مروان کے باپ حکَم پر اس وقت لعنت کی تھی جب مروان حکم کی صلب میں تھا، اس لیے وہ بھی لعنتِ رسولؐ کا ایک ٹکڑا ہے۔"[1]

۱؎ مستدرک حاکم ج۲ ص ۲۲۵، تفسیر زمخشری ج۴ ص ۹۹، تفسیر ابن کثیر ج۴ ص ۲۳ اور تفسیر رازی ج۷ ص ۴۹۱

ایک روایت اور:

"جبیر ابن مطعم سے روایت ہے کہ ہم لوگ پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ادھر سے حکم گزرا، اسے دیکھ کر آنحضرت نے فرمایا کہ اس کے صلب میں جو بچہ ہے اس سے میری امت عذاب و پریشانی میں مبتلا ہوگی۔"[1]

عبدالرحمن بن عوف سے مروی ہے:

"مدینہ میں جو بچہ پیدا ہوتا تھا وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں لایا جاتا تھا چنانچہ پیدا ہونے کے بعد مروان بھی لایا گیا، اسے آنحضرتؐ نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ ملعون ابن ملعون ہے۔"[2]

جبیر ابن مطعم کی روایت کے مطابق پیغمبر اسلامؐ نے مروان کی اسلام دشمنی سے متعلق اس وقت پیشین گوئی فرمادی تھی جب وہ اپنے باپ کی صلب میں تھا۔ کاش حضرت عثمان کو آنحضرتؐ کی اس پیشین گوئی پر بھی اتنا ہی اعتماد ہوتا جتنا کاہنوں اور نجومیوں پر تھا تو شاید مروان کے ساتھ وہ یہ سلوک روا نہ رکھتے، مگر اعتماد کا سوال تو اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اسلام اور رسولِ اسلام پر ان کا عقیدہ مستحکم ہوتا اور وہ نیک نیتی سے مسلمان ہوئے ہوتے۔

حارث بن الحکم

حارث بن حکم بن عاص حضرت عثمان کا دوسرا داماد اور آپ کی

۱؎ اصابہ ج۱ ص ۳۴۴، اسد الغابہ ج۳ ص ۳۴

۲؎ صواعق محرقہ ص ۱۰۸، حیواۃ الحیوان ج۲ ص ۳۹۲، سیرت حلبیہ ج۱ ص ۲۲۷ و مستدرک حاکم ج۴ ص ۴۷۵۔

Presented by www.ziaraat.com

صاحبزادی عائشہ کا شوہر تھا، اسے بھی آپ نے بیت المال سے مالا مال کر دیا محض اس لیے کہ یہ حضرت علیؑ اور آلِ رسولؐ کا جانی دشمن تھا اور آپ کی دامادی سے مشرف تھا۔

کتاب الانساب بلاذری میں ہے کہ آپ (عثمان) نے حارث کو بیت المال سے تین لاکھ درہم دیئے[1] اور مدینہ کے بازار کی وہ آمدنی جو رسولؐ نے مسلمانوں کے لیے وقف کی تھی، بطور جاگیر اسے بخش دی۔[2]

سیرتِ حلبیہ میں ہے کہ مدینہ کے بازار میں جو مال فروخت ہوتا تھا اس کا دسواں حصہ حضرت عثمان نے حارث کے لیے وقف کر رکھا تھا۔[3] زکوٰۃ میں وصول ہونے والے کچھ اونٹ حضرت عثمان کے پاس لائے گئے وہ سب انھوں نے حارث کے حوالے کر دیے۔[4] غرض کہ حضرت عثمان نے خیرات، زکوٰۃ سب اپنے دامادوں اور بیٹوں کے لیے روا رکھا تھا۔

سعید بن العاص

سعید اس عاص کا بیٹا تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا رسانی میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا اور چونکہ وہ امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوا تھا اس لیے سعید کو حضرت علیؑ سے خاص طور پر دشمنی و عداوت تھی۔

یہ شخص حد سے زیادہ اوباش، آوارہ مزاج، بدکردار اور عیاش

---

۱ کتاب الانساب ج ۵ ص ۸۵ ۲ عقد الفرید ج ۶ ص ۲۶۱ و معارف ص ۸۸،
۳ سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۲۷ ۴ کتاب الانساب ج ۵ ص ۸۵

قسم کا انسان تھا۔ چنانچہ اس کا مشہور قول ہے کہ:

"عراق کی سرزمین ہمارے چھوکروں کے لیے باغات ہیں"۔[1]

حضرت عثمان کی خصوصی نگاہِ التفات سعید پر کیوں تھی؟ یہ وہ جانیں۔ تاریخ میں صرف اتنا ہے کہ عثمانی لطف و کرم پر جب بعض صحابہ نے احتجاج کیا تو حضرت عثمان نے انھیں یہ جواب دیا کہ:

"میں نے سعید کو مالا مال کر کے حق قرابت ادا کیا ہے، تم سے مطلب؟"

ولید بن عقبہ بن ابی معیط

حضرت عثمان بن عفان کی طرح ولید بن عقبہ بھی اروی بنت کریز کے بطن سے تھا۔ ماں ایک اور باپ مختلف ہونے کی وجہ سے عثمان اور ولید آپس میں سوتیلے بھائی تھے۔

ولید ایک مانا ہوا فاسق تھا اور اس کے فسق کی گواہی قرآن نے دی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اسے جہنمی قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود حضرت عثمان نے اسے کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔

تاریخِ احمدی مطبوعہ نامی پریس، لکھنؤ کے صفحہ ۱۴۲ پر مسعودی کی تاریخ مروج الذہب کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عثمان نے جو عمال مقرر کیے تھے ان میں آپ کا اخیافی بھائی ولید بن عقبہ بھی تھا جس کے جہنمی ہونے کی خبر رسولِ خدا نے دی تھی۔ ولید تمام رات

---

۱ کتاب الانساب بلاذری ج ۵ ص ۲۸

Presented by www.ziaraat.com

اپنے مصاحبین اور اربابِ نشاط کے ساتھ شراب نوشی میں مشغول رہتا تھا اور جب موذن نماز کے لیے اسے خبردار کرتا تو وہ اسی طرح مخمور (نشہ کی حالت میں) مسجد میں جاکر (نمازیوں کو) صبح کی نماز پڑھاتا تھا اور دو کے بجائے چار رکعت پڑھا کے کہتا تھا کہ اگر تم لوگ کہو تو رکعتوں کو اور زیادہ کر دوں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ولید جب سجدے میں جاتا تو دیر تک پڑا رہتا تھا اور کہتا رہتا تھا کہ "(پروردگار) تو بھی پی اور مجھے بھی پلا" چنانچہ ایک بار جو لوگ اس کے پیچھے پہلی صف میں تھے ان میں سے کسی نے کہا کہ ہم تجھ پر تعجب نہیں کرتے بلکہ حیرت اور تعجب اس پر ہے کہ جس نے ہم پر تجھے امیر اور والی مقرر کیا ہے۔

جب ولید کے فسق اور شراب نوشی کی خبر مسلمانوں میں عام ہوئی تو مسلمانوں کے ایک گروہ نے جس میں ابوذر اور ابو زینب وغیرہ شامل تھے، مسجد سے آکر ولید پر ہجوم کیا، اس وقت وہ شراب کے نشے میں بے ہوش پڑا تھا، ان لوگوں نے اسے ہوشیار کرنا چاہا مگر جب وہ کسی طرح ہوش میں نہیں آیا تو اس کی انگشتری جس پر مہر کندہ تھی، اس کے ہاتھ سے اتار لی گئی اور لوگوں نے فوراً مدینہ آکر عثمان سے ولید کے شراب نوشی کا حال بیان کیا۔ حضرت عثمان نے پوچھا کہ تم نے کیونکر جانا کہ ولید نے شراب پی۔ ان لوگوں نے ولید کی شراب نوشی کے ثبوت میں اس کی انگشتری پیش کر کے کہا کہ وہ وہی شراب پیتا ہے جو ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں پیا کرتے تھے۔ حضرت عثمان نے شکایت کنندگان کے سینہ پر دولتی رسید کرتے ہوئے انھیں دھکا دیا اور ڈانٹ پھٹکار کر بھگا دیا۔

ملا علی بن برہان الدین حلبی شافعی کا بیان ہے کہ:

"ولید شاعر، ظریف اور بے حد شرابی تھا۔ صبح سے لے کر شام تک برابر شراب پیتا رہتا تھا اور نشے میں چور رہتا تھا۔ اس نے اہل کوفہ کو صبح کی نماز دو رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھائی اور رکوع و سجود میں کہتا تھا "اشرب واستعنی"۔ نماز کے وقت ایک دن اس نے مصلّی پر محرابِ مسجد میں قے کر دی[1]"

علامہ بلاذری کا بیان ہے کہ:

"جب ولید حاکم کوفہ ہو کر آیا تو اس وقت بیت المال کے نگراں عبداللہ بن مسعود تھے۔ ولید نے عبداللہ سے ایک کثیر رقم بطور قرض مانگی اور وعدہ کیا کہ وظیفہ ملنے پر ادا کر دوں گا۔ لیکن جب ولید نے وہ رقم ادا نہیں کی تو کچھ عرصہ بعد عبداللہ نے مطالبہ کیا۔ اس پر ولید نے عثمان سے عبداللہ کی شکایت کی۔ حضرت عثمان نے ابن مسعود کو لکھا کہ تم میرے خزانچی ہو، ولید نے جو قرض لیا ہے اس کا تقاضا نہ کرو۔ عبداللہ بن مسعود نے کنجیاں پھینک دیں اور کہا کہ مجھے ایسی ملازمت منظور نہیں ہے[2]۔"

اس واقعہ کے بعد بلاذری نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن مسعود عثمان کی غیر اسلامی روش اور غیر دینی سرگرمیوں پر برسرِعام نکتہ چینی کرتے رہتے تھے۔

کردار عثمانی کا یہ تضاد فکر انگیز ہے کہ وہ شریعت محمدی اور دینِ الٰہی کو تباہ کرنے والوں پر انتہائی مہربان تھے اور اپنی ذات کے خلاف آواز

---

[1] ابو الفداص ۲۰۴ [2] کتاب الانساب بلاذری ج ۵ ص ۳۰

Presented by www.ziaraat.com

اٹھانے والوں کے لیے سخت اور شقی القلب۔

عبداللہ بن سعد بن سرح

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حضرت عثمان کا رضاعی بھائی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معتوب تھا۔ آنحضرتؐ نے فتح مکہ کے دن اس کا خون مباح کر دیا تھا۔ یہ شخص پیغمبرؐ اسلام کا مذاق اڑاتا اور آپ کو طرح طرح کی اذیتیں دیا کرتا تھا۔ یہ قرآن کا مضحکہ اڑاتا اور کہتا کہ قرآن میرے ہاتھ میں ہے جیسا چاہوں لکھ سکتا ہوں۔ اور خود قرآن نے اس کے کفر کو بیان کیا ہے۔

سرورِ کائنات یقیناً اس شخص کو بھی مکہ سے نکلوا دیتے مگر حضرت عثمان اس کی سفارش کی تو خلق عظیم نے اپنا ارادہ بدل دیا۔

اسی عبداللہ کو حضرت عثمان نے اپنے دور میں پہلے افریقہ فتح کرنے کے لیے مسلمانوں کی فوج کا سپہ سالار بنایا۔ پھر عمرو بن العاص کو معزول کر کے مصر کا گورنر بنا دیا۔

عبداللہ بن خالد

یہ عبداللہ ابن خالد حضرت عثمان کے تیسرے داماد تھے۔ اسلام دشمنی میں ان کا درجہ بھی بہت بلند تھا۔ ان کے لیے بھی مراعات و عنایاتِ عثمانی عروج پر تھیں۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

"حضرت عثمان نے اپنے تیسرے داماد عبداللہ بن خالد بن اوسید بن ابو العاص بن ابی امیہ کو چار لاکھ درہم بیت المال سے

عطا کیے۔ عبداللہ بن مسعود نے اعتراض کیا تو عثمان نے اتنا مارا کہ ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔"[1]

بلاذری کا بیان ہے:

"عثمان کے زمانہ میں عبداللہ بن ارقم صحابی رسولؐ خزانچی تھے۔ عثمان نے بیت المال سے ایک لاکھ درہم قرض لیے، عبداللہ بن ارقم نے اس قرض سے متعلق ایک تحریر لکھوائی اور حضرت علیؑ، طلحہ، زبیر، سعد وقاص اور عبداللہ بن عمر اس کے گواہ ہوئے کیونکہ یہ مسلمانوں کا مال تھا۔ کچھ ہی دنوں بعد عبداللہ بن خالد بن اوسید آئے اور ان کے ساتھ ان کے چند دوست بھی۔ حضرت عثمان نے عبداللہ کو تین لاکھ درہم اور اس کے ساتھیوں کو ایک ایک لاکھ درہم بیت المال سے دلوانے کے لیے خزانچی کے نام ایک تحریر لکھ دی کہ یہ رقم انھیں بیت المال سے دے دی جائے۔ ابنِ ارقم کے نزدیک یہ رقم بہت زیادہ تھی، بیت المال برداشت نہیں کر سکتا تھا، انھوں نے عثمان کا حکم نامہ واپس کر دیا۔ اس کا انجام عبداللہ بن ارقم کی معزولی پر تمام ہوا۔"[2]

یعقوبی کا بیان ہے:

"حضرت عثمان نے عبداللہ بن خالد سے اپنی لڑکی بیاہ دی اور اس کو چھ لاکھ درہم عطا کیے جانے کا حکم عبداللہ بن عامر کو دیا کہ بصرہ کے بیت المال سے یہ رقم دے دی جائے۔"[3]

---

[1] عقد الفرید ج۲ ص ۲۶۱، معارف ص ۸۴ [2] کتاب الانساب ج ۵ ص ۸۵ [3] تاریخ یعقوبی ج۲ ص ۱۶۵

Presented by www.ziaraat.com

"تعارف" کے عنوان سے تحریر کیے گئے ان چند نمونوں سے حضرت عثمان غنی کی "غنائیت" اور اقربا پروری کا بھی بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور یہ اندازہ بھی آسان ہوجاتا ہے کہ بیت المال کی لوٹ کھسوٹ میں عام مسلمانوں کی زبوں حالی اور سنت پیغمبری کی کسمپرسی کا کیا عالم رہا ہوگا؟

عاملوں کی معزولی اور تقرری

(کوفہ) حضرت عثمان جب خلیفہ ہوئے تو اس وقت کوفہ کا گورنر مغیرہ بن شعبہ تھا، انھوں نے اسے معزول کر کے سعد بن ابی وقاص کو گورنر مقرر کیا، لیکن ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ سعد بھی معزول ہوگئے اور ان کی جگہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط گورنر ہوگیا۔

سعد کی معزولی کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان کا عبداللہ بن مسعود (خزانچی بیت المال) سے قرض کے لین دین کے معاملہ میں جھگڑا ہوگیا تھا۔ کیونکہ سعد بن ابی وقاص نے بیت المال سے جو رقم قرض لی تھی اسے انھوں نے مقررہ مدت میں ادا نہیں کیا تھا لیکن ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی نظر میں یہ وجہ معقول نہیں ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"ان (سعد بن ابی وقاص) کا عبداللہ بن مسعود سے قرضہ کے معاملہ پر جھگڑا کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہ تھا کہ ان جیسے صحابی کو معزول کر دیا جاتا جب کہ وہ قرض سے منکر نہ تھے محض اس کی ادائیگی کے لیے تھوڑی سی مہلت چاہتے تھے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ حضرت سعد کی معزولی کا اصل سبب یہ ہے کہ بنی امیہ اور آلِ ابی معیط نے ولایت

حاصل کرنے کے لیے جلد بازی، تقاضے اور مختلف حیلے اختیار کرنا شروع کر دیے۔ انھوں نے حضرت عثمان پر دباؤ ڈال رکھا تھا کہ وہ ان کے لیے حکومت تک پہنچنے کی راہ صاف کریں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت عثمان نے سعد کو کوفہ سے معزول کیا تو ان کی جگہ صحابۂ کبار یا مہاجرو انصار میں سے کسی کو متعین نہیں کیا نہ حضرت طلحہ کو بھیجا نہ زبیر کو نہ عبدالرحمٰن کو نہ محمد بن مسلمہ کو اور نہ ابوطلحہ کو، انھوں نے بھیجا تو ولید بن عقبہ کو، حالانکہ مسلمانوں کو ولید پر کوئی اعتماد نہ تھا۔"[1]

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا یہ خیال قرینِ قیاس ہے اس لیے کہ ولید بن عقبہ حضرت عثمان کا سوتیلا بھائی تھا اور عثمان و ولید کی ماں ایک تھیں۔

(بصرہ) بصرہ کے گورنر ابوموسیٰ اشعری تھے لہٰذا عثمان کے رشتہ داروں کی نظر میں یہ کھٹک رہے تھے۔ آخر کار حضرت عثمان نے انھیں بھی نکال باہر کیا اور ان کی جگہ اپنے ماموں زاد بھائی عبدالرحمٰن بن عامر بن کریز کو گورنر کے عہدہ پر مامور کر دیا۔

(مصر) مصر میں عمرو بن العاص والی تھے۔ حضرت عثمان نے عمر کی وصیت کے مطابق کچھ عرصہ تک انھیں برقرار رکھا اور اپنی حکمت عملی سے رفتہ رفتہ اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح (جس کا حال ہم اوپر تحریر کر چکے ہیں) کے لیے راستہ ہموار کرنا شروع کر دیا۔ پہلے افریقہ کی فتح کے لیے اسے سپہ سالار بنا کر بھیجا اور پھر افریقہ

[1] الفتنۃ الکبریٰ

Presented by www.ziaraat.com

کی فتح کے بعد اسے مصر کا والئ خراج بنا دیا اور عمرو بن العاص کی خدمات کو جنگی امور تک محدود کر دیا، اس طرح ایک صوبہ کے دو حاکم ہو گئے۔ اب تنازعات کا پیدا ہونا لازمی تھا اور جب تنازعات ظہور پذیر ہوئے تو حضرت عثمان نے عمرو بن العاص کو معزول کر کے عبداللہ بن سعد کو مکمل طور پر وہاں کا گورنر بنا دیا۔

(شام) شام میں عمر بن خطاب کے زمانے سے معاویہ بن سفیان گورنر تھا۔ اس کا شمار طلقاء میں ہوتا تھا اور اس کا اسلام بھی مہمل اور نام نہاد تھا۔ لیکن چونکہ یہ اموی تھا اس لیے قوم پرستی کے فطری تقاضوں کے تحت حضرت عثمان کی تمام مہربانیاں اس کے شامل حال رہیں۔ معاویہ کے لیے عثمان نے اس صوبہ میں وسعت پیدا کی اور فلسطین و حمص کے صوبے بھی اس میں شامل کر دیے جب کہ عمر کے زمانہ میں یہاں الگ الگ عامل ہوا کرتے تھے۔

اگر حضرت عثمان کی دینی غیرت، ان کے قبائلی عصبیت پر غالب ہوتی تو وہ معاویہ کی طاقت کو مزید نہ بڑھاتے۔ معاویہ اور اس کی اولاد نے آلِ رسولؐ پر جو مظالم ڈھائے ان سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں اور ساری دنیا واقف ہے۔ کیا حضرت عثمان اس ذمہ داری سے بچ سکتے ہیں۔

دورِ عثمانیہ کے اہم واقعات

قتل ہرمزان

فیروز (ابولولو) کے خنجر سے جناب عمر جس دن زخمی ہوئے اس کے

دوسرے دن عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے عبیداللہ بن عمر سے بتایا کہ کل میں نے ابولولو، ہرمزان[1] اور جفینہ[2] ایک جگہ بیٹھ کر آپس میں کچھ باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا، یہ لوگ مجھے دیکھ کر منتشر ہونے لگے تو ایک دو دھاری خنجر ان میں سے ایک کے پاس سے گرا تھا۔ عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے خنجر کی شناخت بتائی تو عبیداللہ نے جو خنجر ابولولو سے عمر کے زخمی ہونے کے بعد چھینا تھا اس کو ویسا ہی پایا۔ اسے گمان ہوا کہ یہ تینوں افراد قتل عمر میں شریک تھے۔ اسی گمان اور شک و شبہ کی بنا پر عبیداللہ جنونی کیفیت کے ساتھ ہرمزان کے گھر گیا اور جاتے ہی اس کا کام تمام کر دیا، پھر جفینہ کے گھر پہنچا اور اسے قتل کر دیا اس کے بعد ابولولو کے گھر میں گھس کر اس کی یتیم لڑکی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جب انصار و مہاجرین کی بزرگ ہستیوں کو اس تہرے قتل کی اطلاع ملی تو وہ لوگ عبیداللہ کے پاس آئے اور بہت کچھ تہدید و تخویف کی۔ عبیداللہ نے جواب دیا کہ میں عجمیوں میں کسی کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔ اور اس کے ساتھ ہی بہت سے مہاجروں کو بھی قتل کروں گا۔ اس پر عبیداللہ

---

[1] ہرمزان اہواز کا ایرانی صوبہ دار تھا جو حضرت عمر کے زمانہ میں فتح اہواز کے بعد اسیر ہو کر آیا تھا اور جناب عباس عم رسول اکرمؐ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا تھا۔ بیت المال سے دو ہزار درہم اس کا سالانہ وظیفہ مقرر تھا اور جناب عباس و دیگر بنی ہاشم کی پناہ میں رہتا تھا۔

[2] عربی تاریخوں مں جفینہ اور فارسی تاریخوں میں جہینہ مرقوم ہے۔ یہ نصرانی تھا اور سعد بن ابی وقاص کا ہمنوا و حامی تھا۔

Presented by www.ziaraat.com

اور سعد بن ابی وقاص میں سخت تو تو، میں میں، گالم گلوچ، گتھم گتھا اور ہاتھا پائی ہوئی یہاں تک کہ سعد نے اس کی تلوار چھین لی، بال پکڑ کر دے مارا اور گھسیٹتا ہوا اپنے گھر لایا اور کمرے میں بند کر دیا۔ اور جب تک حضرت عثمان کی خلافت کے لیے شوریٰ ہوتا رہا صہیب نے اسے نظر بند رکھا۔ بیعت کے دوسرے دن عثمان کے سامنے اس تہرے قتل کا پہلا مقدمہ پیش ہوا۔

حضرت عثمان نے مہاجرین و انصار کو مجتمع کیا اور ان سے پوچھا کہ عبید اللہ بن عمر کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے جس نے ہرمزان جو مسلمان اور عبادت گزار تھا، جفینہ جو اللہ کے ذمہ اور سید ابرار کی پناہ میں تھا اور فیروز (ابو لولو) کی یتیم و نابالغ لڑکی کو بے جرم و خطا صرف گمان پر بغیر دلیل و برہان کے قتل کیا اور دینِ محمدی میں فتنہ برپا کیا؟

تمام بنی ہاشم نے خون کے بدلے خون اور قتل کے بدلے قتل کا مطالبہ کیا۔ کچھ مہاجرین اور خاص کر حضرت علی علیہ السلام بھی قصاص میں عبید اللہ کو قتل کیے جانے کے حق میں تھے۔ اس کے برعکس عمرو بن العاص کے ساتھ ایک گروہ کثیر عبید اللہ بن عمر کا طرفدار بھی تھا۔ چنانچہ عمرو عاص نے کہا کہ لوگ چاہتے ہیں کہ کل باپ (عمر) مارا گیا اور آج بیٹا مارا جائے۔ اس پر دربارِ عثمانی میں بہت کچھ بحث و مباحثہ اور ہنگامہ ہوا تو عمرو عاص نے عثمان سے کہا کہ یہ واقعہ آپ کے خلیفہ ہونے سے پہلے کا ہے لہٰذا آپ کے لیے درگذر مناسب ہے۔ عثمان نے کہا ٹھیک ہے میں اس کی دیت بیت المال سے ادا کیے دیتا ہوں۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ تمھیں یہ مجاز نہیں ہے کہ دیت بیت المال سے

ادا کرو، اس پر عثمان نے کہا، اچھا میں دیت کی رقم اپنی جیب خاص سے ادا کیے دیتا ہوں۔ چنانچہ انھوں نے ادا کر دیا اور عبید اللہ بن عمر کو چھوڑ دیا۔

مندرجہ بالا اقتباسات تاریخ طبری، ابن اثیر، روضۃ الاحباب اور حبیب السیر سے ہم نے نقل کیے ہیں۔ اور طبقات ابن سعد میں ہے کہ:

جب عثمان خلیفہ بنا دیے گئے تو انھوں نے مہاجرین و انصار کو بلایا اور کہا کہ مجھے اس شخص (عبید اللہ ابن عمر) کے بارے میں مشورہ دو جس نے دین میں رخنہ پیدا کیا، مہاجرین نے اتفاق کر کے عثمان کو مقتولین کا والی بنا دیا۔ لوگوں کی اکثریت عبید اللہ کے ساتھ تھی جو جفینہ اور ہرمزان کے لیے کہتے تھے کہ وہ تو قتل ہوئے اب تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ عمر کے بعد ان کے بیٹے کو قتل کر دو۔

اس معاملے میں شور و غل اور اختلاف بہت ہو گیا۔ عمرو عاص نے عثمان سے کہا یہ واقعہ آپ کی خلافت کے آغاز سے پہلے کا ہے لہٰذا اسے درگذر کیجیے۔ عمر کی تقریر سے لوگ منتشر ہو گئے، عثمان بھی باز آ گئے اور دونوں آدمیوں اور لڑکی کا خوں بہا دے دیا گیا۔

ابی رجزہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ میں نے عبید اللہ بن عمر کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ عثمان سے ہاتھا پائی کر رہے تھے، عثمان کہہ رہے تھے کہ خدا تجھے غارت کرے، تو نے ایسے شخص کو قتل کیا جو نماز پڑھتا تھا اور چھوٹی بچی کو، ایک دوسرے شخص کو جو رسولؐ اللہ کے ذمہ تھا، تیرا چھوڑنا حق نہیں ہے۔ پھر تعجب ہے کہ جس وقت وہ والی ہوئے انھوں نے اسے کیوں کر چھوڑ دیا۔ لیکن مجھے معلوم ہوا کہ عمرو عاص نے اس میں دخل اندازی کی اور انھوں نے ان کے کہنے پر

Presented by www.ziaraat.com

چھوڑ دیا۔

خلیفہ بننے سے پہلے عثمان کا یہ خیال تھا کہ اس تہرے قتل کے مجرم عبیداللہ کو چھوڑنا مناسب نہیں ہے مگر خلیفہ بننے کے بعد آپ نے عبیداللہ کو نہ صرف چھوڑا بلکہ خوں بہا کی رقم بھی اپنے پاس سے ادا کرنے کو تیار ہو گئے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو یہ احساس ہوا ہو کہ یہ خلافت تو اسی کے باپ کی مرہون منت ہے اس لیے احسان منداور حیادار خلیفہ کو تین معصوم جانوں کا قصاص لیتے ہوئے شرم آئی، کیونکہ مقتولین غیر عرب تھے اور ان کا کوئی والی ووارث نہ تھا۔

حضرت ابوذر غفاری کی جلاوطنی

ابوذر غفاری مدینہ سے مشرق کی جانب واقع ایک چھوٹے سے گاؤں ربذہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کا نام جندب ابن جنادہ تھا جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حال سنا تو مکہ آئے اور پیغمبر کی خدمت میں باریاب ہو کر اسلام قبول کیا جس پر کفار قریش نے انھیں طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائیں مگر آپ کے ثبات قدم میں لغزش نہ آئی۔ اسلام قبول کرنے والوں میں آپ پانچویں نمبر پر ہیں۔ اس سبقتِ اسلامی کے ساتھ آپ کے زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ میری امت میں ابوذر زہد و ورع میں عیسیٰؑ ابن مریم کی مثال ہیں۔

آپ حضرت عمر کے زمانۂ خلافت میں شام چلے گئے اور حضرت عثمان کے عہد خلافت میں وہیں مقیم تھے اور شب و روز ہدایت و تبلیغ کے فرائض انجام دیتے تھے۔ امیر شام معاویہ کو آپ کی یہ

روش پسند نہ آئی چنانچہ وہ ان کے کھلم کھلا لے دے کرنے اور عثمان کی سرمایہ پرستی، اقربا پروری اور بے راہ روی کے تذکروں سے انتہائی بیزار تھا مگر کچھ بنائے نہ بنتی تھی۔ آخر کار اس نے عثمان کو لکھا کہ اگر ابوذر کچھ دنوں اور یہاں مقیم رہے تو اطراف کے تمام لوگوں کو آپ سے برگشتہ کر دیں گے لہٰذا اس کا انسداد ہونا چاہیے۔ اس کے جواب میں عثمان نے معاویہ کو لکھا کہ ابوذر کو کسی بے کجاوہ اور تیز رفتار اونٹ پر سوار کر کے کسی درشت مزاج، تندخو اور بے رحم و سنگدل رہبر کے ساتھ مدینہ کی طرف بھیج دو۔ چنانچہ حضرت ابوذر جب مدینہ پہنچے تو اذیت ناک سواری کی وجہ سے آپ کی رانوں کا گوشت جدا ہو چکا تھا اور صرف ہڈیوں کی سفیدی ظاہر ہو رہی تھی۔ لیکن مدینہ پہنچ کر بھی آپ کی زبانِ صداقت خاموش نہیں ہوئی۔ مسلمانوں کو رسولؐ کا زمانہ یاد دلاتے۔ نظامِ حکومت پر طنز کرتے، سرمایہ داری کی مخالفت کرتے اور شاہانہ ٹھاٹ باٹ کی بر سرِ عام مذمت کرتے۔

حضرت عثمان کے لیے جناب ابوذر کا یہ طرز عمل ناقابلِ برداشت تھا۔ چنانچہ آپ نے انھیں ایک دن بلایا اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ جب بنی امیہ کی تعداد تیس ۳۰ تک پہنچ جائے گی تو اللہ کے شہروں کو اپنی جاگیر، اس کے بندوں کو اپنا غلام اور اس کے دین کو فریب کاری کا ذریعہ قرار دے لیں گے؟

ابوذر نے کہا کہ بے شک میں نے پیغمبرؐ اسلام سے یہ حدیث سنی ہے۔ عثمان نے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ پھر اپنے مصاحبین کو مخاطب کر کے پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے پیغمبرؐ کی زبان سے یہ حدیث سنی ہے؟

Presented by www.ziaraat.com

سب نے جواب نفی میں دیا جس پر ابوذر نے فرمایا کہ اس حدیث کے بارے میں امیرالمومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے پوچھا جائے وہی اس کی حقیقت بتائیں گے۔ چنانچہ حضرت علیؑ کو بلا کر دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ابوذر سچ کہتے ہیں۔ عثمان نے کہا کہ آپ کس بنا پر اس حدیث کی صحت کی گواہی دے رہے ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ میں نے پیغمبرؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

"زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے ابوذر سے زیادہ سچ بولنے والا کوئی نہیں ہے۔"

اب عثمان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اگر جھٹلاتے تو پیغمبرؐ کی تکذیب لازم آتی لہٰذا پیچ و تاب کھا کر رہ گئے اور کوئی تردید نہ کر سکے۔ اب سرمایہ پرستی کے خلاف ابوذر کی صدائے احتجاج اور بلند ہونے لگی اور جب عثمان کو دیکھتے تو اس قرآنی آیت کی تلاوت فرماتے:

(ترجمہ) "جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو کہ جس دن ان کا جمع کیا ہوا سونا اور چاندی دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیاں داغی جائیں گی اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی ہے جسے تم نے اپنے لیے ذخیرہ کیا تھا تو اب ذخیرہ اندوزی کا مزہ چکھو۔"

حضرت عثمان نے اپنی طینت، فطرت اور عادت کے مطابق ابوذر کو بھی مال و زر کا لالچ دیا، مگر اس طائر آزاد کو سنہری جال میں نہ جکڑ سکے۔ تشدد اور سختی سے بھی کام لیا مگر زبان بند نہ کر سکے۔ آخر کار عثمان

کی ظالمانہ روش نے اس حق پرست کو مدینہ چھوڑ دینے اور ربذہ کی طرف چلے جانے پر اپنے شاہی فرمان کے ذریعہ مجبور کر دیا۔ اور مروان کو اس امر پر مامور کیا گیا ہے کہ وہ انھیں مدینہ سے باہر نکال دے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ قہرمانی فرمان بھی جاری ہوا کہ کوئی شخص ابوذر سے کلام نہ کرے اور نہ کوئی شخص الوداع کہے۔ مگر امیرالمومنین حضرت علیؑ امام حسنؑ، امام حسینؑ، عقیل، عبداللہ بن جعفر اور عمار یاسر نے اس قہرمانی فرمان کی کوئی پروا نہ کی اور اشک بار آنکھوں کے ساتھ رخصت کے لیے دور تک ابوذر کے ہمراہ آئے۔

جلاوطنی کے بعد ربذہ میں ابوذر کی زندگی انتہائی مصائب و آلام میں کٹی۔ آپ کے فرزند ذر اور اہلیہ نے یہیں انتقال کیا جو بھیڑ بکریاں گزارے کے لیے پال رکھی تھیں وہ بھی ہلاک ہو گئیں، صرف ایک بیٹی رہ گئی جو باپ کے ساتھ دکھوں اور فاقوں میں برابر کی شریک تھی۔ جب سر و سامان زندگی ناپید ہو گئے اور مسلسل فاقے پر فاقے ہونے لگے تو اس نے ابوذر سے کہا، بابا! یہ زندگی کے دن کیسے کٹیں گے کہیں آنا جانا چاہیے اور رزق کا سامان فراہم کرنا چاہیے۔ بیٹی کی اس تجویز پر ابوذر اسے ہمراہ لے کر صحرا کی طرف نکل کھڑے ہوئے مگر گھاس پھوس اور درختوں کے پتے بھی میسر نہ آسکے۔ آخر کار تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئے۔ صحرا کی ریت اکٹھا کی اور اس پر سر رکھ کر لیٹ گئے۔ اسی عالم میں سانسیں اکھڑ گئیں اور نزاع کی کیفیت طاری ہو گئی۔ جب ابوذر کی دختر نے یہ حال دیکھا تو سراسیمہ و مضطرب ہو کر کہنے لگی کہ باباجان! اگر آپ نے اس لق و دق صحرا میں انتقال فرمایا تو میں اکیلی کیوں کر کفن دفن کا انتظام کروں گی۔ آپ نے

Presented by www.ziaraat.com

فرمایا کہ بیٹی گھبراؤ نہیں، رسولؐ اللہ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اے ابوذر! تم عالم غربت میں انتقال کرو گے اور کچھ عراقی تمھاری تجہیز و تکفین کریں گے لہٰذا بیٹی اگر میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو ایک چادر میرے اوپر ڈال دینا اور سرِ راہ جا کے بیٹھ جانا، جب ادھر سے کوئی قافلہ گزرے تو کہنا کہ رسولؐ کے صحابی ابوذر نے انتقال کیا ہے۔

چنانچہ ابوذر کی رحلت کے بعد ان کی بیٹی سرِ راہ جا کر بیٹھ گئی، کچھ دیر بعد ایک قافلہ گزرا جس میں ہلال بن مالک مزنی، احنف بن قیس تمیمی، اصعصعہ بن صوحان ابدی، اسود بن قیس تمیمی اور مالک بن حارث اشتر تھے۔ جب انھوں نے حضرت ابوذر کے انتقال کی خبر سنی تو اس بے کسی کی موت پر تڑپ اٹھے۔ سواریاں روک لی گئیں اور ان کی تجہیز و تکفین کے لیے سفر ملتوی کر دیا گیا۔ مالک اشتر نے جو کفن دیا اس کی قیمت چار ہزار درہم تھی۔ یہ لوگ تجہیز و تکفین کے فرائض انجام دینے کے بعد رخصت ہوئے اور ابوذر کی بیٹی کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔ یہ واقعہ ۸؍ ذی الحجہ ۳۲ھ کا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ مالک اشتر اور ان کے ساتھیوں نے دفن کرنے کے بعد ابوذر کے لیے دعائے مغفرت کی اور عثمان کے اس ظلم کے خلاف اللہ سے فریاد اور ان کے حق میں بد دعا کی۔

(طبری، خلافت فاروقی و عثمانی)

حضرت عمار بن یاسر پر عثمانی تشدد

آپ کا نام عمار اور والد کا نام یاسر تھا جو نسلاً یمنی تھے۔ آپ کی

والدہ سمیہ قبیلۂ مخزوم سے تھیں۔ آپ نے ابتدا ہی میں اپنے والدین کے ساتھ قبولیت اسلام کا شرف حاصل کیا اور اس کی پاداش میں کفار قریش کے ہاتھوں بڑے بڑے مصائب و آلام برداشت کیے۔ اہل قریش اپنے معبودوں (بتوں) کی تعریف و توصیف اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا کہنے کے لیے آپ کو چلچلاتی دھوپ اور آگ اگلتی ہوئی گرم ریت پر دن دن بھر لٹائے رکھتے اور کہتے کہ ہم تمھیں اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک تم محمدؐ کی برائی اور ہمارے معبودوں کی توصیف و تعریف نہ کرو گے مگر عمار کی پیشانی پر بل نہ آتا اور آپ کی زبان حمد الٰہی اور توصیف محمدی میں رطب اللسان رہتی۔ یہ حال دیکھ کر پیغمبرؐ کو صدمہ ہوتا اور وہ آپ اور آپ کے والدین کے لیے خدا سے رحمت کے طلبگار ہوتے۔ قرآن نے بھی آپ کے اسلامی ثبات اور سرمدی ایمان کے تذکرے کیے ہیں۔

حضرت عمار یاسر کو "ذوالہجرتین" کا خطاب دیا جائے تو غلط نہ ہوگا اس لیے کہ آپ نے دو ہجرتیں کی ہیں۔ پہلے حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ کی طرف۔

دیگر صحابہ کی بہ نسبت مسجد نبوی کی تعمیر میں آپ کا حصہ زیادہ ہے، اس لیے کہ دیگر صحابہ اگر ایک اینٹ یا پتھر لاتے تو آپ دو لاتے تھے۔

جنگ خندق کے موقع پر خندق کی کھدائی اور تیاری میں بھی عام مسلمانوں سے زیادہ حصہ لیا اور ہر اسلامی جنگ میں پیغمبرِ اسلام کے دوش بدوش رہے، دیگر صحابہ کی طرح کسی جنگ کے میدان سے راہِ فرار نہیں اختیار کی۔

Presented by www.ziaraat.com

عمر بن خطاب نے اپنے دورِ خلافت میں آپ کو کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا اور پھر کچھ ہی عرصہ کے بعد معزول کر دیا اور پوچھا کہ اس معزولی سے آپ ناراض تو نہیں ہوئے؟ عمار نے جواب دیا کہ جس وقت آپ نے مجھے گورنر بنایا تھا اس وقت بھی میں خوش نہیں تھا اور اب معزول ہو گیا ہوں تب بھی خوش نہیں ہوں۔ یہ تھی عمار کی صاف گوئی اور شانِ بے نیازی۔

حضرت ابو ذر غفاری کے بعد عمار دوسرے صحابی تھے جنھوں نے حضرت عثمان کی بد عنوانیوں اور بے اعتدالیوں کے خلاف آوازِ احتجاج بلند کی اور اس کے بدلے مصائب و آلام میں مبتلا ہوئے۔

ایک دن حضرت عثمان نے بیت المال سے ایک انتہائی بیش قیمت ہیرا نکلوا کر اپنی کسی بیٹی یا بیوی کے زیور میں جڑوا دیا، لوگوں کو اس کا پتہ چلا تو انھوں نے عثمان پر لعنت ملامت کی اور غم و غصہ کا اظہار کیا۔ اس پر عثمان بھی طیش میں آ گئے اور انھوں نے برسرِ عام یہ اعلان کیا کہ سارا مالِ غنیمت ہمارا ہے، ہم جو مناسب سمجھتے ہیں کرتے ہیں، کسی کا اس میں کیا اجارہ؟ اس پر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تمھیں روک دیا جائے گا اور تمھارے اور بیت المال کے درمیان آڑ کر دی جائے گی۔

حضرت عمار یاسر بھی اس موقع پر موجود تھے، آپ نے فرمایا کہ میں اپنے خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اس معاملہ کی مخالفت کرنے والوں میں میرا نام سرِ فہرست شامل کر لیا جائے۔ بس اس جملے پر عثمان نے عمار کو گرفتار کرا لیا اور اپنے ہاتھوں سے اتنا مارا کہ آپ

بے ہوش ہو گئے۔

یہ پیغمبرؐ کا بے باک صحابی پھر بھی اپنی حق بیانی اور حق پرستی پر قائم رہا اور اس کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں ہوئی۔ ایک موقع پر کچھ صحابہ نے عثمان کو ایک خط لکھا اور اس میں انھیں ان کے طرزِ عمل پر ملامت و نصیحت کی۔ حضرت عمار یاسر یہ خط لے کر عثمان کے پاس آئے اور اس کا ابتدائی حصہ انھیں پڑھ کر سنایا۔ عثمان نے انھیں سخت و سست کہا، گالیاں دیں اور لاتوں اور گھونسوں سے بری طرح مارا پیٹا۔ اس وقت عثمان کے پیروں میں چرمی موزے تھے، یہاں تک کہ ایک ایسی لات حضرت عمار کے پیٹ پر پڑی کہ شکم کا پردہ پھٹ گیا جس سے اس بوڑھے صحابی کو فتق کی بیماری ہو گئی۔

مورخ اعثم کوفی کا بیان ہے کہ:

"حضرت ابوذر غفاری کے انتقال کی خبر جس وقت عثمان کو ملی، اس وقت عمار یاسر بھی عثمانی بزم میں موجود تھے، آپ نے "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ" کا کلمہ زبان پر جاری کیا اور فرمایا کہ ابوذر پر اللہ کی رحمت ہو، اے خدا! میں یہ دعا اس کیلیے دل و جان سے مانگتا ہوں کہ اسے بخش دیجیو۔ اس پر خلیفہ عثمان نے غصہ ہو کر کہا، اے نالائق! تیرا بھی یہی حال ہو گا۔ میں ابوذر کو مدینہ سے نکال دینے پر پشیمان نہیں ہوں..... عمار نے کہا خدا کی قسم میرا یہ حال نہ ہو گا۔ عثمان نے کہا اسے دھکے دو اور شہر سے نکال دو اور اسی جگہ پہنچا دو جہاں ابوذر کو پہنچایا تھا..... عمار نے کہا، خدا کی قسم مجھے کتے اور بھیڑیوں کی ہمسائیگی تیرے پاس رہنے سے زیادہ پسند ہے۔"

Presented by www.ziaraat.com

اس گفتگو کے بعد حضرت عثمان نے جناب یاسر کو بھی جلا وطن کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ خبر جب عام ہوئی تو قبیلۂ بنی مخزوم کے وہ لوگ جو حضرت عمار کے قریبی رشتہ دار تھے، امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فریاد کی:

"آج ہم عثمان کی اس ناشائستہ گفتگو اور بے ہودہ فیصلہ کے سلسلہ میں آپ کے پاس آئے ہیں جو اس نے عمار کے بارے میں کیا ہے۔ اگر وہ عمار کو شہر سے باہر نکال دے گا تو ہمارے ہاتھوں بھی وہ حادثہ ظہور میں آجائے گا جس سے وہ تمام عمر پچھتائے گا"۔

حضرت علی علیہ السلام نے قبیلۂ بنی مخزوم کے اس وفد کے تیوروں کو محسوس کیا اور عثمان کے پاس آکر کہا:

تم نے اس سے پہلے ابوذر کو جو انتہائی نیک، پرہیزگار، متقی، سچا مسلمان اور حضرت رسولِ خداؐ کا بہترین صحابی تھا، مدینہ سے نکال دیا اور وہ بے چارہ بے کسی کی حالت میں پردیس (ربذہ) میں ہی چل بسا۔ تمھارے اس تشدد نے مسلمانوں کو برگشتہ کیا۔۔۔۔ اب تم نے یہ ارادہ کیا ہے کہ عمار کو بھی مدینہ سے نکال باہر کرو۔۔۔۔ اللہ سے خوف کھاؤ اور اصحابِ پیغمبرؐ کو اذیتیں دینے سے باز آؤ۔ عثمان کو حضرت علیؑ کی یہ باتیں ناگوار گذریں۔ چنانچہ مورخ اعثم کوفی نے تحریر کیا ہے کہ عثمان نے غصہ سے بے قابو ہو کر حضرت علی سے بدکلامی کی اور آپ کو بھی مدینہ سے نکال دینے کی دھمکی دی۔ اس پر علیؑ نے عثمان کو حقارت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے فرمایا کہ اگر تیرے دل میں یہ حسرت ہے تو آزما کے دیکھ۔۔۔ خدا کی قسم تمام فسادات تیری ذات سے ہیں اور

میں دیکھتا ہوں کہ تجھ سے ایسے امور سرزد ہو رہے ہیں جو حدودِ شریعت سے باہر ہیں۔ یہ کہہ کر آپ عثمان کے پاس سے چلے آئے اور پھر عثمان نے عمار کی جلا وطنی کا فیصلہ ترک کر دیا۔

عبداللہ بن مسعود

عبداللہ بن مسعود کا تعلق قبیلۂ بنی زہرہ سے تھا۔ آپ سابقین مسلمین میں سے تھے۔ آپ ہی نے سب سے پہلے بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کی، اس سے پہلے کسی کی یہ ہمت نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ کفار قریش نے آپ کو اس فعل پر اتنا مارا تھا کہ آپ لہولہان ہو گئے تھے۔ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد سے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت و فرمانبرداری کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ آپ پیغمبر اسلامؐ کے کفش بردار بھی تھے۔ آپؐ کی نعلین پیروں میں پہناتے اور آپ کے ساتھ آگے آگے چلتے۔ آپ نے دو ہجرتیں کیں، پہلی حبشہ کی طرف اور دوسری ہجرت مدینہ کی طرف۔ جنگ بدر سے لے کر اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ رفتار و گفتار اور طور و طریق میں رسولؐ کے مشابہ تھے۔[1]

حضرت عمر نے انھیں امورِ دین کی تعلیم دینے کے لیے اور جناب عمار کو حاکم بنا کر کوفہ بھیجا تھا اور کوفے والوں کو تحریراً یہ تاکید کی تھی کہ تم

۱۔ مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۹، بخاری مناقب ابن مسعود، مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۱۵ و ۳۲۰، کنز العمال ج ۷، ص ۵۵

Presented by www.ziaraat.com

لوگ ان دونوں حضرات کی پیروی کرنا اور ان کی باتوں پر عمل کرنا۔[1]

ابن مسعود اہل کوفہ کو قرآن اور دین کی تعلیم دیتے رہے، یہاں تک کہ جب ولید کوفہ کا گورنر مقرر ہو کر آیا تو آپ اس وقت بیت المال کے خزانچی بھی تھے۔

ولید نے بیت المال سے کچھ قرض لیا اور جب ایک مدت تک اس نے وہ قرض کی رقم ادا نہیں کی تو آپ نے اس سے واپسی کا تقاضہ کیا۔ ولید نے اس کی شکایت عثمان سے کی چنانچہ عثمان نے ابن مسعود کو لکھا:

"تم صرف ہمارے خزانچی ہو۔ ولید نے بیت المال سے جو رقم لی ہے اس کا تقاضہ نہ کرو۔"

یہ شاہی حکم جب موصول ہوا تو خوددار عبداللہ بن مسعود نے بیت المال کی کنجیاں ولید کے سامنے پھینک دیں اور کہا کہ میں اپنے آپ کو تمام مسلمانوں کا خزانچی تصور کرتا تھا، تمھارا خزانچی ہونا مجھے منظور نہیں ہے۔ چنانچہ کنجیاں پھینکنے کے بعد آپ کوفہ ہی میں مقیم رہے۔[2]

علامہ بلاذری رقم طراز ہیں:

ولید کے سامنے عبداللہ بن مسعود نے جب بیت المال کی کنجیاں پھینکی تو یہ جملہ بھی کہا:

"جو شخص شریعت میں الٹ پھیر کرے گا اسے خدا بھی الٹ دے گا

---

[1] استیعاب ج۱ ص ۴، ۴ج۲ ص ۳۶۴، اصابہ ج۲ ص ۳۶۹، اسد الغابہ ج۳ ص ۲۸۵ [2] انساب الاشراف ج۵ ص ۳۶

اور جو تبدیلی کا مرتکب ہوگا وہ اللہ کے قہر و غضب میں آئے گا۔ تمھارے "صاحب" (عثمان نے الٹ پھیر بھی کیا ہے اور تبدیلی کے مرتکب بھی ہوئے ہیں۔ ورنہ کیا رسولؐ کے صحابی سعد بن ابی وقاص اس قابل تھے کہ انھیں معزول کیا جاتا؟ اور کیا تم اس قابل تھے کہ تمھیں مسلمانوں پر حاکم مقرر کیا جاتا؟

آپ اکثر یہ بھی کہا کرتے:

"سب سے زیادہ صحیح قول اللہ کی کتاب ہے اور سب سے عمدہ ہدایت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت ہے اور بدترین امور (شریعت میں) نئی باتیں ہیں اور ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی کا ٹھکانا جہنم ہے۔"

ولید بن عقبہ نے ان تمام باتوں کے بارے میں عثمان کو لکھا کہ ابنِ مسعود آپ پر الزام عائد کرتے ہیں اور اہلِ کوفہ کے درمیان برا بھلا کہتے ہیں۔ عثمان نے ولید کو یہ پیغام بھیجا کہ عبداللہ بن مسعود کو کسی سرکش اور درشت خو رہبر کے ساتھ میرے پاس روانہ کر دو۔ چنانچہ ابن مسعود جب واردِ مدینہ ہوئے اور عثمان سے ملنے کی غرض سے مسجد میں آئے تو اس وقت عثمان منبر پر خطبہ فرما رہے تھے۔ ابن مسعود پر نگاہ پڑی تو گویا ہوئے:

"لوگو! تمھارے درمیان وہ جانور آیا ہے جو اپنی خوراک کو پیروں تلے روندتا ہے اور اس پر لید کرتا ہے۔"

حضرت عائشہ نے اپنے حجرے سے پکار کر کہا:

"عثمان! خدا کا خوف کر، صحابیٔ رسولؐ کی شان میں ایسی

Presented by www.ziaraat.com

گستاخی کرتا ہے۔"

لیکن عثمان نے عائشہ کی ایک نہ سنی اور ابن مسعود کو گرا کر پیروں تلے روند ڈالا جس سے آپ کی پسلیاں شکستہ ہوگئیں۔ اکثر نے یہ کہا ہے کہ عثمان کے اشارے پر عبداللہ بن زمعہ نے ابن مسعود کو پٹک دیا۔ بعض کا یہ کہنا ہے کہ عثمان کے غلام محموم نے دونوں ہاتھو پر اٹھا کر زمین پر دے مارا جس سے آپ کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔

اس ظلم کے بعد بھی عثمان کو چین نہ آیا چنانچہ آپ نے ابن مسعود پر مزید ستم یہ کیا کہ وظیفہ بند کر دیا اور مدینہ سے باہر جانے پر مکمل پابندی عائد کر دی۔

بلاذری کا کہنا ہے کہ جب ابن مسعود مرض الموت میں بتلا ہوئے تو عثمان ان کی عیادت کو آئے اور دونوں میں باہم اس طرح گفتگو ہوئی:

عثمان :— آپ کو کیا تکلیف ہے؟

ابن مسعود :— اپنے گناہوں کا خوف ہے۔

عثمان :— آپ کیا چاہتے ہیں؟

ابن مسعود :— اپنے پروردگار کی رحمت۔

عثمان :— آپ کا وظیفہ پھر جاری کر دوں؟

ابن مسعود :— جب ضرورت تھی تو بند کر دیا، اب ضرورت نہیں تو جاری کرنے پر آمادہ ہیں۔

عثمان :— آپ کے بچوں کے کام آئے گا۔

ابن مسعود :— میرے بچوں کا کفیل خدا ہے۔

عثمان :— میری بخشش کے لیے خدا سے دعا کیجیے۔

ابن مسعود :— میں خدا سے دعا کروں گا کہ وہ آپ سے میرا انتقام لے۔

تاریخ ابن کثیر میں ہے کہ جب عثمان نے یہ کہا کہ وظیفہ آپ کے بچوں کے کام آئے گا تو ابن مسعود نے فرمایا کہ آپ میرے بچوں کی ناداری کا اندیشہ نہ کریں، میں نے انھیں تاکید کر دی ہے کہ وہ ہر رات سورۂ واقعہ کی تلاوت کرے گا وہ کبھی فقر و فاقہ میں بتلا نہیں ہوگا۔[1]

عثمان جب چلے گئے تو ابن مسعود نے وصیت کی کہ وہ میری نمازِ جنازہ نہ پڑھائیں۔ چنانچہ جب آپ نے انتقال کیا تو کسی نے عثمان کو خبر تک نہ دی۔ عمار یاسر نے نماز جنازہ پڑھی اور یہ برگزیدہ صحابی ۳۲ھ میں دنیا سے رخصت ہو کر آنحضرتؐ سے جا ملا۔

عثمانی فتوحات

حضرت عمر کے استبدادی دور میں حکومت کے نمک خوار سپہ سالاروں جرنیلوں اور فوجی کمانڈروں نے عرب کے ننگے اور بھوکے قبائل کے ساتھ مل کر ملک گیری اور مالِ غنیمت کے نام پر غیر اسلامی فتوحات کا جو لامتناہی سلسلہ قائم کیا تھا اس کا تسلسل حضرت عثمان کے دور میں بھی برقرار رہا۔ چنانچہ ۲۵ھ میں عثمان نے والیٔ مصر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے نام یہ شاہی فرمان جاری کیا کہ وہ افریقہ کی طرف پیش قدمی کرے اور اس کے تمام علاقوں کو اپنے مفتوحہ علاقوں میں شامل کرلے۔

[1] ابن کثیر ج ۷، ص ۱۶۳

Presented by www.ziaraat.com

اس فرمان کے بموجب عبداللہ بن سعد ایک کثیر فوج لے کر تیونس کی طرف روانہ ہوا مگر وہ اس مہم میں ناکام رہا۔ سنہ ۲۷ھ میں عثمان نے ایک لشکر جس میں صحابہ کی ایک بڑی تعداد شامل تھی، عبداللہ کی مدد کو بھیجا تاکہ وہ تیونس پر دوبارہ حملہ کرکے اس پر فتح حاصل کرے، چنانچہ تیونس فتح ہوا۔ اس کے بعد اسپین فتح ہوا۔ اسی سال معاویہ نے بحری راستے سے قبرص پر چڑھائی کرکے اسے فتح کیا جب کہ حضرت عمر کے دور میں معاویہ کی نگاہیں قبرص پر تھیں لیکن چونکہ عمر بحری جنگ سے ڈرتے تھے اس لیے انھوں نے اجازت نہیں دی تھی۔ اسی سنہ میں ارجان وغیرہ فتح ہوئے۔ سنہ ۲۹ھ میں اصطخر اور فساء وغیرہ فتح ہوئے۔ سنہ ۳۰ھ میں خراسان اور اس کے بیشتر شہر نیشاپور، طوس، سرخس، مرو اور بیہق وغیرہ مفتوحہ ممالک میں شامل ہوئے۔ آذربائیجان کا علاقہ جو حضرت عمر کے دور میں فتح ہو چکا تھا، پھر باغی ہو گیا۔ اس بغاوت کو ولید بن عقبہ نے سختی سے کچل دیا اور وہاں کے لوگوں سے آٹھ لاکھ درہم سالانہ خراج پر صلح ہوئی۔

بہرحال، عثمانی فتوحات کا تذکرہ اس کروفر سے کیا جاتا ہے جیسے یہ تمام فتوحات انھیں کی تدبیر اور فراست کا نتیجہ ہوں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ فتوحات ورثہ ہیں اس جنگی معاشرے کا جو حضرت عمر کے دور میں پوری طرح تشکیل پا چکا تھا، فوجی چھاونیاں قائم ہو چکی تھیں جن میں لاتعداد ملازم پیشہ فوج رہتی تھی جسے مصروف رکھنا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ عثمان کی فتوحات، عمر بن خطاب کے عہد کی جنگوں کا تسلسل تھیں اور ان فتوحات اور کامرانی کا سہرا صوبائی

گورنروں، سپہ سالاروں اور جرنیلوں کے سر ہے نہ کہ عثمان کے۔ البتہ ایک نئی جارحیت عثمانی دور میں شروع ہوئی اور وہ تھی بحری جنگوں کی جس میں سیرتِ شیخین کا کوئی دخل نہ تھا اور نہ آپ کی حوصلہ مندی ہی کارفرما تھی۔ یہ مہم تو صرف بنی امیہ کے سفاک اور غاصب گورنر معاویہ بن ابوسفیان کی جاہ پسندی کا نتیجہ تھی۔

مسجد نبوی کی توسیع

علامہ جلال الدین سیوطی کا کہنا ہے:

"سنہ ۲۹ھ میں حضرت عثمان نے مسجد نبوی کی توسیع کی اور تراشیدہ پتھروں سے اس کی تعمیر عمل میں لائی گئی۔ ستون بھی پتھروں کے بنوائے گئے اور چھت میں ساگوان کی لکڑی استعمال کی گئی اور مسجد کا طول ۱۶۰ ہاتھ اور عرض ۱۵۰ ہاتھ رکھا گیا۔" (تاریخ الخلفاء)

مسجد الحرام کی توسیع

حضرت عثمان نے ۲۶ھ میں حرم کعبہ کی تجدید اور توسیع کا حکم دیا۔ پہلے تو انھوں نے آس پاس کے لوگوں سے ان کے مکانات اور زمینوں کو خریدنے کا قصد کیا مگر جب کچھ لوگوں نے انکار کیا تو ان کے گھروں کو زبردستی مسمار کرا دیا اور انھوں نے فریاد کے ذریعہ جب انصاف کا مطالبہ کیا تو آپ نے انھیں قید خانوں میں ڈال دیا۔ بعد میں عبداللہ بن خالد کی سفارش پر بمشکل تمام انھیں رہا کیا۔ (طبری)

خلیفہ کی حیثیت سے مسجد نبوی اور مسجد الحرام کی تجدید و توسیع

Presented by www.ziaraat.com

عثمان کا فرض تھا، لیکن اللہ کے بندوں کے گھروں کو مسمار و تاراج کر کے اللہ کے گھر کی تعمیر و توسیع کہاں تک جائز اور درست ہے؟ کیا یہ ستم ظریفی نہیں ہے؟

جمعِ قرآن

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے ایک سال کچھ ماہ بعد جنگ یمامہ شروع ہوئی جس میں ستر حفاظِ قرآن قتل کر دیے گئے۔ اس سانحۂ عظیم کے بعد حضرت ابو بکر سے عمر نے فرمایا کہ اگر تنہا حفاظ پر قرآن کے تحفظ کا انحصار کیا گیا اور جنگِ یمامہ کی طرح دیگر جنگوں میں حفاظ قتل ہوتے رہے تو پھر قرآن کی بقا کا مسئلہ پیچیدہ ہو جائے گا اور قرآن میں کمی واقع ہو جانے کا احتمال رہے گا، مناسب ہے کہ قرآن لکھوا کر جمع کرا دینا چاہیے۔ تمام صحابہ نے بھی حضرت عمر کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ زید بن ثابت کو اس کام کی تکمیل کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔ انھوں نے تمام حفاظ کو جمع کیا اور جن جن کے پاس قرآنی آیتیں لکھی ہوئی تھیں ان کو بعد تحقیق ایک جلد میں نقل کر کے جمع کیا۔ وہ نسخہ حضرت ابو بکر کے پاس رہا، ان کے بعد حضرت عمر کے پاس رہا اور عمر کے انتقال کے بعد ان کی بیٹی حفصہ کے قبضہ میں آیا۔

چونکہ عہدِ خلفائے ثلاثہ میں مسلسل فتوحات نے اسلام کو دور دراز ممالک اور علاقوں میں پہنچا دیا تھا، اس لیے زبان کے لحاظ سے علاقائی فرق کا قرآن کی تلاوت و قرات پر اثر انداز ہونا ایک لازمی امر تھا جسے

جنگی مہمات کے دوران عثمانی عاملوں نے بھی محسوس کیا اور حذیفہ یمانی نے عثمان کو یہ مشورہ دیا کہ حفصہ کے پاس جو نسخہ ہے اس کی نقلیں کرا کے انھیں تشہیر کیا جانا چاہیے۔ چنانچہ اس کام کے لیے حضرت عثمان نے ایک چار رکنی کمیٹی تشکیل دی اور اس میں زید بن ثابت، عبد اللہ بن زبیر، سعید بن العاص اور عبد اللہ بن حارث بن ہشام کو نامزد کر کے زید بن ثابت کو اس کا انچارج بنایا اور انھیں حکم دیا کہ ایک ایسا معیاری نسخہ تیار کیا جائے جس کی بنیاد قریش کی قرأت پر ہو۔

اس کمیٹی نے حفصہ کے پاس جو نسخہ تھا اس سے نیز دیگر حفاظ کی حفظ کی ہوئی آیتوں سے تقابل کر کے تحقیق و جستجو کے بعد سات نسخے تیار کیے اور انھیں عراق، شام، مصر اور دیگر بلاد اسلامیہ بھجوا دیے اور اصل نسخہ حفصہ کو واپس کر دیا۔

اب یہاں حسب ذیل باتیں غور طلب ہیں:

۱۔ یہ کہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام جو بقول رسولِ خداؐ امت میں سب سے بڑے عالم اور "باب شہر علم" تھے، ان کے جمع کیے ہوئے قرآن کو ابو بکر، عمر اور عثمان نے قبول کیوں نہیں کیا؟

۲۔ جب حضرت علیؑ نے اپنا جمع کیا ہوا قرآن حضرت عثمان کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اسے مسترد کیوں کر دیا؟

۳۔ حضرت عثمان نے جمعِ قرآن کا کام ایسے لوگوں کے ذمہ کیوں کیا جو اس کے اہل نہ تھے۔

ان تمام باتوں کے ذیل میں ہم سب سے پہلے اراکینِ قرآن کمیٹی

Presented by www.ziaraat.com

کے حالات کا جائزہ لیں گے

زید بن ثابت: زید میں قرآن جمع کرنے کی صلاحیت، اہلیت اور قابلیت قطعی نہیں تھی وہ اس کام کو پہاڑ سر کرنے سے بھی زیادہ مشکل سمجھتے تھے۔ سنہ ۱ھ میں ان کی عمر گیارہ سال کی تھی۔ جمع قرآن کا کام سنہ ۱۱ھ میں جنگِ یمامہ کے بعد ہوا، اس وقت ان کی عمر ۲۲ سال کی تھی۔[۱]

ابو وائل بن شفیق بن مسلم سے اعمش نے روایت کی ہے کہ جب حضرت عثمان نے زید بن ثابت کو قرآن کی تدوین کا حکم دیا تو عبداللہ بن مسعود نے ایک خطبہ مسلمانوں کے سامنے دیا جس میں انھوں نے کہا کہ عثمان مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں قرآن کو زید بن ثابت کے مطابق پڑھوں۔ خدا کی قسم جب میں نے رسولِ خداؐ سے ستر سورتیں اخذ کیں تو اس وقت زید بن ثابت بچوں کے ساتھ کھیلتا تھا۔[۲]

ایک دن عمر بن خطاب، زید بن ثابت کے پاس آئے۔ زید اس وقت اپنی کنیز سے اپنے سر میں کنگھی کرا رہے تھے، عمر کو دیکھا تو سر کھینچ لیا اور کہا کہ آپ نے کیوں زحمت کی، مجھے بلوا لیتے میں خود حاضر ہو جاتا۔ اس پر عمر نے کہا کہ یہ وحی نہیں ہے کہ تم اس میں زیادتی یا کمی کرو بلکہ یہ ایک رائے مشورہ کی بات ہے اگر موافقت کرو تو بہتر ہے ورنہ کچھ نہیں۔ زید نے انکار کیا تو عمر خفا ہو کر چلے گئے۔[۳]

۱؎ استیعاب ترجمہ زید بن ثابت ص ۱۱۹۴ ۲؎ استیعاب جز اوّل ترجمہ عبداللہ بن مسعود ص ۳۷۳ ۳؎ از حد السارق ص ۴۴۴

آخر الذکر روایت سے پتہ چلتا ہے کہ زید بن ثابت "وحی" کے معاملہ میں کمی اور زیادتی کرتے تھے۔

عبداللہ بن زبیر: آپ حضرت ابوبکر کے نواسے تھے۔ سنہ ۲ھ میں پیدا ہوئے۔ جمع قرآن کے وقت ان کی عمر ۲۳ سال کی تھی۔

سعد بن عاص: سعد بن عاص کا تعارف گذشتہ صفحات میں مرقوم ہو چکا ہے۔ یہ بنی امیہ میں سے تھے۔ سنہ ۱ھ میں پیدا ہوئے جمع قرآن کے وقت ان کی عمر ۲۳ یا ۲۴ سال کی تھی۔[۱]

عبداللہ بن مسعود کے قول نیز دیگر روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ جمعِ قرآن کمیٹی کے اراکین زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر اور سعد بن العاص کی عمریں ۲۲ اور ۲۴ سال کے درمیان تھیں۔ عبداللہ بن مسعود جنھوں نے براہ براہِ راست رسول اکرمؐ سے ستر سورتیں اخذ کی تھیں، ان کی موجودگی میں نوخیز، نو عمر اور نا اہل لونڈوں کو قرآن جمع کرنے کا اہم اور محتاط کام سپرد کرنا انتہائی حیرت انگیز و تعجب خیز بات نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟

حضرت علی علیہ السلام کے جمع کردہ قرآن کو مسترد کر دینے کی تہہ میں اہل بیت رسولؐ بالخصوص حضرت علیؑ سے بغض و عناد کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔ اگر آپ کا جمع کردہ قرآن قبول کر لیا جاتا اور نافذ کر دیا جاتا تو اسلام کی تباہی و بربادی کا منصوبہ ابتدائی مراحل میں ہی ختم ہو جاتا۔ اصل مقصد تو اسلام میں تفریق و انتشار

۱؎ استیعاب فی معرفۃ الصحابہ جز الثانی ص ۵۵۵

Presented by www.ziaraat.com

پیدا کرنا تھا اور رسول اکرمؐ اپنی حیات میں ہی فرما چکے تھے کہ میرے بعد اسلام میں تہتّر فرقے ہو جائیں گے۔ آپؐ کی رحلت کے بعد آپ کے اہل بیتؑ پر حکومت وقت کی مقتدر ہستیوں نے جو انسانیت سوز مظالم ڈھائے ان سے تاریخ کے اوراق پُر ہیں۔ اگر حضرت علیؑ کا قرآن قبول کر لیا جاتا تو مزید تفسیر کرنے کی ضرورت لاحق نہ ہوتی اور نہ مدنی آیتیں مکی آیتوں میں نہ مکی آیتیں مدنی آیتوں میں خلط ملط ہوتیں۔ اس کے علاوہ ناسخ و منسوخ آیتوں کی تمیز میں بھی دشواری نہ ہوتی۔ کم سن اور نا اہل لونڈوں کے ذمہ یہ اہم کام سپرد کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بلحاظ ترتیب نزول آیتوں کو مرتب نہ کیا جا سکا۔ حضرت علیؑ نے رسول اللہؐ کی زبانِ مبارک سے ہر آیت کی تفسیر جس طرح سنی تھی اسی طرح آپ نے اپنے جمع کردہ قرآن کے حاشیہ پر تحریر فرما دیا تھا، اس کو ترک کر دینے سے ہر کس و ناکس کو یہ موقع ملا کہ وہ اپنے قیاس پر تفسیر کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مفسر کی تفسیر دوسرے مفسر کی تفسیر سے نہیں ملتی۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ عقیدے بدلے اور تہتّر فرقے عالم وجود میں آگئے۔ کیا اسلام میں اس تخریبی عمل کی ذمہ داری ان خلفاء پر عائد نہیں ہوتی جو حضرت علیؑ کے قرآن کو مسترد کرنے کے ذمہ دار ہیں؟

حضرت عثمان کے اس کارِ خیر کا سب سے بڑا تاریک پہلو یہ ہے کہ آپ نے باقی تمام قرآنی نسخے چاروں طرف سے اکٹھا کرا کے ان میں آگ لگوا دی اور جل کر خاک ہو گئے[1]۔ عبداللہ بن مسعود نے اپنا

[1] تاریخ تذکرۃ الکرام ص ۲۳۷

صحیفہ عثمان کے حوالے کرنے سے انکار کیا تو انھیں بری طرح مارا پیٹا گیا اور ان سے زبردستی وہ نسخہ چھین کر نذر آتش کر دیا گیا[1]۔

منیٰ میں عثمانی نماز

کتابِ خدا، سنتِ رسولؐ اور روایاتِ متواترہ سے ثابت ہے کہ سفر کے دوران نماز قصر ہو جاتی ہے خواہ وہ خوف و دہشت کا عالم ہو یا سکون و اطمینان کا۔ چنانچہ رسولِ اکرمؐ نے اپنی حیات میں "قصر" کے اس عمل کو جاری رکھا اور آپ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر و عمر بھی اسی سنت رسولؐ پر عمل پیرا رہے۔ تاریخوں سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ حضرت عثمان بھی اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں اسی سنت رسولؐ اور سیرتِ شیخین پر کاربند رہے لیکن بعد میں نہ جانے کون سی دماغی رگ پھڑک گئی کہ آپ اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے اور قرآن و سنت کے مقابلہ میں اپنے جاہلانہ اجتہاد سے کام لیتے ہوئے اسے ترک کر دیا۔ چنانچہ مسلم نے اپنی صحیح میں ابن عمر سے روایت کی ہے:

"ابنِ عمر کہتے ہیں کہ منیٰ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے قصر نمازیں پڑھیں لیکن حضرت عثمان نے اتمام کیا۔"

"حارث بن وہب سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہؐ کے ساتھ منیٰ میں انتہائی سکون کے عالم میں نماز قصر پڑھی ہے۔" (بخاری و مسلم)

[1] تاریخ تذکرۃ الکرام ص ۲۳۷

"عبدالرحمٰن بن یزید سے مروی ہے کہ حضرت عثمان نے منیٰ میں نماز تمام پڑھی تو اس کی اطلاع ابن مسعود کو کی گئی انھوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر فرمایا کہ یہ خلافِ سنتِ رسولؐ و سیرتِ شیخین ہے۔" (بخاری و مسلم)

مسلم کی دیگر روایات:

"حضرت انس سے روایت ہے کہ میں نے رسولِ خداؐ کے ساتھ مدینہ میں تمام اور ذوالحلیفہ میں قصر نماز پڑھی۔"

"حضرت انس سے یہ روایت بھی ہے کہ میں مدینہ سے مکہ اور مکہ سے مدینہ تک آنحضرت کے ساتھ رہا اور آپ برابر قصر پڑھتے رہے۔"

"حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے مکہ میں ۱۹ دن تک قصر نمازیں پڑھیں۔"

"ابن ابی شیبہ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے نیک کردار افراد کی نشانیوں میں قصر کو بھی ذکر فرمایا ہے۔"

"یعلیٰ بن امیہ نے حضرت عمر سے پوچھا کہ ہم لوگ امن کی حالت میں اپنی نمازیں کیوں قصر کریں، انھوں نے کہا کہ میں خود اسی الجھن میں تھا لیکن آنحضرتؐ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ قصر صدقۂ خدائی ہے اسے قبول کرو۔"

مسلم میں یہ روایت بھی ہے:

"زہری کہتے ہیں کہ میں نے عروہ سے پوچھا کہ عائشہ کو یہ کیا ہو گیا ہے کہ وہ سفر میں پوری نماز پڑھتی ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ عائشہ نے عثمان کی طرح تاویل کر لی ہے۔"

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ کتاب و سنت اور سیرتِ شیخین کی حضرت عثمان کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں تھی، نیز حضرت عائشہ بھی اس عثمانی فعل میں شریک تھیں۔ ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان نماز کے اجزا میں بھی تخفیف کر لیا کرتے تھے اور سجدہ میں جاتے وقت یا بلند ہوتے وقت تکبیر کو ترک کر دیا کرتے تھے جیسا کہ امام احمد بن حنبل نے عمران بن حصین سے روایت کی ہے:

"انھوں (عمران بن حصین) نے کہا، میں نے علیؑ کی امامت میں نماز ادا کی تو میں نے کہا کہ آپ نے مجھے رسولؐ اور دونوں خلفاؑ کی نماز یاد دلا دی۔ میں حضرت کے پیچھے پہلی صف میں تھا جب آپ رکوع میں جاتے اور بلند ہوتے تو تکبیریں کہتے مگر عثمان نے انھیں اس وقت ترک کر دیا تھا جب وہ بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی آواز نحیف ہو گئی تھی۔" (مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۴۴۰)

اسی طرح سنت نبیؐ برباد ہوئی اور اس کی جگہ سنت خلفاء اور سنت صحابہ نے لے لی اور یہ اسلام میں ایک بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے اور ہر ضلالت کا نتیجہ جہنم ہے۔

MOWLANA NASIR DEVJANI
MAHUVA, GUJARAT, INDIA
PHONE : 0091 2844 28711
MAIL : devjani@netcourrier.com

Presented by www.ziaraat.com

(آٹھواں باب)

سیرتِ شیخین

گذشتہ صفحات میں ہم یہ تحریر کر چکے ہیں کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں صحابیت، انصاریت اور قرابت کو تزویری چالوں سے شکست ہوئی اور "دم کٹے اجماع" کی بدولت ابوبکر خلیفہ بن گئے۔

اس اجماع کو نافہم مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے سیرتِ شیخین سے تعبیر کرتے ہوئے حجت قرار دیا، مگر جب حضرت ابوبکر نے وقتِ آخر حضرت عمر کو ان کی تزویری کوششوں کا ثمر انھیں وصیت نامہ کی شکل میں دے کر اپنے بعد کا خلیفہ بنایا تو یہ اجماع ختم ہوگیا اور سیرت کے ٹکڑے مصلحت کی ہوائیں اڑ گئے۔ اب اس دوسری روش کو مسلمان کیا کہیں؟ سیرت یا سنت؟ لیکن یہ بھی اس وقت فنا کے گھاٹ اتر گئی جب حضرت ابولولو کے خنجر نے عمر کی زندگی پر موت کا سایہ ڈالا۔ اب نہ اجماع رہا نہ نص اور نہ وصیت، بلکہ شوریٰ کا طریقہ رائج ہوا اور اس میں جان بوجھ کر ایسی شخصیتوں کو نامزد کیا گیا جن کے توسل سے خلافت بنی ہاشم کے بجائے حتمی طور پر بنی امیہ تک پہنچے اور جب ایسا ہوگا تو بنی امیہ کی دیرینہ دشمنی بنی ہاشم کو چین نہ لینے دے گی کیونکہ دولت، طاقت اور اقتدار سب کچھ بنی امیہ کے ہاتھ

میں ہوگا اور بنی ہاشم اس سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوں گے۔

یہ وہ خاموش اور سیاسی انتقام تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے ان کے قتل کا ارادہ کرنے والے اور ان کی بزم میں بیٹھنے والے نے لیا۔ چنانچہ اسی انتقامی کارروائی کی بنیاد پر حضرت عثمان بن عفان مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ بن بیٹھے محض اس ظاہری و زبانی اقرار پر کہ وہ سیرتِ شیخین پر عمل کریں گے۔ کیونکہ وہ اس حقیقت سے شاید واقف تھے کہ "سیرتِ شیخین" صرف آلِ رسولؐ سے دشمنی اور عداوت کا نام ہے۔

غالباً یہی وجہ تھی کہ حضرتِ عثمان نے سیرتِ شیخین کے ساتھ ساتھ سنتِ رسولؐ کو بھی پامال کر دیا اور جن ملعونوں کو آنحضرتؐ نے اپنی زندگی میں جلاوطن کر دیا تھا انھیں پھر عزت و احترام کے ساتھ مدینہ واپس بلا لیا جب کہ ابوبکر و عمر نے یہ جسارت نہیں کی۔

اگر ہم حضرتِ عثمان کے اس غلط اقدام کو سیرتِ شیخین سے تعبیر کریں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ شیخین کی سیرت یہ تھی کہ حضرت عثمان رسول اللہؐ کی مخالفت کرتے، ورنہ حکم بن عاص اور مروان بن حکم کو، جن پر پیغمبرؐ نے لعنت کی تھی اور یہ کہہ کر انھیں مدینہ سے نکالا تھا کہ ان کے ہاتھوں میری امت تباہی و بربادی میں مبتلا ہوگی، واپس کیوں بلاتے؟

بعض مورخین کا خیال ہے کہ پیغمبرؐ اسلام نے حکم اور اس کے بیٹے مروان کو طائف کی طرف جلاوطن کیا تھا اور بعض کا کہنا ہے کہ انھیں آنحضرت نے جلاوطن کر کے ربذہ روانہ کیا تھا۔ چنانچہ تاریخ خمیس

Presented by www.ziaraat.com

میں ابن خلکان کے حوالے سے یہ روایت ہے :

"جب عثمان کی بیعت ہو چکی تو انھوں نے حضرت ابوذر غفاری رحمۃ اللہ علیہ کو ربذہ میں پھنکوا دیا صرف اس خطا پر کہ وہ لوگوں کو ترک دنیا کا درس دیا کرتے تھے اور حکم بن عاص کو جسے رسولؐ نے ربذہ میں پھنکوایا تھا، مدینہ واپس بلالیا حالانکہ یہ کام نہ حضرت ابوبکر نے کیا اور نہ حضرت عمر نے۔"[1]

اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت عثمان نے حضرتِ ابوذر غفاری کو اسی مقام پر جلاوطن کیا جس مقام پر رسولؐ اکرم نے حکم بن عاص اور اس کے بیٹے مروان کو پھنکوایا تھا۔ کیا حضرت عثمان کا یہ فعل رسولؐ اللہ سے صریحی انتقام نہ تھا؟ کیا اس عثمانی طرزِ عمل کو دنیا کے مسلمان سیرتِ شیخین کا نام دے سکتے ہیں؟

دوسرے یہ کہ حضرت عثمان کے تخت حکومت پر بیٹھتے ہی بنی امیہ کی بن آئی۔ بیت المال کا دروازہ ان کے لیے کھول دیا گیا اور کنبہ پروری وصلہ رحمی کے پہرے میں اسلامی خزانہ لوٹا جانے لگا۔ دولت کے فرش پر کیف و سرور، عیش و نشاط اور شراب و کباب کی محفلیں گرم ہونے لگیں۔ ذلیل و پست گھرانوں کے نوخیز، نوعمر اور بدکردار "لونڈوں" کو اصحاب رسولؐ پر مقدم کیا جانے لگا۔ صحابہ معزول کیے گئے۔ ابوموسیٰ اشعری کو بصرہ سے ہٹا کر عثمان نے ان کی جگہ عبداللہ بن عامر کو مقرر کیا، مصر سے عمرو عاص کو ہٹایا تو اس کی جگہ اپنے رضاعی بھائی عبداللہ

---

[1] تاریخ خمیس ج ۲ ص ۲۶۸

بن سعد بن ابی سرح کا تقرر کیا، حالانکہ اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے پیغمبرؐ اسلام نے اس کا خون مسلمانوں کے لیے مباح اور جائز کر دیا تھا۔ کوفہ سے عمار کو ہٹایا، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی اہم تبدیلیاں کیں جس میں انھوں نے ہر لحاظ سے اپنے قرابت داروں کو ملحوظ خاطر رکھا۔ مسلمان سوچیں، سمجھیں اور فیصلہ کریں کہ کیا یہ سیرتِ شیخین تھی؟ لطف کی بات تو یہ ہے کہ عثمان نے سیرتِ شیخین اور سنّتِ رسولؐ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جب حکم بن عاص کو مدینہ میں بلایا تو اسے بیت المال سے ایک لاکھ درہم بھی مرحمت کیے۔ کیا یہ مسلمان تھا؟ اسی طرح حارث بن حکم کو بازارِ مدینہ کی آمدنی کا ایک حصہ اور مروان بن حکم کو افریقہ کا خمس اور فدک ہبہ کر دیا، کیونکہ یہ دونوں آپ کے داماد تھے۔ عبداللہ بن خالد جب ملنے آیا تو اسے چار لاکھ درہم عطا کیے۔ ولید بن عقبہ (جسے قرآن نے فاسق کہا ہے) کو ایک لاکھ درہم اور ابوسفیان بن حرب کو دو لاکھ درہم سے سرفراز کیا۔

صحابئ رسولؐ ابوموسیٰ کا بیان ہے کہ عمر کے دور خلافت میں جب سونا، چاندی یا زیورات وغیرہ باہر سے آتے تھے تو وہ انھیں مسلمانوں میں تقسیم کرتے تھے لیکن ایک مرتبہ جب میں اس قسم کی چیزوں کو لے کر عثمان کے پاس پہنچا تو انھوں نے سارا مال اپنی بیویوں اور لڑکیوں کے حوالے کر دیا۔ اس طرز عمل پر مجھے بے حد صدمہ ہوا اور میں نے ان سے کہا آپ سے پہلے تو یہ نہیں ہوتا تھا کہ مسلمانوں کا مال خلیفہ کی بیویوں اور بیٹیوں کی ملکیت بن جائے۔ اس پر انھوں نے جواب دیا کہ عمر اپنی رائے سے کام کرتے تھے اور میں اپنی رائے پر چلتا ہوں۔

Presented by www.ziaraat.com

کیا یہ سیرتِ شیخین تھی؟

حضرت عثمان کے دور میں زید بن ثابت بیت المال کے انچارج تھے۔ انھوں نے ایک دن عثمان سے اس رقم کا تذکرہ کیا جو سالانہ اخراجات کے بعد بیت المال کی تحویل میں باقی تھی۔ عثمان نے زید بن ثابت سے فرمایا کہ وہ تم لے لو۔ جب کہ اس رقم کی تعداد ایک کرور درہم سے زیادہ تھی۔ کیا انھیں بدعنوانیوں اور بے ایمانیوں کا نام سیرتِ شیخین ہے؟

اس کے علاوہ حضرت عثمان نے سنتِ رسولؐ اور سیرتِ شیخین کے خلاف جو اقدام کیے ان کی مختصر فہرست میں ام المومنین حضرت عائشہ کے وظیفے میں تخفیف، عبداللہ بن مسعود اور ابوذر غفاری کے وظائف کا بند کیا جانا، اشتر صحابئی رسولؐ کو مع بیس آدمیوں کے مدینہ سے باہر نکلوانا اور انھیں قید کرنا۔ رسولؐ کے برگزیدہ صحابیوں کو جلاوطن کرنا، ابن مسعود کو پٹوانا اور قرآن کا جلوانا، عمار یاسر کو بری طرح زدوکوب کرانا، عبداللہ بن عمر پر باوجود اس کے کہ وہ ہرمزان جفینہ اور ابولولو کی دو کم سن ویتیم بچیوں کے قاتل تھے، شرعی حد نہ جاری کرنا اور منیٰ میں قصر کے بجائے پوری نماز ادا کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

ان کے علاوہ بھی دیگر عثمانی لغزشوں اور خطاؤں سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ یہی وہ سیرتِ شیخین تھی جسے ٹھکرا کر امیر المومنین حضرت علی بن طالب علیہ السلام نے شوریٰ میں خلافت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

مسلمانوں میں ہیجان

تشدد، مظالم، جبر، استبداد، تذلیل صحابہ، کنبہ پروری اور نفس پرستی کے ساتھ ساتھ عام رعایا کے جائز امور میں غفلت، لاپروائی، سستی اور کاہلی نے عثمان کے خلاف مسلمانوں میں اضطراب و بے چینی کی لہر پیدا کر کے انھیں ایک ہیجانی صورت حال سے دوچار کر دیا تھا۔ ہر شخص پیچ وتاب کھا رہا تھا اور ان کی بے راہ روی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ چنانچہ ابوذر غفاری کی توہین و تذلیل اور ان کی جلاوطنی کے سبب سے بنی غفار اور ان کے حلیف قبائل، عبداللہ بن مسعود کی پسلیاں تڑوانے اور ان کا قرآن جلوانے کی وجہ سے بنی ہذیل اور ان کے حلیف بنی زہرہ، عمار یاسر کو بے دردی سے پٹوانے کے باعث بنی مخزوم اور ان کے حلیف قبیلے اور محمد بن ابوبکر کے قتل کا سروسامان کرنے کی وجہ سے بنی تیم کے دلوں میں غم وغصہ کا ایک طوفان کروٹیں لے رہا تھا۔ دوسرے صوبوں کے مسلمان بھی عثمانی عمال کے ہاتھوں نالاں اور پریشان تھے۔ یہ لوگ دولت کی سرشاریوں اور بادۂ عشرت کی سرمستیوں کی بنا پر جو چاہتے تھے کر گزرتے تھے۔ نہ ان کے دلوں میں خوف خدا تھا نہ مرکز کی طرف سے عتاب کا ڈر تھا اور نہ کسی بازپرس کا اندیشہ۔ لوگ ان کے پنجۂ استبداد سے نکلنے کے لیے پھڑپھڑاتے تھے مگر کوئی ان کے کرب واذیت کی صدائیں سننے کے لیے آمادہ نہ ہوتا تھا۔ نفرت کے جذبات ابھر رہے تھے مگر انھیں دبانے کی کوئی فکر نہ کی جاتی تھی۔

Presented by www.ziaraat.com

ڈاکٹر طٰہٰ حسین ان عثمانی عمال کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ :

"یہ عمال ایسی حکومت کے اہل نہ تھے جس کا نظام اسلامی اصولوں یعنی عدل و انصاف، مساوات اور پابندیٔ عہد پر قائم ہو۔ جس کا وعدہ عثمان نے قوم سے کیا تھا کہ وہ قرآن و سنت اور سیرتِ ابو بکر و عمر پر قائم رہیں گے اور اس سے کسی قسم کا انحراف نہیں کریں گے۔ بلکہ یہ اہل تھے اس حکومت کے کہ جس کا نظام قوت، شوکت، دبدبہ، غرور اور جبر و استبداد پر قائم ہو۔"

(الفتنۃ الکبریٰ)

صحابہ بھی بددل تھے کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ امن عالم تباہ، نظم و نسق تہ و بالا اور اسلامی خدوخال مسخ کیے جا رہے ہیں۔ لہٰذا وہ بھی خاموش نہ رہ سکے اور جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو انھوں نے حضرت عائشہ کی سربراہی میں عثمان کو کافر قرار دے دیا اور ان کے قتل کی زمین ہموار کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

حضرت عثمان سے حضرت عائشہ کا اختلاف

خلیفۂ ثانی کے عہدِ خلافت میں حضرت عائشہ کی ذات عمر کی خصوصی توجہ کا مرکز بنی رہی۔ انھوں نے ان کے ساتھ امتیازی اور ترجیحی سلوک روا رکھا۔ وظائف و عطایا میں یہ تمام ازواجِ رسولؐ پر مقدم تھیں۔ عمر نے شرعی احکام اور فقہی مسائل میں بھی انھیں اقتدار کا مالک بنایا اور رفتہ رفتہ وہ قوت و طاقت دے دی کہ یہ

محترمہ بعد میں آنے والے ہر حاکم سے ٹکرائیں اور اس کے لیے دردِ سر بن گئیں۔ چنانچہ آپ نے نہ صرف عثمان کا تختہ اُلٹا بلکہ حضرت علیؑ سے بھی برسرِ پیکار ہوئیں۔

تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ خلافت عثمانیہ کے ابتدائی دور میں چند برسوں تک آپ کی زبان بند رہی اور عہدِ شیخین کی طرح حکومت کی تائید و حمایت کا سلسلہ بھی آپ کی طرف سے جاری رہا۔ چنانچہ آپ کی بیان کردہ وہ حدیثیں جن میں حضرت عثمان کی توصیف و ثنا ہے اور قتل کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، اسی ابتدائی دور کی معلوم ہوتی ہیں۔ ممکن ہے ذیل کی حدیث بھی اسی دور سے متعلق ہو جس میں آپ فرماتی ہیں :

"رسول اللہؐ میرے ساتھ ..... ایک چادر میں لیٹے ہوئے تھے کہ میرے والد (ابو بکر) نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ پیغمبرؐ نے انھیں اجازت دے دی، وہ آئے اور باتیں کر کے چلے گئے رسول اللہؐ میرے ساتھ اسی طرح چادر میں لیٹے رہے۔ پھر عمر نے اجازت طلب کی، وہ بھی آئے اور چلے گئے اور ہم دونوں اسی چادر میں بدستور لیٹے رہے۔ پھر عثمان آئے اور انھوں نے اذنِ حضوری چاہی تو آپ کپڑے درست کرتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ عثمان کے چلے جانے کے بعد میں نے رسول اللہؐ سے پوچھا کہ ابو بکر جب آئے تو آپ اسی طرح لیٹے رہے، عمر آئے بھی اور گئے بھی مگر آپ اسی طرح محوِ استراحت رہے۔ مگر جب عثمان آئے تو آپ نے کپڑے درست کیے اور اُٹھ بیٹھے؟ فرمایا عثمان ایک

Presented by www.ziaraat.com

حیادار شخص ہیں اگر میں اسی حالت میں لیٹا رہتا تو وہ اپنی بات نہ کہہ پاتے[1]۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ:

"پیغمبرؐ نے عثمان کے آنے پر عائشہ سے فرمایا کہ تم اپنے کپڑے درست کر لو"[2]

اس حدیث کی صحت یا عدم صحت پر میں کوئی گفتگو یا کسی قسم کا تبصرہ مناسب نہیں سمجھتا کیونکہ پیغمبرؐ کے بارے میں عائشہ کی زبان سے بہت سی تعجب خیز و حیرت انگیز اور غیر شائستہ حدیثیں بیان ہوئی ہیں جن کی بدولت "رنگیلا رسولؐ" جیسی کتابیں عالم وجود میں آگئیں۔ بظاہر یہ حدیث عثمان کو حیادار بنانے کے لیے ان کی فضیلت میں بیان ہوئی ہے لیکن اس میں سب سے بڑا اشکال یہ ہے کہ ابو بکر کی موجودگی میں حضرت عائشہ کی غیرت نے یہ کیونکر گوارا کیا کہ وہ شوہر کے ساتھ زیر چادر پڑی رہیں جب کہ ابو بکر عائشہ کے باپ بھی تھے اور باپ و بیٹی کے رشتہ کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ اپنے والد کا پاس و لحاظ اور ادب و احترام کرتے ہوئے تھوڑی دیر کے لیے آنحضرت کے پہلو سے الگ ہو جاتیں۔

دوسرا نقص یہ ہے کہ آنحضرت نے عثمان کے آنے پر کپڑے بھی درست کیے اور اٹھ کر بیٹھ بھی گئے مگر ابو بکر یا عمر کے سامنے نہ شرم محسوس کی نہ ندامت اور نہ بستر سے اٹھنے کی ضرورت۔ آخر اس بے تکلفی

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۱۶۷، کنز العمال ج ۵ ص ۳

[2] صحیح مسلم ج ۷ ص ۱۷ باب فضائل عثمان

کی کیا وجہ تھی؟ آنحضرتؐ کی نظروں میں اگر عثمان حیادار تھے تو کیا اس موقع پر سرکارِ دو عالم ابو بکر و عمر کو بے حیا تصور فرما رہے تھے؟

بہر حال گمان یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت عثمان کے ابتدائی دورِ خلافت کی ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں خلفائے ثلاثہ کا ذکر بھی اسی ترتیب سے ہے جس ترتیب سے وہ تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔

غرض کہ حضرت عثمان کی خلافت کے ابتدائی دور میں حضرت عائشہ ان کی سرگرم حمایتی رہیں، ان کی اطاعت کرتی رہیں اور ان کی مخالفت کا خیال بھی ان محترمہ کے دل میں نہیں تھا، یہاں تک کہ جب عائشہ اور دیگر ازواج نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا تو حضرت عائشہ نے ضروری سمجھا کہ پہلے عثمان سے اجازت حاصل کر لیں۔ چنانچہ خود آپ کا بیان ہے کہ:

"جب عمر مر گئے اور عثمان خلیفہ ہوئے تو ام سلمہ، میمونہ، ام حبیبہ اور میں نے عثمان سے حج کی اجازت مانگی، عثمان نے کہا کہ عمر کی طرح میں بھی تمھارے ساتھ حج کرنا چاہتا ہوں، جو بھی میرے ساتھ چلنا چاہے چلے۔ پھر عثمان نے ہم سب کے ساتھ حج کیا"[1]

وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت عثمان اور حضرت عائشہ کے درمیان اختلاف کی ابتدا کب سے ہوئی۔ عام طور پر مورخین کا خیال ہے کہ حضرت عمر نے اپنے زمانے میں تمام ازواج رسولؐ کے دس دس ہزار کی رقم بطور وظیفہ مقرر فرمائی تھی اور ترجیحی بنیاد پر حضرت

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۰۹

Presented by www.ziaraat.com

عائشہ کے بارہ ہزار مقرر کیے تھے، جب عثمان کا زمانہ آیا تو انھوں نے عائشہ کے وظیفے میں دو ہزار کی تخفیف کر کے اسے بھی دس ہزار کر دیا تاکہ معاملہ مساوی رہے ۔ یہ فعل عائشہ کو ناگوار گزرا اور وہ عثمان پر سخت برہم ہوئیں ۔ یہیں سے دونوں کے درمیان اختلاف کی ابتدا ہوئی اور رفتہ رفتہ اسی اختلاف نے خطرناک صورت اختیار کرلی ۔

حضرت عائشہ ہی وہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے عثمان کے قتل پر لوگوں کو ابھارنے اور متحد کرنے میں نبیؐ کی زوجیت کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور یہ کہہ کر کہ "اس نعثل کو قتل کر دو کیونکہ یہ کافر ہوگیا ہے"[۱]، دنیائے اسلام میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ بلاذری کا کہنا ہے :

> "حضرت، عائشہ کی پہلی وہ ذات ہے جس نے ان (عثمان) کی مخالفت، میں آواز بلند کی، ان کے مخالفین کی جائے پناہ بنی اور ان سے آمادۂ پیکار لوگوں کی قیادت کی۔ اس وقت پورے مملکت اسلامیہ میں حضرت ابوبکر کے خاندان (بنی تیم) سے بڑھ کر حضرت عثمان کا کوئی دشمن نہ تھا"[۲]

حضرت عائشہ کے اختلاف کا سبب وظیفہ میں تخفیف کے علاوہ حضرت عثمان کی وہ زیادتیاں، وہ مظالم اور وہ تشدد بھی ہو سکتا ہے جس سے تمام اصحاب اور مسلمان نالاں تھے۔ طلحہ و زبیر کی وہ ملی بھگت بھی ہو سکتی ہے جس کے ذریعہ وہ امارت کے خواہاں تھے اور جس کی تصویر جنگ جمل کے موقع پر عثمان کے قتل کے بعد ابھر کر سامنے آچکی تھی۔

---

۱ تاریخ کامل ج ۳ ص ۸۰ ۲ انساب الاشراف ج ۵ ص ۶۸

بہر حال جو کچھ بھی ہو، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کی ذات وہ خاموش چنگاری تھی جس نے خلافت ثالثہ کی پوری عمارت کو جلا کر خاکِ سیاہ کر دیا۔ پھر الگ کی الگ رہیں، مگر تاریخ ان واقعات پر خاموش نہیں رہ سکتی تھی چنانچہ مورخین نے سب کچھ لکھ مارا۔

اختلاف کی اس آگ کو جن واقعات نے اپنے دامن کی ہوا دے کر بھڑکایا اور شعلوں میں تبدیل کیا ان میں سب سے پہلا واقعہ ولید بن عقبہ کا ہے۔

حضرت عثمان نے اپنے دور خلافت میں سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے ولید بن عقبہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ ولید بن عقبہ عثمان کا سوتیلا بھائی تھا۔ یہ مانا ہوا فاسق تھا اور اس کے فسق کی گواہی قرآن نے دی ہے، جب کہ سعد بن ابی وقاص وہ شخص تھے جنھوں نے حضرت عمر کے حکم سے کوفہ کی بنیاد ڈالی تھی اور وہاں اسلامی فوجوں کو آباد کیا تھا۔ ایران کی جنگ میں بھی سعد، ان افواج کے سپہ سالار تھے اور انھیں کے زیرِ قیادت ایران فتح ہوا تھا جس کی وجہ سے اسلامی لشکر میں ان کی محبوبیت و مقبولیت بہت زیادہ تھی، لوگ احترام کرتے تھے اور انھیں عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ جب ولید گورنر ہو کر آیا تو سعد نے اس سے کہا :

"ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارے بعد تم عقلمند ہو گئے یا ہم احمق"

اس پر ولید نے جواب دیا

آپ گھبرائیے نہیں، یہ بادشاہت ہے۔ یہاں ایک قوم صبح کا ناشتہ کرتی ہے تو دوسری شام کا کھانا کھاتی ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

سعد نے کہا، قسم ہے خدا کی کہ تم لوگ خلافت کو بادشاہت بنا کر ہی دم لو گے۔[1]

اس گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ عثمان نے ایسے شخص کو مسلمانوں پر گورنر کی حیثیت سے مسلط کیا تھا جو خلافت کو بادشاہت کے دائرے میں محدود سمجھتا تھا۔

سعد کی معزولی اور ولید کی تقرری تمام مسلمانوں کو ناگوار گزری۔ لوگوں نے کہا:

"عثمان نے بہت بڑی تبدیلی کی ہے کہ ابو اسحاق (سعد) جو نرم مزاج، مہربان، عالم، صالح اور صحابیٔ رسولؐ تھے، کو معزول کر کے اپنے فاسق و فاجر اور احمق بھائی کو ہم مسلمانوں پر حاکم مقرر کیا ہے۔"

ولید بن عقبہ نے کوفہ کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلے عبداللہ بن مسعود کو اپنے پیکانِ استبداد کا نشانہ بنایا جیسا کہ ہم تحریر کر چکے ہیں کہ ولید کی شکایتوں پر حضرت عثمان نے ابن مسعود کو اتنا پٹوایا کہ ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ اس صحابیٔ رسولؐ کی داستانِ مصائب کو سن کر مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر کا پیدا ہونا ایک فطری عمل تھا۔

ولید کے جرائم کی طولانی فہرست میں مساجد کی بے حرمتی بھی شامل ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ ابو الفرج اصفہانی کا بیان ہے:

"حضرت عثمان نے جب ولید کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا تو

[1] طبقات حالات ولید، استیعاب، اسد الغابہ، کنز العمال وغیرہ

(نصرانی شاعر) "ابو زبید" بھی اس کے پاس آیا۔ ولید نے اسے مسجد سے ملحق عقیل بن ابی طالب کے گھر میں اسے ٹھہرایا۔ ولید نے عقیل سے کہا، یہ گھر مجھے دے دیجیے۔ انھوں نے وہ گھر اس کے نام کر دیا اور ابو زبید اسی میں رہنے لگا۔ کوفہ والوں کے نزدیک ولید کی یہ پہلی قابل اعتراض حرکت تھی، کیونکہ ابو زبید اپنے گھر سے نکل کر (جوتا پہنے ہوئے) مسجد کے درمیان سے چلتا ہوا ولید کے پاس پہنچتا، اس کے ساتھ شراب پیتا، گپ شپ کرتا اور پھر پلٹتا تو نشہ کی حالت میں جھومتا ہوا مسجد کے درمیان ہی سے گزرتا اور اپنے گھر میں چلا جاتا۔ کوفہ والوں نے ولید کو جب اس کی طرف متوجہ کیا تو بجائے کچھ کہنے کے اس نے ابو زبید کو شام اور حیرہ کی بہت بڑی جائداد دے دی۔[1]

بلاذری کا کہنا ہے:

"ولید نے ابو زبید کے لیے سور کے گوشت اور شراب کا کوٹہ بھی مقرر کر دیا تھا جو اسے برابر ملتا تھا۔"

دوسرا واقعہ ایک یہودی ساحر کا ہے جسے مسعودی نے لکھا ہے:

"ولید نے کوفہ کے نواح میں رہنے والے ایک یہودی شعبدہ باز اور جادوگر کے بارے میں جب سنا تو اسے بلوایا اور مسجد کوفہ میں اس کی شعبدہ بازی اور جادوگری کے مظاہرے کا اہتمام کیا۔ اس نے ولید کو کچھ شعبدے دکھلائے وہ یہ کہ اس نے ایک بہت

[1] آغانی ج ۴ ص ۱۵۳ [2] کتاب الانساب ج ۵ ص ۲۹-۳۱

Presented by www.ziaraat.com

بڑا ہاتھی دکھلایا جو صحن مسجد میں گھوڑے کی پیٹھ پر تھا۔ پھر وہ اونٹ بن گیا جو پہاڑ پر چل رہا تھا، پھر اس نے ایک گدھے کی صورت اختیار کی اور جس کے منھ میں داخل ہوا پاخانے کے مقام سے باہر نکل گیا۔ پھر اس نے ایک شخص کی گردن ماری، جسم و سر علیحدہ علیحدہ کر دیے۔ پھر تلوار پھیری تو وہ آدمی اٹھ کھڑا ہوا۔[1]

تماشے کے وقت کچھ اہل کوفہ بھی وہاں کھڑے ہوئے یہ جادو دیکھ رہے تھے ان میں جندب بن کعب ازدی بھی موجود تھے وہ لاحول پڑھنے لگے، ولید پر لعنت کی اور تلوار نکال کر اس جادوگر یہودی کا سر تن سے جدا کر دیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو اپنے کو پھر سے زندہ کر لو۔ محفل درہم برہم ہو گئی اور تماشائیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ ولید نے جندب کو قتل کرنا چاہا مگر قبیلۂ ازد مانع ہوا۔ غرض کہ جندب قید کر دیے گئے۔ قید خانے کے داروغہ نے جب جندب کو رات بھر عبادت میں مصروف دیکھا تو کہا، قید خانے سے نکل بھاگو ورنہ ولید صبح ہوتے ہی تمھیں قتل کر دے گا۔ جب صبح ہوئی تو ولید نے جندب کو قید خانے سے بلوایا مگر وہ غائب تھے داروغہ سے پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ نکل بھاگے۔ ولید نے داروغہ کو قتل کر دیا۔[2]

مساجد کی بے ادبی و بے حرمتی میں ولید کا شراب پی کر نشہ کی حالت میں صبح کی دو رکعت کے بجائے چار رکعت نماز پڑھانے اور مصلیٰ پر قے کرنے کا واقعہ بھی شامل ہے جس کے بارے میں مسعودی کا کہنا

---

۱ و ۲ مروج الذہب ج ۱ ص ۴۳۷

ہے کہ ولید کی اس حرکت پر نمازیوں نے اس پر پتھراؤ کر دیا اور وہ کراہتا ہوا دار الامارہ میں داخل ہو گیا۔[1]

ولید کی انھیں تمام باتوں اور بے راہ روی کی شکایتیں لے کر ابو زینب، جندب، ابن زبیر اور ابو حبیبہ غفاری وغیرہ عثمان کے پاس پہنچے اور انھیں تمام حالات سے آگاہ کیا۔ عثمان نے جندب سے پوچھا کہ تم نے اپنی آنکھوں سے میرے بھائی کو شراب پیتے دیکھا ہے؟ جندب نے کہا، میں صرف اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ نشہ میں چور تھا اور اس نے مصلیٰ پر شراب کی قے کی۔ میں نے بدمستی کی حالت میں اس کی انگلی سے انگوٹھی اتاری اور اسے پتہ بھی نہ چلا۔ اس واقعہ کی صداقت کے ثبوت میں وہ انگوٹھی عثمان کے سامنے پیش کی گئی لیکن انھوں نے کوئی توجہ نہ کی اور الٹے شکایت کنندگان کو ڈانٹا، پھٹکارا اور ان کے سینوں پر ہاتھ مار کر کہا کہ دور ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔ یہ لوگ مایوس ہو کر حضرت عائشہ کی خدمت میں آئے اور ان سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا، ہم ولید کی شکایت لے کر عثمان کے پاس آئے تھے لیکن الٹے پھٹکارے گئے۔[2]

زہری سے منقول ہے:

"کوفہ کے کچھ لوگ ولید کی شکایت لے کر عثمان کے پاس آئے تو انھوں نے کہا کہ تم لوگ جب اپنے حاکم سے ناراض ہوتے ہو تو اس پر جھوٹی تہمتیں اور غلط الزام عائد کرتے ہو۔ صبح ہونے دو،

---

۱ مروج الذہب ج ۵ ص ۴۳۵ ۲ انساب الاشراف ج ۵ ص ۲۳

Presented by www.ziaraat.com

تم لوگوں کو سخت سزائیں دوں گا۔ ان لوگوں نے حضرت عائشہ کی پناہ لی۔ صبح ہوئی تو عثمان نے عائشہ کے گھر سے آوازیں سنیں اور کہا کہ عراق کے فاسقوں اور خارجیوں کے لیے عائشہ کے گھر کے سوا اور کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ عثمان کی یہ بات عائشہ کے کانوں میں بھی پہنچی، انھوں نے پیغمبرؐ کی نعلین اٹھا کر عثمان کو مخاطب کیا اور کہا، تم نے اس نعلین پہننے والے کی روش چھوڑ دی ہے۔ باہم تکرار شروع ہوئی یہاں تک کہ آوازیں سن کر لوگ اکٹھا ہو گئے، بعض کہتے تھے کہ عائشہ سچ کہتی ہیں اور بعض کا کہنا تھا کہ عورتوں کو اس سے کیا مطلب؟ مردوں کے ساتھ ان کی ڈھیلے بازی اور جوتی پیزار کیسی؟[1]

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عائشہ اور عثمان کے درمیان اس معاملے کو لے کر بڑی "تو تو، میں میں" ہوئی۔ آپس میں ایک دوسرے پر جوتے پھینکے گئے، اور خوب دھینگا مشتی ہوئی[2]۔ پیغمبرؐ کے بعد مسلمانوں کے درمیان یہ پہلا جھگڑا اور فساد تھا۔

ان واقعات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اکابرین صحابہ اور حق پرست مسلمان حضرت عثمان کے طرزِ عمل سے نالاں تھے اور حضرت عائشہ ان کی قائد تھیں۔ انھیں کی طاقت و قوت تھی کہ انھوں نے عوام کو عثمان کے خلاف متحد و منظم کر دیا تھا ایسے وقت میں جبکہ

---

[1] آغانی ج ۴ ص ۱۷۸ [2] انساب الاشراف ج ۵ ص ۳۳، تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۰۳، الاستیعاب حالات ولید

دنیا کی نگاہیں رسولؐ اللہ کے تبرکات دیکھنے کو ترس رہی تھیں آپ نے پیغمبرؐ کی نعلین مبارک نکال کر لوگوں میں ہیجان برپا کر دیا اور ایسی آگ لگا دی جو عثمان کے خون سے بجھی۔

مسلمانوں میں دو گروہ ہو گئے، ڈھیلے بازی ہوئی، جوتے چلے اور آخر کار حضرت عائشہ عثمان پر غالب آ کر رہیں، انھیں رائے عامہ کے سامنے سر جھکانا پڑا اور ولید معزول کر کے سزا دینے کے لیے مدینہ بلا لیا گیا۔

یہ سیاسی واقعات میں سے ایک واقعہ تھا جس میں ام المومنین حضرت عائشہ کو عثمان کے خلاف قدم اٹھانا پڑا۔ دوسرا اہم واقعہ جس میں انھوں نے پوری طرح حصہ لیا، عمار یاسر کا تھا۔ حضرت عمار کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی رقم طراز ہیں:

"عمار یمن کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد یاسر مکہ میں آئے۔ حذیفہ مخزومی نے اپنی کنیز سمیہ سے ان کی شادی کر دی، عمار اسی کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ یہ جب اسلام لائے تو ان سے پہلے صرف تین اشخاص اسلام لا چکے تھے۔ قریش ان کو جلتی ہوئی زمین پر لٹاتے اور اس قدر مارتے کہ یہ بیہوش ہو جاتے۔ ان کے والد اور والدہ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا۔ حضرت عمار کی والدہ سمیہ کو اسلام لانے کے جرم میں ابوجہل نے برچھی ماری جس سے وہ ہلاک ہو گئیں، یاسر عمار کے والد تھے یہ بھی کافروں کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے ہلاک ہو گئے۔"[1]

---

[1] سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۶۸

Presented by www.ziaraat.com

حضرت عمار یاسر کی مختصر سرگذشت تحریر ہو چکی ہے۔ حضرت عثمان نے پیغمبرؐ کے اس بوڑھے صحابی پر متعدد بار مظالم کے پہاڑ توڑے۔ پہلا موقع وہ تھا جب عمار حضرت ابوذر غفاری کے دل گداز واقعہ پر اندوہ گیں ہوئے۔ چنانچہ یعقوبی کا کہنا ہے کہ:

"جب عمار کو ابوذر کے انتقال کی خبر ملی تو وہ اس وقت عثمان کی بزم میں تھے، آپ بے حد ملول ہوئے اور فرمایا، خدا ہم سب کی طرف سے ابوذرؓ پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔ اس پر عثمان نے عمار کو گندی گندی گالیاں دیں اور کہا کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں ابوذر کی جلاوطنی یا ان کے انتقال پر شرمندہ ہوں؟"[1]

پھر خلیفہ کا قہری حکم ہوا اور حضرت عمار یاسر گدی میں ہاتھ دے کر باہر نکال دیے گئے۔ عثمان نے ان کو بھی ربذہ میں جلاوطن کرنے کا تہیہ کیا، لیکن قبیلۂ بنی مخزوم اور حضرت علیؑ کی دخل اندازی نے انھیں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہونے دیا، دوسرا موقع وہ تھا جب عمار یاسر، صحابۂ کرام کا شکایت نامہ لے کر عثمان کے پاس گئے۔ بلاذری کا بیان ہے کہ:

"طلحہ، زبیر اور مقداد بن عمر بن عمر نے بہت سے صحابۂ کرام کے مشورے سے عثمان کے پاس ایک خط لکھا جس میں ان کی تمام قابلِ اعتراض حرکتیں تحریر کی گئیں اور یہ تنبیہہ کی گئی کہ اگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے تو ہم بھی کسی اقدام کے لیے مجبور ہوں گے۔"[2]

---

[1] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۵۰ [2] کتاب الانساب ج ۵ ص ۴۹

حضرت عمارؓ یہ نوشتہ لے کر قاصد کی حیثیت سے عثمان کے پاس گئے اور اس کا کچھ حصہ پڑھ کر سنایا۔ بس پھر کیا تھا؛ عثمان آگ بگولا اور غیظ و غضب میں آپے سے باہر ہو گئے۔ غلاموں کو حکم دیا، عمار جکڑ لیے گئے۔ عثمان نے عمار کے آلۂ تناسل پر اتنی ٹھوکریں ماریں کہ وہ بے ہوش ہو گئے اور انھیں عارضۂ فتق ہو گیا۔

تیسرا واقعہ وہ ہے جب عثمان نے بیت المال کے خزانے سے ایک انتہائی بیش قیمت موتی نکال کر اپنی بیوی کو دیا۔ اس واقعہ کی تفصیل بلاذری کے قلم کی زبان سے سنیے:

"بیت المال میں ایک صندوقچہ تھا جس میں زیور اور ایک انتہائی بیش قیمت موتی تھا۔ عثمان نے بیت المال سے وہ صندوقچہ نکال کر زیور اور موتی اپنی کسی بیوی کو دے دیا۔ اس پر لوگوں نے اعتراض کیا اور عثمان کو سخت سست کہا تو وہ غصہ کی حالت میں منبر پر گئے اور تقریر کی جس میں کہا کہ ہم بیت المال سے اپنی ضرورت کے مطابق لے کر رہیں گے۔ حضرت علی نے فرمایا، ایسی صورت میں آپ روک دیے جائیں گے اور آپ کے اور بیت المال کے درمیان دیوار کھڑی کر دی جائے گی۔ عمار یاسر نے کہا، میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں وہ پہلا شخص ہوں جسے یہ تصرف ناگوار گذرا ہے۔ عثمان نے کہا، اسے گرفتار کر لو، عمار گرفتار کر لیے گئے پھر عثمان نے عمار کو گھر میں بند کر کے اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ عمار وہاں سے اٹھا کر زوجۂ رسولؐ ام سلمہ کے گھر میں لائے گئے۔ بے ہوشی اتنی بڑھی کہ ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں

Presented by www.ziaraat.com

قضا ہوگئیں ۔۔۔۔ عمار بنی مخزوم کے حلیف ا سی تعلق کی بنا پر ہشام بن ولید مخزومی بگڑ گیا، اس نے عثمان سے کہا، علیؑ سے تو ڈر گئے اور ہم پر ہاتھ اٹھا لیا اور ہمارے بھائی کو مار مار کر لب گور کر دیا۔ خدا کی قسم اگر عمار مر گئے تو بنی امیہ کی کسی بڑی شخصیت کو قتل کر کے رہوں گا۔ عثمان نے گالیاں دے کر ولید کے بیٹے ہشام کو نکلوا دیا۔ وہ ام المومنین ام سلمہ کے گھر پہنچا، وہ خود عمار کی حالت دیکھ کر بے حد غضبناک تھیں۔ حضرت عائشہ کو خبر ہوئی تو وہ بے حد برہم ہوئیں اور حضرتِ سرورِ کائنات کا ایک موئے مبارک، ایک کپڑا اور ایک جوتی نکال کر کہنے لگیں۔ کتنی جلدی تم لوگ اپنے پیغمبرؐ کے طور طریقوں کو چھوڑ بیٹھے ہو، ابھی تک آنحضرتؐ کے تبرکات میلے نہیں ہوئے اور تم لوگوں نے قیامت برپا کر دی۔ عثمان کے بنائے کچھ نہ بن پڑی اور وہ غصہ میں آپے سے باہر ہو گئے ۔۔۔ جناب ام سلمہ کے پاس کہلوایا کہ یہ ہجوم آپ کے گھر پر کیوں اکٹھا ہو رہا ہے۔ ام سلمہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ تم اپنی خبر لو، ایسا نہ ہو کہ لوگ وہ کر بیٹھیں جو وہ نہیں کرنا چاہتے عمار کے ساتھ عثمان کے اس برتاؤ پر سب نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ یہ خبر آگ کی طرح پھیلی اور تمام مسلمانوں میں نفرت و ناراضگی کی لہر دوڑ گئی۔"[1]

حضرت عمار یاسر سے عثمان کی برہمی کا ایک واقعہ اور تاریخ کی

[1] کتاب الانساب ج ۵ ص ۴۰

کتابوں میں ملتا ہے۔ جب جناب عمار نے ابن مسعود کی وصیت کے مطابق ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور عثمان کو ابن مسعود کے انتقال کی اطلاع نہیں دی گئی۔ اسی طرح جب کچھ عرصہ بعد حضرت مقداد کا انتقال ہوا تو ان کی وصیت بھی یہی تھی کہ عثمان ان کے جنازے پر نہ آئیں چنانچہ ان کی نماز جنازہ بھی عمار یاسر نے پڑھائی، اس پر بھی عثمان بے حد غضبناک ہوئے اور کہا کہ عمار کا "ناس" ہو میں انھیں پہلے ہی سے جانتا تھا۔[1]

ان واقعات میں سب سے زیادہ قابلِ غور عثمان کی فحش اور شرمناک گالیاں ہیں، حالانکہ انھیں عثمان کے متعلق صحاح ستہ میں ام المومنین عائشہ کی یہ حدیث بڑے شدّومد سے بیان کی جاتی ہے کہ عثمان بڑے حیادار تھے، ان سے ملائکہ بھی شرماتے تھے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان مواقع پر عثمان کے خلاف لوگوں کو صف بستہ کرنے میں ام المومنین حضرت عائشہ نے انتہائی اہم کردار ادا کیا اور عثمان کی وہ حیثیت و اہمیت خاک میں ملا دی جس کی وجہ سے وہ اسلامی معاشرے میں بہت سربلند تھے۔ ان کی ساری عزت و توقیر ختم ہو گئی اور مسلمان کھل کر انھیں برا بھلا کہنے لگے۔

غرض کہ ام المومنین حضرت عائشہ اور حضرت عثمان کے درمیانی تعلقات دن بہ دن بد سے بدتر ہوتے گئے۔ کہاں وہ ان کی سب سے بڑی حمایتی تھیں اور کہاں یہ نوبت آگئی کہ ان سے بڑھ کے عثمان کا

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۷

Presented by www.ziaraat.com

کوئی مخالفت نہ تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اسی اختلاف کی بنا پر عثمان نے حضرت عائشہ کے وظیفہ کے دو ہزار کم کر دیے ہوں۔ بلاذری کا کہنا ہے:

"اس معرکہ میں حضرت عائشہ کے خاندان والے بھی شریک ہو گئے تھے، یہاں تک کہ لوگ یہ کہنے لگے تھے کہ محمد بن ابو بکر نے بنی تیم کو ان کے خلاف صف بستہ کیا اور طلحہ بن عبیداللہ نے ان کی اس معاملہ میں پوری پوری مدد کی۔"[1]

ان واقعات کے پیش نظر حضرت عثمان کے قتل کو وقتی جوش اور ہنگامی جذبہ کا نتیجہ قرار دے کر چند بلوائیوں کے سر تھوپ دینا حقیقت پر پردہ ڈالنا ہے جب کہ ان کی مخالفت کے تمام عناصر مدینہ ہی میں موجود تھے۔ باہر سے آنے والے تو ان کی آواز پر اپنے دکھ درد کی چارہ جوئی کے لیے جمع ہوئے تھے جن کا مقصد صرف اصلاح تھا نہ کہ قتل و خوں ریزی۔ اگر ان کی فریاد سن لی جاتی تو خون خرابے کی نوبت ہی نہ آتی۔

حضرت عثمان پر پتھراؤ

مصر کے گورنر اور حضرت عثمان کے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے مظالم اور جبر و استبداد سے جب اہل مصر تنگ و پریشان آچکے اور تشدد کا پانی ان کے سروں سے اونچا ہو گیا تو وہ لوگ فریاد کی غرض سے مدینہ کی طرف بڑھے اور شہر کے قریب پہنچ کر

[1] انساب الاشراف ج ۵ ص ۶۸

وادی ذی خشب میں خیمہ زن ہو گئے۔ وہاں سے ان لوگوں نے ایک شخص کے ہاتھ حضرت عثمان کے پاس تحریری عرض داشت بھیجی، جس میں یہ مطالبہ کیا کہ ابن سرح کے مظالم، تشدد اور بے راہ روی کا سلسلہ بند کیا جائے، موجودہ روش کو بدلا جائے اور آئندہ کے لیے متبادل اور معقول انتظام کیا جائے۔

حضرت عثمان نے اس عرض داشت پر کوئی توجہ نہیں دی بلکہ ان کے قاصد کو ڈانٹا پھٹکارا اور دھکے دے کر گھر سے باہر کر دیا۔ اس غرور و طغیان اور ناروا سلوک پر مصری وفد کے لوگ بپھر گئے اور مخالفانہ نعرے بلند کرتے ہوئے شہر میں داخل ہو گئے اور اہل مدینہ سے حکومت کی ستم رانیوں اور عثمان کے اس غیر اصولی برتاؤ کا شکوہ کیا۔ ادھر بصرہ اور کوفہ سے بھی اپنی اپنی شکایتیں لے کر سینکڑوں لوگ آئے ہوئے تھے وہ بھی اہل مصر کے ہمنوا ہو گئے اور مدینہ والوں کی پشت پناہی پر ان لوگوں نے حضرت عثمان کو گھیر کر پابند مسکن بنا دیا، مگر مسجد میں آمد و رفت پر کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ چنانچہ اس سلگتے ہوئے ماحول میں حضرت عثمان نے پہلے جمعہ میں جو خطبہ دیا اس میں مصر، کوفہ اور بصرہ والوں کو برا بھلا کہا اور انھیں ملعون قرار دیا۔ بس پھر کیا تھا خلیفہ کی شامت آگئی، تمام لوگ مشتعل ہو گئے اور حضرت عثمان پر چاروں طرف سے پتھر برسنے لگے یہاں تک کہ یہ بے ہوش ہو کر منبر سے نیچے گر پڑے۔

حضرت علیؑ سے فریاد

حضرت عثمان کو جب ہوش آیا اور انھیں یہ احساس ہوا کہ

Presented by www.ziaraat.com

حالات بگڑ چکے ہیں تو "مشکل کشائی" کے لیے حضرت علیؑ کا سہارا لیا اور ان سے گڑگڑا کر فریاد کی اس آئی ہوئی بلا کو کسی طرح ٹال دیجیے امیرالمومنین نے فرمایا کہ میں کس بنیاد پر انھیں واپس جانے کے لیے کہوں جب کہ ان کے مطالبات حق بجانب ہیں۔ عثمان نے کہا، آپ ان لوگوں سے جو بھی معاہدہ کریں گے میں اس کا پابند رہوں گا۔ چنانچہ حضرت علیؑ مصری وفد کے لوگوں سے ملے اور ان سے گفتگو کی۔ وہ لوگ اس شرط پر واپس جانے کے لیے آمادہ ہو گئے کہ تمام مظالم ختم کیے جائیں اور مصر کے گورنر ابن ابی سرح کو معزول کر کے اس کی جگہ محمد بن ابو بکر کا تقرر کیا جائے۔ حضرت علیؑ نے پلٹ کر عثمان کے سامنے ان کے مطالبات رکھے جسے بے چون وچرا انھوں نے منظور کر لیا۔ حضرت علیؑ نے اہل مصر کو ان کے مطالباب پورے کیے جانے کی یقین دہانی کرا دی اور وہ لوگ منتشر ہو گئے۔

مروان کا فریب اور عثمان کا جھوٹ

جب اہل مصر چلے گئے اور معاملہ رفع دفع ہو گیا تو دوسرے دن مروان بن حکم نے عثمان سے کہا کہ مصر سے آئی ہوئی بلا تو ٹل گئی۔ اب آپ دوسرے شہروں کے لوگوں کی روک تھام کے لیے کوئی ایسا بیان دیں جس سے آئندہ لوگ ادھر کا رخ نہ کریں۔ عثمان نے کہا، کیا بیان دوں؟ کہا، آپ یہ بیان دیں کہ مصر کے کچھ لوگ افواہیں سن کر غلط فہمی کی بنیاد پر مدینہ میں جمع ہو گئے تھے اور جب انھیں یہ یقین ہو گیا کہ جو وہ سنتے تھے وہ غلط تھا تو سب لوگ مطمئن ہو کر واپس

چلے گئے۔ حضرت عثمان اس مروانی دام فریب میں گرفتار ہو گئے، چنانچہ انھوں نے مسجد نبوی میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

"اہل مصر کو اپنے خلیفہ کے متعلق کچھ بے بنیاد خبریں ملی تھیں اور جب انھیں یقین ہو گیا کہ وہ سب غلط ہیں تو وہ اپنے شہر کی طرف پلٹ گئے"۔[1]

حضرت عثمان کے منھ سے اس جھوٹ کا نکلنا تھا کہ مسجد میں ایک ہلڑ مچ گیا اور لوگوں نے پکار پکار کر کہنا شروع کیا کہ خدا کے لیے عثمان اس جھوٹ سے توبہ کرو اور اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ ہنگامہ اتنا بڑھا کہ عثمان سٹپٹا کر رہ گئے اور انھیں توبہ کرتے ہی بنی۔ چنانچہ قبلہ کی طرف رخ کر کے خدا کی بارگاہ میں گڑگڑائے اور پھر گھر پلٹ آئے۔

نائلہ اور مروان کی مبتذل گفتگو

مسجد نبوی سے پلٹ کر حضرت عثمان جب بوجھل قدموں کے ساتھ گھر میں داخل ہوئے تو مروان نے ان سے کچھ کہنا چاہا، مگر حضرت عثمان کی بیوی نائلہ بپھر گئیں اور مروان سے کہا تم چپ رہو۔ کسی وقت تمھاری باتیں ان کے لیے موت کا پیش خیمہ بن جائیں گی۔ مروان نے بگڑتے ہوئے کہا، تمھیں ان معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں، تم اسی کی تو بیٹی ہو جسے مرتے دم تک وضو کرنا بھی نہیں آیا۔ نائلہ نے جھلا کر کہا، تو غلط کہتا ہے اور بہتان رکھتا ہے، میرے باپ کو کچھ کہنے

---

[1] طبری ج ۳ ص ۳۹۵

Presented by www.ziaraat.com

سے پہلے اپنے باپ کی حقیقت پر نگاہ ڈال۔ اگر ان "بڑے میاں" (عثمان) کا خیال نہ ہوتا تو ایسی کھری کھری سناتی کہ لوگ کانوں پر ہاتھ دھر لیتے۔ عثمان نے جب بات بڑھتے دیکھی تو دونوں کے درمیان بیچ بچاؤ کیا اور کہا، کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟

حضرت عثمان پر مروان کی چڑھائی اور اس کا انجام

مروان نے عثمان سے کہا، مسجد میں آپ توبہ کر کے کیوں آئے؟ میرے نزدیک تو گناہ پر اڑے رہنا اس توبہ سے کہیں زیادہ بہتر تھا، کیونکہ گناہ خواہ کس حد تک بڑھ جائیں، توبہ کی گنجائش باقی رہتی ہے اور مارے باندھے کی توبہ، توبہ نہیں ہوتی۔ اس توبہ کا نتیجہ دیکھ لیجیے، دروازے پر ہجوم اکٹھا ہے۔ حضرت عثمان نے کہا جو مجھے کرنا تھا وہ کر آیا۔ اب اس ہجوم سے تم نپٹ لو، میرے بس کا یہ روگ نہیں ہے۔ چنانچہ آپ کے ایماء پر مروان باہر آیا اور مجمع سے مخاطب ہو کر اس نے کہا، تم لوگ یہاں کیوں جمع ہو؟ کیا لوٹ مار کا ارادہ ہے یا دھاوا بولنا چاہتے ہو؟ یاد رکھو کہ تم آسانی کے ساتھ اقتدار ہم سے نہیں چھین سکتے۔ یہاں سے منھ کالا کرو اور بھاگ جاؤ، خدا تمھیں ذلیل و رسوا کرے۔

لوگوں نے جب یہ بدلا ہوا نقشہ دیکھا تو غیظ و غضب میں بھرے ہوئے وہاں سے چل پڑے اور سیدھے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھیں ساری روداد سے آگاہ کیا۔ حضرت کو بھی غصہ آیا، چنانچہ وہ اسی وقت عثمان کے یہاں گئے اور ان سے کہا، تم نے مسلمانوں کی کیا درگت بنائی ہے، ایک بے دین و بدکردار

کی خاطر دین سے بھی ہاتھ اٹھا لیا ہے اور عقل کو بھی چھوڑ بیٹھے ہو۔ تمھیں اپنے وعدوں کا کچھ پاس و لحاظ تو ہونا چاہیے۔ یاد رکھو! مروان تمھیں ایسے اندھے کنویں میں پھینکے گا جس سے نکلنا تمھارے لیے ممکن نہ ہوگا۔ تم مروان کی سواری بن چکے ہو جس طرح چاہے وہ تم پر چڑھے اور جس غلط راہ پر چاہے تمھیں ڈال دے۔ آئندہ میں تمھارے کسی معاملے میں دخل نہیں دوں گا، جو تمھارے جی میں آئے کرو، اب تم جانو اور تمھارا کام۔ یہ کہہ کر جب حضرت علیؑ چلے آئے تو نائلہ نے عثمان سے کہا:

> "مروان سے پیچھا چھڑائیے ورنہ وہ ایسا کلنک کا ٹیکہ لگائے گا کہ مٹائے نہ مٹے گا۔ آپ ایسے شخص کے کہنے پر عمل کرتے ہیں جو بے آبرو اور لوگوں کی نظروں میں گرا ہوا ہے۔ علیؑ بن ابی طالب کو منائیے ورنہ یاد رکھیے کہ بگڑے ہوئے حالات پر قابو پانا نہ آپ کے بس میں ہے اور نہ مروان کے اختیار میں۔" (طبری)

نائلہ کی اس تجویز سے عثمان متفق ہوئے اور امیر المومنین حضرت علیؑ کے پیچھے آدمی بھیجا مگر آپ نے ملنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عثمان کے لیے شرم و حیا اور ندامت مانع تھی، کون سا منھ لے کر دن کے اجالے میں نکلتے لہٰذا رات کے پردے میں چھپ کر امیر المومنین کے یہاں پہنچے اور اپنی بے بسی و لاچاری کا رونا رویا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اب تمھاری ذات پر اعتماد بہ ذات خود اپنے کو فریب میں مبتلا کرنا ہے، لہٰذا میں تمھاری کوئی ذمہ داری اپنے سر لینے کو تیار نہیں ہوں، جو راستہ مناسب سمجھو اختیار کرو۔ یہ جواب سن کر حضرت عثمان پلٹ

Presented by www.ziaraat.com

آئے اور حضرت علیؑ پر الٹے یہ الزام عائد کرنا شروع کیا کہ ان ہنگاموں کے پیچھے علیؑ بن ابی طالب کا ہاتھ ہے۔

محمد بن ابوبکر کے ساتھ عثمانی فریب کاری

محمد بن ابوبکر کا قصہ مصر سے شروع ہوتا ہے، جب انھوں نے ابن حذیفہ کے ساتھ مل کر مصری گورنر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے خلاف محاذ قائم کیا۔ بلاذری نے سعید بن مسیب سے روایت کی ہے:

"حضرت عثمان نے بارہ سال حکومت کی اور اس عرصہ میں انھوں نے ایسے لوگوں کو عامل مقرر کیا جنھیں پیغمبرؐ کی صحبت کا شرف حاصل نہ تھا۔ یہ لوگ ایسے مظالم اور ایسی حرکتیں کرتے جو اصحابِ رسولؐ کے لیے ناقابل برداشت ہوتیں۔ ان کی شکایتیں حضرت عثمان سے کی جاتیں لیکن وہ کوئی توجہ نہ دیتے نہ انھیں معزول کرتے۔ آخری زمانۂ خلافت میں انھوں نے اپنے خاندان والوں کو بہت سر چڑھا لیا اور انھیں ہر جگہ حاکم مقرر کیا۔ انھیں حاکموں میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بھی تھا، یہ عبداللہ بن مسعود، ابوذر غفاری اور عمار یاسر کے ساتھ طرح طرح کے مظالم اور بدسلوکیاں کر چکا تھا جس کی وجہ سے قبائل ہذیل، بنی زہرہ، بنی غفار اور بنی مخزوم کے لوگ برہم تھے۔ چند برس یہ حاکم رہا ہوگا کہ مصر والے اس کی شکایتیں لے کر عثمان کے پاس پہنچے۔ وقتی طور پر عثمان نے اس کی تنبیہہ کی اور خفگی بھرے خطوط لکھے لیکن اس نے کوئی پروا نہ کی بلکہ اس کی جسارتیں اور زیادہ بڑھ گئیں۔ جو لوگ شکایتیں

لے کر عثمان کے پاس گئے تھے انھیں مارا پیٹا اور ان میں سے ایک شخص کو قتل بھی کر ڈالا۔ عاجز ہو کر مصر کے لوگ سات سو کی تعداد میں مدینہ روانہ ہوئے۔ نمازوں کے وقت اصحابِ پیغمبرؐ سے ملاقاتیں کیں اور ان سے ابن ابی سرح کی زیادتیوں کے بارے میں سب کچھ بتایا، طلحہ نے عثمان سے اس معاملہ میں سخت لب و لہجہ میں گفتگو کی۔ حضرت عائشہ نے بھی کہلا بھیجا کہ مصر والوں کے معاملے میں انصاف کیا جائے۔ حضرت علیؑ بھی مصر والوں کے ترجمان بن کر عثمان کے پاس گئے اور فرمایا کہ یہ لوگ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ابن ابی سرح کو ہٹا کر دوسرے کو حاکم مقرر کر دیجیے اور ان کے ساتھ انصاف کیجیے۔ عثمان نے کہا جسے یہ لوگ کہیں حاکم مقرر کر دوں۔ ان لوگوں نے محمد بن ابوبکر کے لیے کہا، حضرت عثمان نے محمد بن ابوبکر کو بلا کر مصر کی حکومت کا پروانہ لکھ دیا اور ان کے ساتھ مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کر دی کہ وہ مصر جائیں اور ابن ابی سرح کی زیادتیوں کی تحقیقات کریں۔"[1]

اب اس تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیں:

ابھی محمد بن ابوبکر اور ان کے ساتھی حجاز کی سرحدیں پار کر کے دریائے قلزم کے کنارے آباد ایک مقام "ایلہ" تک پہنچے تھے کہ ان لوگوں کو ایک حبشی ناقہ سوار نظر آیا جو اپنی سواری کو اس طرح بگٹٹ دوڑائے چلا جا رہا تھا جیسے وہ کسی کا پیچھا کر رہا ہو یا کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہو۔ محمد بن

---

[1] انساب الاشراف بلاذری ج ۵ ص ۶۷-۶۸

Presented by www.ziaraat.com

ابوبکر کے رفقاء کو اس پر شبہ ہوا۔ انھوں نے اسے روکا اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں حضرت عثمان کا غلام ہوں۔ پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا مصر کا۔ پوچھا کس کے پاس جارہے ہو؟ کہا والیٔ مصر کے پاس۔ لوگوں نے کہا والیٔ مصر تو ہمارے ساتھ ہیں، تم کس کے پاس جارہے ہو؟ اس نے کہا ابن ابی سرح کے پاس۔ لوگوں نے پوچھا تمھارے پاس کوئی خط ہے؟ پوچھا پھر کس مقصد سے جارہے ہو؟ اس نے کہا نہیں معلوم۔ لوگوں نے کہا اس کی تلاشی لی جائے۔

چنانچہ تلاشی لی گئی لیکن اس کے پاس سے کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی۔ کنانہ بن بشر نے کہا کہ اس کا مشکیزہ دیکھو۔ اور جب مشکیزہ کھول کر دیکھا گیا تو اس میں سیسے کی ایک نلکی تھی جس میں خط رکھا ہوا تھا جو سیل بند لفافے میں تھا۔ یہ خط فرمانِ خلافت تھا۔ سیل توڑی گئی، خط پڑھا گیا، اس میں تحریر تھا:

"جب محمد بن ابوبکر اور ان کے ساتھی تمھارے پاس پہنچیں تو انھیں کسی طرح قتل کردو اور جو پروانۂ تقرری محمد کے پاس ہے اسے منسوخ سمجھو، اپنے منصب پر قائم رہو اور جو شخص مخالفت کرے اسے جیل میں بند کردو......"[1]

خط کا مضمون پڑھنے کے بعد سب پر سناٹا چھاگیا اور حضرت عثمان کی اس فریب کاری پر لوگ حیرت سے ایک دوسرے کا منھ

[1] عقد الفرید ج ۲ ص ۱۸۶، انساب الاشراف ج ۵ ص ۶۸، طبری ج ۵، کامل ابن اثیر ج ۳، ابن ابی الحدید ج ۲ وغیرہ

تکنے لگے اور ان کے درمیان سراسیمگی اور غیظ و غضب کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اب آگے بڑھنا موت کو دعوت دینا تھا۔ چنانچہ محمد بن ابوبکر نے اس خط کو تمام لوگوں کے سامنے سربمہر کیا اور اس حبشی غلام کو ساتھ لے کر سب لوگ مدینہ کی طرف پلٹ پڑے۔ مدینہ پہنچ کر ان لوگوں نے حضرت علیؑ، طلحہ، زبیر، سعد اور دوسرے اصحاب پیغمبر کو جمع کیا اور وہ خط صحابہ کے مجمع کے سامنے رکھا گیا۔ سب انگشت بدنداں ہو کر رہ گئے۔ کوئی شخص ایسا نہ تھا جو حضرت عثمان کو برا نہ کہہ رہا ہو۔ جو لوگ ابوذرؓ، ابن مسعودؓ اور عمارؓ کی وجہ سے پہلے ہی سے برہم تھے، ان کے غیظ و غضب کا ٹھکانا نہیں تھا۔ طلحہ، زبیر، سعد، عمار وغیرہ محمد بن ابوبکر کے ہمراہ عثمان کے گھر پہنچے اور وہ خط ان کے سامنے رکھ کر پوچھا کہ اس پر مہر کس کی ہے؟ عثمان نے کہا میری۔ پوچھا تحریر کس کی ہے؟ کہا میرے کاتب کی۔ پوچھا یہ غلام کس کا ہے؟ کہا میرا۔ پوچھا یہ سواری کس کی ہے؟ کہا حکومت کی۔ پوچھا بھیجا کس نے ہے؟ کہا مجھے اس کا علم نہیں۔

لوگوں نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کا غلام آپ ہی کی سواری پر بیٹھ کر جائے اور اس کے پاس ایسا فرمان ہو جس پر آپ ہی کی مہر لگی ہو اور آپ کو پتہ تک نہ ہو۔ جب آپ کی بے بسی کا یہ حال ہے تو خلافت سے دست بردار ہوجائیے تاکہ کوئی ایسا شخص آئے جو مسلمانوں کے امور کی دیکھ بھال کرسکے۔

حضرت عثمان نے کہا یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ میں اس پیراہن کو اتار دوں جو اللہ نے مجھے پہنایا ہے، البتہ توبہ کیے لیتا ہوں۔ لوگوں نے

Presented by www.ziaraat.com

کہا، توبہ کی مٹی تو اسی دن خراب ہو گئی تھی جب مروان آپ کے دروازے پر آپ کی ترجمانی کر رہا تھا، رہی سہی کسر اس خط نے پوری کر دی، اب ہم آپ کے فریب میں آنے والے نہیں۔ اگر یہ کارنامہ مروان کا ہے تو آپ اسے ہمارے حوالے کیجیے تاکہ ہم بازپرس کر سکیں، ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ یہ خط آپ ہی کے حکم سے لکھا گیا ہے۔

مروان اس وقت عثمان کے گھر میں موجود تھا لیکن اسے انھوں نے صحابہ کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا اور وہ لوگ حضرت عثمان کو کوستے ہوئے واپس پلٹ آئے۔

قتل عثمان کا فتویٰ اور اس پر عملدرآمد

مورخ اعثم کوفی کا بیان ہے:

"جب ام المومنین (عائشہ) نے دیکھا کہ تمام لوگوں نے عثمان کے خلاف ایکا کر لیا ہے تو انھوں نے عثمان سے کہا تم نے مسلمانوں کے بیت المال کو اپنی ذات کے لیے مخصوص کر لیا.... بنی امیہ کو آزادی دے دی کہ جس طرح وہ چاہیں (مسلمانوں کا مال) لوٹیں، انھیں ہر شہر کا حاکم بنا دیا اور امتِ پیغمبرؐ کو تنگی و عسرت میں مبتلا کر دیا۔ خداوند عالم تم سے آسمانی برکتوں کو روک لے اور زمین کی بھلائیوں سے محروم کر دے۔ اگر تم نماز نہ پڑھتے ہوتے تو اونٹ کی طرح تمھیں نحر کر دیا جاتا۔"[1]

---

[1] اعثم کوفی ص ۱۵۵

اس کے جواب میں عثمان نے قرآن کی آیت پڑھی جس کا اردو ترجمہ یہ ہے:

"خداوند عالم نے کافروں کی مثال زوجۂ نوح اور زوجۂ لوط سے دی ہے کہ یہ دونوں ہمارے بندوں کے تصرف میں تھیں، دونوں نے اپنے شوہروں سے دغا کی مگر کچھ بگاڑ نہ سکیں اور ان سے کہا گیا کہ جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی داخل ہو جاؤ۔"

(سورہ تحریم آیت ۱۰)

اول اس خط نے جسے مصر جاتے وقت محمد بن ابو بکر نے حضرت عثمان کے غلام سے برآمد کیا تھا اور جس میں محمد اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنے کا حکم تھا، دوسرے عثمان کے ان سخت فقروں نے حضرت عائشہ کو جن کے مزاج میں پہلے ہی سے حدت بھری ہوئی تھی اور جو غیظ و غضب کے عالم میں اپنے آپے میں نہیں رہتی تھیں، ایک دم سے مشتعل کر کے اس امر پر مجبور کیا کہ وہ حضرت عثمان کے کفر اور ان کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ جاری کر دیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

"اُقْتُلُوا نَعْثَلًا فَقَدْ كَفَرَ" (اس نعثل کو قتل کر دو کہ یہ کافر ہو گیا ہے)

ام المومنین کی زبان سے اس فتوے کا صادر ہونا تھا کہ یہ خبر اس طرح پھیلی جیسے آگ سوکھے پتوں میں پھیل جاتی ہے۔ مخالفین آپس میں متحد ہونے لگے۔ طلحہ، زبیر، حفصہ، عمرو بن عاص، عبدالرحمن بن عوف، معاویہ بن ابو سفیان، ابو موسیٰ اشعری، ابن مسعود، عمار یاسر، مالک اشتر، عبداللہ بن عمر، عامر بن قیس تمیمی، جندب بن کعب ازدی، ابو زینب،

Presented by www.ziaraat.com

حجاج بن عدی اور ثابت بن قیس ہمدانی وغیرہ نے ہمنوائی کی۔ قبیلۂ بنی ہذیل، بنی زہرہ، بنی غفار، بنی مخزوم، بنی ساعدہ، بنی خزاعہ، بنی تیم اور بنی سعد وغیرہ نے حضرت عائشہ کے اس فتوے کو سراہا۔ اہل مدینہ، اہلِ مصر، اہلِ بصرہ اور اہلِ کوفہ نے لبیک کہی۔

ادھر حضرت عائشہ نے اپنے اس فتوے کی ہمہ گیری کا جائزہ لیا اور جب انھیں یقین ہوگیا کہ عثمان کے قتل کے لیے ایک جوہر دار اصل تلوار تیار ہوچکی ہے تو وہ حج کے بہانے سے مدینہ چھوڑ کے مکہ کی طرف روانہ ہوگئیں تاکہ ان کی عدم موجودگی میں جو ہونا ہے وہ ہوجائے۔

جب تک حضرت عائشہ نے یہ فتویٰ نہیں دیا تھا حضرت علیؑ اور دوسرے صحابہ کی جدوجہد سے یہ امید قائم تھی کہ شاید عثمان اور مسلمانوں کے درمیان کوئی سمجھوتہ ہوجائے مگر اس فتوے کے بعد حضرت عثمان کی زندگی پر موت کی مہر لگ گئی۔

اس فتوے کا اثر اس وجہ سے اور بڑھ گیا کہ انھوں نے ایسے موقع پر یہ فتویٰ دیا جب پانی سر سے اونچا ہوچکا تھا، مسلمانوں میں پھوٹ پڑچکی تھی، مسلم معاشرہ دو گروہوں میں تقسیم ہوچکا تھا۔ ایک طرف حاکموں کا گھرانہ یعنی بنی امیہ تھے جن کی ہر شہر پر حکومت تھی اور دوسری طرف وہ مسلمان تھے جو نادار، مفلوک الحال، فاقہ کش اور پریشان حال تھے۔ حضرت عائشہ کے اس فتوے پر صحابۂ کرام کے اجماع و اتفاق کے بعد حضرت عثمان کے لیے صرف دو راستے تھے۔ یا تو وہ خلافت سے شرافت کے ساتھ دست بردار ہوجاتے یا عام مسلمانوں سے جنگ کرتے۔ بالکل یہی صورت دیگر مسلمانوں کے لیے بھی تھی کہ وہ گوشہ نشین

ہوجائیں یا پھر وہ حضرت عثمان یا ان کے مخالفین کے ساتھ شامل ہوکر میدان میں اتر آئیں۔ چنانچہ اراکین شوریٰ میں حضرت علیؑ اور سعد بن ابی وقاص نے گوشہ نشینی کو پسند کیا اور طلحہ و زبیر وغیرہ نے عام مسلمانوں میں شامل ہوکر عثمان کے قتل کو ترجیح دی۔

"اقتلوا نعثلاً" کا اثر یہ بھی ہوا کہ لوگ حضرت عثمان کی زندگی کے آخری ایام میں انھیں "نعثل" کے نام سے پکارنے اور ان سے بدکلامیاں کرنے لگے۔ چنانچہ سب سے پہلے جس نے عثمان کو "نعثل" کہہ کر مخاطب کیا، وہ جبلہ بن عمر ساعدی تھے۔ طبری نے روایت کی ہے کہ عثمان جبلہ بن ساعدی کی طرف سے گزرے تو وہ اپنے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا:

"اے نعثل خدا کی قسم میں تجھے ضرور قتل کروں گا اور اونٹ کی پیٹھ پر بٹھا کر پہاڑوں کی طرف نکال باہر کروں گا۔"[1]

دوسرے بزرگ صحابی جنھوں نے حضرت عثمان کے منھ پر انھیں نعثل کہا وہ حضرت جہجاہ غفاری ہیں۔ طبری و بلاذری نے بسلسلۂ اسناد حاطب سے روایت کی ہے کہ جہجاہ نے عثمان کو نعثل کہا اور ان کا عصا چھین کر اپنے گھٹنے سے توڑ ڈالا۔ دیگر کتابوں میں ابوجیبہ سے روایت ہے جہجاہ غفاری عثمان کے لیے ایک اونٹ، چادر اور ہتھکڑی و بیڑی لے کر آئے اور کہا: "اے نعثل! چل تجھے اوڑھا پہنا کر اونٹ پر بٹھائیں اور دخان پہاڑ کی چوٹی پر چھوڑ آئیں۔"[2]

---

[1] طبری ج ۵ ص ۱۱۴، کامل ج ۳ ص ۱۷۰، ابن کثیر ج ۷ ص ۱۷۶ [2] استیعاب، حالات جہجاہ، کامل، اصابہ ج ۱ ص ۱۵۳، خمیس ج ۲ ص ۶۶۰.

Presented by www.ziaraat.com

ان روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہ کے فتوے کے بعد حضرت عثمان تمام مسلمانوں کی نظر سے بالکل ہی گر گئے تھے۔ ساری عزت و توقیر خاک میں مل چکی تھی، اگر زندہ بھی رہتے تو بے کار تھا لہٰذا اس ذلت و رسوائی کی زندگی سے ان کے لیے موت ہی بہتر تھی۔

حضرت عثمان کا محاصرہ اور قتل

تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہ نے نہ صرف قتل عثمان کا فتویٰ صادر فرمایا تھا بلکہ مختلف شہروں میں خطوط بھیج کر مسلمانوں کو ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی ترغیب بھی دی تھی۔[1]

ابن عباس سے بھی آپ نے فرمایا:

"اللہ نے آپ کو فصاحت و بلاغت اور قوت گویائی سے نوازا ہے۔ عثمان کے سارے معاملات روشنی میں آچکے ہیں، آپ کو چاہیے کہ اپنی تقریروں سے مسلمانوں کو عثمان کی طرف سے برگشتہ کر دیں۔"[2]

مگر ابن عباس آپ کے چکمہ میں نہیں آئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضرت عائشہ عثمان کو کافر قرار دے کر ان کے قتل کا فتویٰ دے چکی ہیں اور اگر عثمان قتل ہو گئے تو یہ مظلمہ کس کی گردن پر جائے گا؟

بہرحال حضرت عائشہ نے اپنے فتوے کی ہمہ گیری اور قوت، ذاتی اثرات و رسوخ اور لا محدود وسائل کی بدولت عثمان کے خلاف

[1] انساب الاشراف ج ۵ ص ۱۰۳ [2] طبری ج ۵ ص ۱۴۰

اپنے مشن میں زبردست کامیابی حاصل کی، یہاں تک کہ مصر، کوفہ اور بصرہ کے مسلمانوں کا سیلاب آپ کی اس آواز پر امنڈ کر مدینہ کی گلیوں اور کوچوں میں پھیل گیا اور حضرت عثمان کو ان کے گھر ہی میں محصور کر دیا گیا۔ بلاذری رقم طراز ہیں کہ:

"لوگوں نے حضرت عثمان کا محاصرہ کر لیا اس وجہ سے کہ انھوں نے لوگوں کے مطالبات منظور نہیں کیے، نیز اس وجہ سے کہ ام المومنین عائشہ نے ان کے قتل کا فتویٰ صادر کر دیا تھا اور مختلف شہروں میں خطوط بھیج کر مسلمانوں کو ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی ترغیب دی تھی۔"[1]

محاصرہ چالیس[2] دن تک جاری رہا جس کی قیادت طلحہ کے ہاتھ میں تھی۔[2] ابتدا میں محاصرہ کی روش زیادہ سخت نہ تھی۔ عثمان مسجدِ نبوی میں نماز کی غرض سے آتے جاتے تھے۔ پھر طلحہ نے اس آنے جانے پر بھی پابندی عائد کر دی اور نماز خود پڑھانے لگے، نیز انھوں نے بیت المال پر بھی قبضہ کر لیا۔ چنانچہ حالات کی سنگینی کے تحت حضرت عثمان نے اپنی مدد کے لیے اپنے پُر اعتماد عاملوں کو آواز دی اور انھیں خطوط لکھے۔ آپ نے شام کے حاکم معاویہ کو لکھا:

"واضح ہو کہ اہل مدینہ کافر ہو گئے ہیں، انھوں نے بیعت توڑ دی ہے اور اطاعت سے منھ پھیر لیا ہے لہٰذا تم شام کی فوجوں کو تیز و تند سواریوں کے ذریعہ میری طرف بھیجو۔"[3]

[1] انساب الاشراف ج ۵ ص ۱۰۳ [2] انساب الاشراف ج ۵ ص ۸۱ [3] طبری ج ۳ ص ۴۰۲

Presented by www.ziaraat.com

معاویہ کو یہ خط ملا تو اس نے توقف سے کام لیا اور اصحاب رسولؐ سے مخالفت نیز ان سے برسرپیکار ہونے کو خلاف مصلحت جانا کیونکہ وہ ایک کہنہ مشق سیاست داں تھا اور اس امر سے بخوبی واقف تھا کہ تمام صحابہ عثمان کی مخالفت پر یک جہتی سے متفق ہیں۔

بصرہ کے گورنر عبداللہ بن عامر کو لکھا:

"کچھ سرکش، باغی اور ظالم لوگوں نے جو مدینہ کے رہنے والے ہیں۔ بصرہ، کوفہ اور مصر کے باشندوں کے ساتھ مجھ سے برگشتہ ہو کر میرے گھر کا محاصرہ کر لیا ہے۔ لیکن میں ابھی ان کے دسترس سے باہر ہوں۔ ہر چند انھیں نصیحت کرتا ہوں اور ان کی رضامندی کو مدنظر رکھنے اور کتاب خدا و سنّتِ رسولؐ پر چلنے کا وعدہ کرتا ہوں مگر وہ ذرا بھی کان نہیں دھرتے۔ میرے قتل یا مجھے خلافت سے علیحدہ کرنے پر مصر ہیں اور میں ان کی خواہش پوری کرنے یعنی خلافت سے علیحدہ ہو جانے کی نسبت موت کو زیادہ سہل اور آسان سمجھتا ہوں۔ میں نے تمھیں صورتِ حال سے مطلع کر دیا ہے۔ لازم ہے کہ تم میری مدد کرو اور مضبوط و بہادر لوگوں کی جمعیت کو میرے پاس روانہ کرو۔" (اعثم کوفی)

ان خطوط کے جواب میں کوئی مدد تو نہیں آئی مگر یہ ضرور ہوا کہ عثمان کے مخالفین کو اس بات کا علم ہو گیا کہ خلیفہ نے اپنے عاملوں سے فوجوں کی مدد مانگی ہے تاکہ وہ ہم سے جنگ کر سکیں۔

ظاہر ہے کہ اس خیال نے مخالفین کے ذہنوں میں قتل عثمان کے سلسلے میں "عجلت" کے تصور کو جنم دیا ہوگا اور شاید یہی وجہ تھی

کہ محاصرے کا دائرہ یک بارگی حضرت عثمان پر تنگ کر دیا گیا۔ رسد و اشیائے خوردنی کے تمام ذرائع منقطع کر دیے گئے یہاں تک کہ آپ پر پانی بھی بند کر دیا گیا۔

اب حالات قابو سے باہر تھے، لہٰذا عثمان نے سوچا ہوگا کہ جان بچانے کی یہی صورت ممکن ہے کہ حضرت عائشہ کے قدموں پر سر رکھ دیا جائے، اس طرح ایک آخری کوشش اور کر لی جائے۔ چنانچہ انھوں نے مروان بن حکم اور عبدالرحمن بن عتاب کو حضرت عائشہ کے پاس بھیجا، وہ مدینہ سے فرار ہونے کے لیے رختِ سفر باندھ چکی تھیں۔ حضرت عثمان کے نمائندوں نے آکر ان سے فریاد کی اور کہا کہ خلیفہ پر محاصرے کا دائرہ مزید تنگ کر دیا گیا ہے۔ مناسب ہوگا کہ آپ سفر ملتوی کر دیں کیونکہ آپ کی موجودگی ان کے بچاؤ کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ حضرت عائشہ نے سخت لہجے میں انکار کرتے ہوئے فرمایا:

"خدا کی قسم میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ وہ (عثمان) میرے ان تھیلوں میں سے کسی ایک تھیلے میں بند ہوتے اور میں خود انھیں لے جا کر کسی سمندر میں غرق کر دیتی۔"[1]

حضرت عائشہ کی زبان سے یہ خشک اور "دوٹوک" جواب سن کر حضرت عثمان کے نمائندے بے نیلِ مرام واپس آگئے اور رہی سہی یہ امید بھی ختم ہوگئی

محاصرے کی شدّت، خوردنی اشیا کی عدم فراہمی اور بندشِ آب

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۵

Presented by www.ziaraat.com

نے حضرت عثمان کو مضطرب و پریشان اور نیم جان کر دیا تھا۔ خصوصاً پیاس نے جب مجبور کیا تو آپ کاشانۂ خلافت کی چھت پر چڑھ گئے اور وہاں سے محاصرین کو مخاطب کر کے پوچھا کہ کیا تم میں علیؑ بھی ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ پوچھا سعد ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ پھر کہا، کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو مجھ پر رحم کرے اور میرا یہ پیغام علیؑ تک پہنچا دے کہ وہ میرے لیے پانی کی کچھ سبیل کر دیں؟ جب یہ خبر حضرت علیؑ کو ملی تو وہ طلحہ کے پاس آئے اور کہا کہ یہ مناسب نہیں کہ تم عثمان پر پانی کو بند رکھو۔ میں پانی کی جو مشکیں بھیج رہا ہوں، انھیں عثمان کے پاس جانے دو۔ بات صاحبِ ذوالفقار کی تھی، طلحہ کی کیا مجال تھی کہ وہ اس سے انحراف کرتے۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے تین مشکیں پانی کی عثمان کے پاس روانہ کیں جو ان تک پہنچیں۔[1]

نیار بن عیاض صحابیٔ رسولؐ کا المناک واقعہ بھی قتلِ عثمان میں عجلت کا سبب بنا۔ وہ یہ کہ نیار بن عیاض حضرت عثمان کو نصیحت کرنے کا جذبہ لے کر ان کے گھر پہنچے اور محاصرین کی صفوں میں شامل ہو کر عثمان کو آواز دی۔ جب انھوں نے اوپر سے جھانک کر دیکھا تو نیار نے کہا، اے عثمان! خدا کے لیے خلافت سے دست بردار ہو جاؤ اور مسلمانوں کو خون خرابے سے بچاؤ۔ ابھی وہ اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ عثمان کے آدمیوں میں سے کسی نے انھیں تیر کا نشانہ بنا کر ختم کر دیا۔ اس حادثے نے مسلمانوں کو مشتعل کر کے آپے سے باہر کر دیا۔ پہلے تو لوگوں نے عثمان سے نیار

---

[1] انساب الاشراف ج ۵ ص ۶۸-۶۹

کے قاتل کو طلب کیا۔ مگر عثمان نے یہ کہہ کر ان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنے ایک مددگار کو تمھارے سپرد کر دوں۔ عثمان کی اس سینہ زوری نے بھڑکی ہوئی آگ کو اور ہوا دے دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے جوش میں آ کر ان کے دروازے میں آگ لگا دی کچھ لوگ اندر گھسنے کے لیے آگے بڑھے تھے کہ مروان بن حکم، سعد بن عاص اور مغیرہ بن اخنس اپنے اپنے جتھوں کے ساتھ ان پر ٹوٹ پڑے اور دروازے پر ہی کشت و خون شروع ہو گیا۔ لوگ گھر کے اندر گھسنا چاہتے تھے مگر انھیں باہر ڈھکیل دیا جاتا تھا، اتنے میں عمرو بن انصاری نے جن کا مکان عثمان کے مکان سے متصل تھا، اپنے گھر کا دروازہ کھول دیا اور للکار کر کہا، آؤ ادھر سے آگے بڑھو چنانچہ محاصرین اس مکان کے ذریعہ کاشانۂ خلافت کی چھت پر پہنچے اور وہاں سے صحن میں اتر کر تلواریں سونت لیں۔

جناب اشتر جب عثمان کو قتل کرنے کے ارادے سے آگے بڑھے تو انھوں نے دیکھا کہ وہ تنہا ہیں اور کوئی مدافعت کرنے والا نہیں ہے تو انھوں نے اس حالت میں قتل کو بزدلی پر محمول کیا اور پلٹ آئے۔ مسلم بن کثیر کوفی نے کہا، معلوم ہوتا ہے تم عثمان سے ڈر گئے۔ اشتر نے کہا میں ڈرا نہیں، چونکہ عثمان نہتے، تنہا اور بے بس ہیں، کوئی ان کی مدافعت کرنے والا نہیں ہے، اس لیے میری غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ میں ایسے شخص پر ہاتھ اٹھاتا۔ اتنے میں محمد بن ابوبکر آگے بڑھے اور انھوں نے جھپٹ کر عثمان کی داڑھی پکڑ لی۔ عثمان نے کہا، اے بھتیجے! میری داڑھی چھوڑ دے، اگر تیرا باپ (ابوبکر) زندہ ہوتا تو وہ

Presented by www.ziaraat.com

بھی میری داڑھی نہ پکڑا۔ محمد نے کہا، اگر میرا باپ زندہ ہوتا تو وہ تجھے ہرگز ان فعلوں کی اجازت نہ دیتا جن کی وجہ سے تو کافر ہوگیا۔ یہ کہہ کر محمد نے وہ بیلچہ جو ان کے ہاتھ میں تھا عثمان کی گردن پر رسید کیا جس سے کاری زخم آیا۔ اتنے میں کنانہ بن بشر نے عثمان کے سر پر گرز کا وار کیا۔ سودان بن حمران نے تلوار ماری اور عثمان بری طرح زخمی ہوکر زمین پر گر پڑے۔ غافقی نے ایک ضرب لگائی اور ایک مصری نے چاہا کہ عثمان کی ناک کاٹ لے مگر نائلہ (عثمان کی بیوی) نے (جو بڑی قوی ہیکل تھیں) اس کی تلوار پکڑ لی جس سے ان کا انگوٹھا کٹ گیا (ایک روایت میں ہے کہ انگلیاں کٹ گئیں)، اتنے میں خلیفہ کے ایک غلام نے اس مصری شخص پر جو عثمان کی ناک کاٹنا چاہتا تھا، تلوار کا وار کر کے سر تن سے جدا کر دیا۔ یہ دیکھ کر قنبرہ بن وہب نے غلام کے دو ٹکڑے کر دیے پھر ایک اور غلام نے قنبرہ کو مار ڈالا۔ اسی اثناء میں عمرو بن حمق جست لگا کر عثمان کے سینہ پر سوار ہوگیا۔ اس نے نو زخم لگائے اور کہا تین زخم خدا کی راہ میں لگائے ہیں اور چھ اس کینہ کی طرف سے جو اس کی طرف سے میرے دل میں تھا۔ عمر بن صابی آگے بڑھا اور اس نے عثمان کی دو پسلیاں توڑ دیں۔ لوگوں نے چاہا کہ عثمان کا سر کاٹ لیں مگر عورتیں رونے پیٹنے لگیں لہٰذا وہ اس ارادے سے باز رہے۔ پھر عثمان کا گھر لوٹا گیا، جس میں دو بوریاں درہموں سے بھری ہوئی برآمد ہوئیں۔

جن لوگوں نے عثمان کی محصوری کے واقعات قلمبند کیے ہیں ان میں سے اکثر نے لکھا ہے کہ جس دن عثمان قتل ہوئے اس دن طلحہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ تھے

اور عثمان پر چھپ چھپ کے تیر چلا رہے تھے۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب محاصرہ کرنے والوں کو عثمان کے گھر میں داخل ہونے کا راستہ نہ ملا تو طلحہ ہی نے کسی انصاری کی طرف سے انھیں عثمان کے گھر میں داخل کیا۔[1] طبری نے روایت کی ہے کہ وہ لوگ عمرو بن حزم انصاری کے گھر میں گھسے، ان کا گھر حضرت عثمان کے گھر کے پہلو میں تھا۔ کچھ دیر جنگ و جدل کا سلسلہ جاری رہا، اس کے بعد سودان بن حمران باہر نکلا اور اس نے پکار کر کہا، طلحہ کہاں ہیں؟ ہم نے عثمان کو قتل کر دیا۔[2] یہ واقعہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو جمعہ کے دن بعد نماز عصر ظہور پذیر ہوا۔ اس وقت حضرت عثمان کی عمر ۸۲ سال کی تھی۔ مدت محاصرہ چالیس دن اور بعض روایتوں کے مطابق انچاس (۴۹) دن بتائی جاتی ہے۔

مدفن

مورخین کا کہنا ہے کہ حضرت عثمان کی لاش تین دن تک مزبلہ یعنی کوڑے پر پڑی رہی اور بلوائیوں نے اسے دفن نہ ہونے دیا، یہاں تک کہ (بروایت اعثم کوفی) آپ کی ایک ٹانگ کتے اٹھالے گئے۔

دفن کے بارے میں ایک مصری بزرگ عبداللہ بن سواد کا کہنا تھا کہ میں انھیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہونے دوں گا کیوں کہ وہ مسلمان نہیں تھے۔ اس گفتگو کے ذیل میں اس کے پاس یہ دلیل تھی:

"جب عثمان خلیفہ ہوئے اور ابو سفیان نے کہا کہ اب خلافت

---

[1] اقتباسات تاریخ اعثم کوفی [2] ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۴۰۴، طبری ج ۵ ص ۱۲۲

Presented by www.ziaraat.com

تمھارے ہاتھ آئی ہے اسے گیند کی طرح نچاؤ، کھیلو اور ہمیشہ کے لیے بنی امیہ میں منحصر کردو۔ میرے نزدیک حساب کتاب، عذاب و ثواب، حشر و نشر اور جنت و دوزخ کوئی چیز نہیں ہے، تو آپ نے اس کفر پر شرعی حد کیوں نہیں جاری کی اور ابو سفیان کو مسلمانوں کے بیت المال سے دو لاکھ درہم کیوں دیے؟"

ممکن ہے کہ عبداللہ بن سواد کی گفتگو میں حضرت عائشہ کا وہ فتویٰ بھی کارفرما رہا ہو جس کے تحت انھوں نے عثمان کو کافر کہہ کر واجب القتل قرار دیا تھا۔ بہرحال وجہ کچھ سہی، حضرت عثمان تین دن تک پڑے رہے اور انھیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کرنے دیا گیا۔ آخرکار جبیر بن مطعم اور حکیم بن حزام امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور ان سے منت سماجت کی کہ وہ کسی تدبیر سے عثمان کو دفن کرادیں۔ حضرت علیؑ نے بلوائیوں سے رابطہ قائم کرکے انھیں سمجھایا کہ وہ عثمان کی میت کو دفن ہوجانے دیں۔ غرض کہ وہ لوگ مان تو گئے مگر اس کے باوجود ان میں سے کچھ پتھر لے کر راہ میں بیٹھ گئے اور جب عثمان کا جنازہ ادھر سے گزرا تو ان لوگوں نے پتھراؤ کردیا۔ بڑی مشکلوں سے آپ یہودیوں کے قبرستان "حش کوکب" میں ایک دیوار کے پیچھے دفن کیے جاسکے۔

طبری نے ابی کرب (جو عثمان کی طرف سے بیت المال کا نگراں تھا) سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان بعد مغرب دفن ہوئے۔ ان کی میت میں مروان بن حکم، تین غلام اور ان کی ایک بیٹی شریک تھی جو چلا چلا کر رونے لگی تو لوگوں نے نعثل نعثل کہہ کر پتھر پھینکنا شروع کردیا۔ قریب

تھا کہ میت سنگسار ہوجاتی۔ آخرکار "حش کوکب" میں ایک دیوار تلے انھیں دفن کردیا گیا۔[۱]

ابن قتیبہ کا کہنا ہے کہ بلوائیوں کے خوف سے میت تین دن تک پڑی رہی، آخرکار عائشہ دختر عثمان اور بارہ دیگر اشخاص نے مغرب و عشاء کے درمیان مکان کے پشت کا ایک دروازہ توڑ کر میت کو اسی پر لٹایا اور قبرستان کی طرف لے گئے۔ اس دروازے کا تختہ جس پر میت کو رکھا گیا تھا چوڑائی میں اس قدر کم تھا کہ آپ کی ایک بچی ہوئی ٹانگ نیچے لٹک رہی تھی اور جلدی جلدی چلنے کی وجہ سے ان کا سر اس تختے پر "کھٹا کھٹ" کرتا جاتا تھا، اسی آواز پر بلوائیوں نے پتھراؤ کیا۔ بروایت ابن خلدون و ابن قتیبہ وغیرہ حضرت عثمان کا غسل و کفن یا نماز جنازہ نہیں ہوئی۔

معاویہ نے وہ دیوار جس کے زیر سایہ عثمان کی قبر تھی، اپنے دور حکومت میں گروادی اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے مردوں کو عثمان کی قبر کے آس پاس دفن کریں تاکہ اس کا سلسلہ مسلمانوں کے قبرستان (بقیع) سے مل جائے۔ اسی وقت سے حضرت عثمان والا قبرستان بنی امیہ کا قبرستان کہا جانے لگا۔

مدتِ اقتدار

حضرت عثمان گیارہ سال، گیارہ ماہ اور چودہ دن تخت اقتدار پر

۱۔ طبری ج ۵ ص ۱۴۳۔ نیز دیکھیے: کامل ج ۳ ص ۷۶، ریاض النضرہ ج ۲ ص ۱۳۱-۱۳۲

Presented by www.ziaraat.com

جلوہ افروز رہے اور اس مدت میں آپ نے اسلام، اسلامی شریعت، قرآن، سنتِ رسول اور سیرتِ شیخین کا ایسا "ستیاناس" کیا کہ حضرت عائشہ کے حکم پر موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

ازواج

حضرت عثمان کی آٹھ بیویاں تھیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) رقیہ (۲) ام کلثوم (۳) فاختہ بنت غزوان (۴) ام عمر بنت جندب بن عمرو (۵) فاطمہ بنت ولید بن مغیرہ مخزومی (۶) ملیکہ بنت عتیبہ (۷) رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ (۸) نائلہ بنت فرافصہ کلبیہ نصرانیہ۔

حضرت عثمان کی ان بیویوں کی فہرست میں "رقیہ" اور "ام کلثوم" کو مسلمانوں کا ایک فرقہ رسول اکرمؐ کی صلبی بیٹیاں قرار دے کر عثمان کی اس فضیلت کا قصیدہ پڑھتا ہے کہ وہ ذوالنورین تھے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں پیغمبرؐ کی صلبی بیٹیاں نہیں تھیں بلکہ حضرت خدیجہ کی بہن ہالہ کی بیٹیاں تھیں جنھیں پیغمبرؐ نے خدیجۃ الکبریٰ سے عقد کے بعد پالا تھا اور وہ انھیں سے منسوب ہو گئی تھیں۔ جیسا کہ ابوالقاسم الکوفی المتوفیٰ ۳۵۲ھ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ سے عقد کیا تو اس کے تھوڑے عرصہ بعد ہالہ کا انتقال ہوا، اس نے تین لڑکیاں رقیہ اور زینب اور ام کلثوم چھوڑیں جو پیغمبرؐ اور خدیجہ کی گود میں پلیں اور اسلام سے قبل یہ دستور تھا کہ اگر کوئی بچہ کسی کی گود میں پرورش پاتا تھا تو وہ اسی سے منسوب کیا جاتا تھا۔" (کتاب الاستغاثہ ص ۶۹)

اولاد

حضرت عثمان کی سترہ اولادیں تھیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

ام کلثوم سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ رقیہ سے عبداللہ پیدا ہوئے، چھ برس کی عمر میں مرغ نے ان کی آنکھ میں چونچ ماری اور وہ بیمار ہو کر مر گئے۔ پھر فاختہ نے ایک لڑکے کو جنم دیا اس کا نام بھی عبداللہ رکھا گیا۔ ام عمرو بنت جندب سے عمرو پیدا ہوئے۔ ان کے بعد ابان پیدا ہوئے جن کی کنیت ابوسعید تھی۔ پھر خالد پھر عمر پیدا ہوئے! ان پانچ لڑکوں کے بعد مریم پیدا ہوئیں جن کا نکاح سعید بن عاص سے ہوا۔ فاطمہ بنت ولید بن مغیرہ مخزومی سے ولید اور سعید دو لڑکے اور ایک لڑکی ام سعید ہوئی جو عبداللہ بن عمر کو بیاہی گئی۔ ملیکہ (ام البنین) سے عبدالملک پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں مر گئے۔ رملہ بنت شیبہ سے دو لڑکیاں عائشہ اور ام ابان ہوئیں جو حارث بن حکم اور مروان بن حکم سے بیاہی گئیں۔ اور نائلہ بنت فرافصہ سے مریم (ام خالد) اروی اور ام ابانِ صغریٰ تین لڑکیاں ہوئیں جن میں سے مریم، عمر بن ولید بن عقبہ بن ابی معیط سے بیاہی گئی۔

فہرست قاتلینِ عثمان

(ازواج و اصحابِ رسولؐ)

(۱) ام المومنین حضرت عائشہ (۲) طلحہ بن عبداللہ (۳) زبیر بن عوام (۴) ام المومنین حفصہ (۵) عمرو بن عاص (۶) عبدالرحمن بن عوف

Presented by www.ziaraat.com

(۷) معاویہ بن ابی سفیان (۸) مروان بن حکم (۹) محمد بن ابو بکر (۱۰) محمد بن ابی حذیفہ (۱۱) عمار یاسر (۱۲) مالک اشتر (۱۳) عبدالرحمٰن بن عدیس بلوی (۱۴) زید بن صوحان عبدی (۱۵) صعصعہ بن صوحان (۱۶) عبداللہ بن عمر بن خطاب (۱۷) حکیم بن جبلہ عبدی (۱۸) عبداللہ بن الاصم عامری (۱۹) جبلہ بن عمرو ساعدی (۲۰) جہجاہ غفاری (۲۱) عمرو بن الحمق (۲۲) عمرو بن حزم الصاری (۲۳) ینار بن عیاض (۲۴) عمیر بن صابی (۲۵) کمیل بن زیاد نخعی (۲۶) ابو عمرو بن بدیل بن ورقاء خزاعی (۲۷) سودان بن ریان (۲۸) ذرع بن یشکر نافعی (۲۹) ابن عیسٰی (۳۰) ابن ابو شمر بن ابرہہ (۳۱) عبداللہ بن سودا (۳۲) خالد بن ملجم (۳۳) ذریح بن عباد (۳۴) سودان بن حمران (۳۵) کنانہ بن بشر (۳۶) غافقی بن حرب نکی (۳۷) بشر بن شریح قیسی (۳۸) ابن المحترش (۳۹) حرقوص بن زہیر سعدی (۴۰) عروہ بن بیاع (۴۱) قیس بن سعد (۴۲) عروہ بن سلیم لیثی (۴۳) کدر بن حمام (۴۴) سدوس بن عنبس (۴۵) سیار بن عیاض (۴۶) یسار بن الیاس (۴۷) رومان بن سرحان (۴۸) جبلہ بن ایہم (۴۹) یزید بن قیس ارحبی (۵۰) عامر بن قیس تمیمی (۵۱) عبدالرحمٰن بن اسود (۵۲) کنانہ بن عتاب (۵۳) ابو موسٰی اشعری (۵۴) حذیفہ (۵۵) ابن مسعود (۵۶) قعقاع بن عمرو (۵۷) احنف بن قیس (۵۸) عبید بن رفاء (۵۹) حجاج بن عدی (۶۰) ثابت بن قیس نخفی (۶۱) جندب بن زہیر (۶۲) ابوزینب (۶۳) عبداللہ بن فدیک (۶۴) علقمہ بن عثمان (۶۵) علقمہ بن قیس نخفی (۶۶) حبیب بن زہیر (۶۷) حبیب بن کعب ازدی (۶۸) ابن کوار (۶۹) قتیرہ بن وہب (۷۰) عروہ بن جعد (۷۱) ابو ثور (۷۲) کعب بن سور (۷۳) عدی بن حاتم۔

قاتلین عثمان کی فہرست بہت طویل ہے، اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے صرف تہتر ناموں پر ہی اکتفا کی ہے۔ اس کے علاوہ قبائل عرب میں قبیلہ بنی ساعدہ، بنی ہذیل، بنی زہرہ، بنی غفار، بنی مخزوم، بنی خزاعہ، قبیلہ سعد بن بکر، قبیلۂ جہینہ، قبیلۂ مزنیہ، قبیلۂ انباط یثرب، قبیلۂ تیم، بنی سعد اور دیگر قبائل اور ان کے حلیف سب کے سب عثمان کے قتل میں شریک ہو گئے تھے۔ ان قبائل کے علاوہ اہل مدینہ، اہل مصر، اہل کوفہ اور اہل بصرہ بھی شریک تھے۔ گویا پوری دنیا عثمان کے قتل پر آمادہ نظر آرہی تھی۔

(ماخوذ از قاتلان عثمان حصہ اوّل)

حضرت عائشہ کے قاتل ہونے پر صحابۂ کرام کی گواہیاں

(تاریخ کی روشنی میں)

مغیرہ بن شعبہ

"مغیرہ بن شعبہ (ایک دن) عائشہ کے پاس آیا تو عائشہ نے اس سے کہا کہ اے ابو عبداللہ! کاش تم مجھے جنگ جمل میں دیکھتے کہ تیر کس طرح میرے ہودج کو توڑ کر نکل رہے تھے، یہاں تک بعض تیر میرے جسم تک پہنچ جاتے۔ مغیرہ نے کہا کاش ان تیروں میں کوئی تیر آپ کا خاتمہ کر دیتا۔ عائشہ نے کہا آخر یہ کیوں؟ مغیرہ نے کہا، تمھارے قتل کے بعد اس سعیٔ

قتل کا کفارہ ہو جاتا جو عثمان کے لیے آپ نے کی ہے۔"[1]

ابن ابی وقاص

"راوی کہتا ہے کہ میں نے سعد بن ابی وقاص سے پوچھا کہ عثمان کو کس نے قتل کیا ہے تو انھوں نے کہا، اس تلوار نے جو عائشہ نے کھینچی تھی۔"[2]

مروان بن حکم

"عائشہ نے کہا تم لوگ عثمان پر چڑھ بیٹھے اور انھیں قتل کر ڈالا۔ اس پر مروان نے کہا، یہ کام تو تمھارا ہے کہ تم نے خطوط لکھ کر لوگوں کو اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ عثمان پر خروج کریں۔"[3]

ابن کلاب

"حصار عثمان کے وقت عائشہ مکہ چلی گئیں، پھر مکہ سے مدینہ کا ارادہ کر کے پلٹیں۔ مقام سرف میں ابن کلاب سے ملاقات ہوئی، پوچھا کیا خبر ہے؟ کہا، عثمان قتل کر دیے گئے۔ یہ سن کر عائشہ مکہ کی طرف پھر پلٹیں اور یہ کہتی جاتی تھیں کہ ہائے عثمان مظلوم قتل ہوئے۔ ابن کلاب نے کہا کہ آپ ہی نے عثمان کا قتل چاہا، آپ ہی وہ ہیں جس نے یہ فتویٰ دیا کہ نعثل کو قتل کر ڈالو کیونکہ یہ کافر ہو گیا ہے۔"[4]

---

۱ عقد الفرید ج ۲ ص ۱۹۰ ۲ الامامت والسیاست ص ۴۹، عقد الفرید ج ۳ ص ۱۸۸ ۳ عقد الفرید ج ۳ ص ۱۸۷ ۴ تاریخ کامل ج ۳ ص ۸۰

عمار بن یاسر

"عثمان کے قتل ہونے پر عائشہ نے شور مچایا کہ عثمان بے گناہ قتل ہوئے۔ اس پر عمار نے کہا کہ کل تم ان کے قتل کے لیے لوگوں کو بھڑکاتی تھیں اور آج شور مچاتی ہو۔"[1]

ابن عباس

"عائشہ نے ابن عباس سے فرمایا کہ تم نے دیکھا کہ طلحہ نے بیت المال اور خزائن پر قبضہ کر لیا تھا، اگر وہ خلیفہ ہوتے تو اپنے ابن عم ابو بکر کی سیرت پر چلتے۔"[2]

اس روایت میں حضرت عائشہ کی خواہش کار فرما ہے۔

حضرت عائشہ کا اقرار

"جب امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے بیعت کی خبر عائشہ کو ملی تو وہ مدینہ میں نہیں تھیں۔ ان سے کہا گیا کہ عثمان قتل ہو گئے اور علیؑ کی بیعت ہو گئی۔ یہ سن کر عائشہ نے کہا مجھے پروا نہیں اگر آسمان زمین پھٹ پڑے، خدا کی قسم عثمان مظلوم قتل ہوئے اور میں ان کے خون کا انتقام لوں گی۔ عبید نے کہا کہ اے ام المومنین سب سے پہلے جس نے عثمان پر طعن کی اور لوگوں کو ان کے قتل پر ابھارا وہ آپ تھیں اور آپ ہی نے کہا، اس نعثل کو قتل کر ڈالو کیونکہ یہ کافر ہو گیا ہے عائشہ

---

۱ الامامت والسیاست ص ۴۹ ۲ طبری ج ۳ ص ۱۴۰

Presented by www.ziaraat.com

نے کہا ہاں! خدا کی قسم میں نے یہ ضرور کہا اور کیا۔ مگر میرا دوسرا قول پہلے قول سے بہتر ہے ...... عبید نے کہا اے ام المومنین! ہمارے نزدیک قاتل وہ ہے جس نے قتل کا حکم دیا۔"[1]

عمرو عاص

" ابن قتیبہ نے اپنی کتاب الامامت والسیاست میں تحریر کیا ہے کہ جس وقت عثمان قتل ہوئے، عمرو عاص فلسطین میں تھا اسے خبر معلوم ہوئی تو اس نے سعد بن ابی وقاص سے خط لکھ کر پوچھا کہ عثمان کو کس نے قتل کیا تو جواب میں اس نے لکھا:۔ اس تلوار نے جسے عائشہ نے تیار کی تھی اور طلحہ نے اس پر صیقل کی تھی۔"

یہ وہ تاریخی شواہد ہیں جو اس سربستہ راز پر پڑے ہوئے پردے کو چاک کر دیتے ہیں کہ حضرت عثمان کا اصل قاتل کون تھا؟ اب سوال یہ ہے کہ اگر حضرت عائشہ نے عثمان کے قتل کا حکم دیا اور اس حکم کے عملدرامد پر مسلمانوں کو ہموار کیا تو پھر عثمان کے قتل ہو جانے کے بعد انھوں نے خونِ عثمان کے قصاص کا نعرہ کیوں بلند کیا جس کے نتیجہ میں "جنگ جمل" کے نام سے ایک ہولناک حادثہ رونما ہو گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سیاسی نقطۂ نظر سے عائشہ کے لیے اس سے بہتر کوئی صورت نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو پھر فریب میں مبتلا کر کے اپنے دامن سے عثمان کے خون کے دھبوں کو صاف کر لیں۔ دوسرے

[1] کامل ج ۳ ص ۸۰، طبری ج ۳ ص ۱۷۳، الامامت والسیاست ص ۵۴

یہ کہ وہ دیرینہ دشمنی اور عداوت جو حضرت علیؑ کی طرف سے آپ کے دل میں تھی، اس کے انتقام کے لیے بھی ضروری تھا کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میدانِ کارزار گرم کر دیں۔ اگر جنگ میں یہ کامیاب ہو جاتیں تو ان کی ساری دلی مرادیں پوری ہو جاتیں۔ یعنی حضرت علیؑ بھی قتل ہو جاتے اور حکومت واقتدار کی باگ ڈور بھی ان کے ہاتھ میں آجاتی۔ کیونکہ عائشہ، طلحہ، زبیر اور معاویہ، ان چاروں میں ہر ایک چاہتا تھا کہ وہ اقتدار کا مالک بنے۔ حضرت عائشہ کے دل میں یہ خواہش بھی جاگزیں تھی کہ اگر میں اس منصب پر فائز نہ ہو سکوں تو میری بہن اسمار کا لڑکا عبداللہ بن زبیر فائز ہو اور یہی وجہ تھی کہ عثمان کے قتل میں ان لوگوں نے اپنا پورا سیاسی زور صرف کر دیا۔ تاریخ کی نظروں سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ ان لوگوں میں باہم مشورے ہو چکے تھے اور جب اس اہم نکتے پر نظر ٹھہرتی ہے کہ طلحہ ام المومنین عائشہ سے عقد کرنا چاہتے تھے[1] تو اس وقت صورتِ حال اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔ میرے خیال میں یہ معاملہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ نبوت کے لیے مسیلمہ کذاب اور سجاح کے درمیان طے پایا تھا۔ (تمام شد)

خاک پائے اہل بیتؑ

فروغ کاظمی

۳۰ر دسمبر ۱۹۹۴ء

[1] سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۳۲۵

Presented by www.ziaraat.com

تاثرات

عالی جناب فروغ کاظمی صاحب دام اقبالہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آپ نے مولانا ابوالحسن ندوی کی کتاب "المرتضیٰ" کا مسکت جواب الخلفاء حصہ اول تصنیف فرماکر ملتِ اسلامیہ پر وہ احسانِ عظیم کیا ہے جس کا اجر سوائے ائمہ طاہرین علیہم السلام کے اور کوئی نہیں دے سکتا۔ خدا آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آپ نے تاریخ کی روشنی میں وہ وہ حقائق پیش کیے ہیں جس پر صدیوں سے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے اور یہ صرف دشمنانِ اہلِ بیتِ طاہرین علیہم السلام نے ڈال رکھے تھے۔ اُن دبیز پردوں کو آپ نے نوچ کر تار تار کر دیا اور اُن خبیث، منحوس، مکروہ اور روسیاہ چہروں کو بے نقاب کر دیا جو وقت کی نزاکت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بظاہر کلمہ پڑھ کر داخلِ اسلام ہو گئے تھے۔

بہر حال آپ کی تصنیف کردہ کتاب الخلفاء پڑھ کر روح تازہ ہو گئی، دل باغ باغ ہو گیا۔ حصہ دوم کا بے چینی سے انتظار ہے بلکہ مولانا ابوالحسن ندوی صاحب کو بھی دوسرے طمانچۂ حق کا انتظار ہے جس کے پڑتے ہی چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔ حصہ اول میں تو آپ ندوی

صاحب کو ایسا آئینہ دکھلا چکے ہیں جن کی مدح سرائی مولانا ندوی صاحب نے کی ہے ان کی سوانح حیات کے خدوخال کے نقوش صاف نظر آگئے ہوں گے۔

میں آپ کو محبانِ اہل بیت و شیعانِ علی علیہ السلام کی طرف سے نیز اپنے اہل و عیال کی طرف سے مبارک باد دیتا ہوں۔ یہ کتاب الخلفاء آپ کے قلم مبارک سے ایسی تصنیف ہے جو ہماری قوم کی نئی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوگی۔ بس میں تو یوں کہوں، یہ تائید مولائے کائنات حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام تھی۔

فقط خاک پائے اہل بیت علیہم السلام

سید کاظم رضا رضوی

۱۲-ای، پشپ وہار، سیکٹر ۳، ساکیت، نئی دہلی، ۱۱۰۰۱۷

جناب شاعرِ آلِ محمدؐ سید فروغ کاظمی صاحب

السلام علیکم

آپ کی کتاب الخلفاء پہلی جلد پڑھا دل شاد ہو گیا خوب جواب دیا ہے۔ واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر بالکل لغو کتاب ہے۔ دشمنِ اہل بیتؑ اب بھی اس دنیا میں یزیدی شکل میں نمایاں نظر آتا ہے، اس کا جواب تفسیر کربلا پڑھ کر آپ نے حسینؑ اور اسلام کو زندہ کر دیا۔ پوری تاریخ کربلا کو ایک کوزے میں بھر دیا ہے۔ ابوسفیان و معاویہ کی تاریخ بیان کیا ہے جو اکثر لوگ خاندان بنی امیہ سے واقف نہیں تھے۔ آپ کے معلومات کی کیا تعریف کریں۔ اس کی تعریف اللہ پاک یا رسولؐ اللہ یا

Presented by www.ziaraat.com

ائمہ کی روحِ پاک شاد ہوگی۔ جناب سیدہؑ بنت رسولؐ خدا خوش ہوں گی جنت کے فرشتے خوش ہوں گے خاص کر حضرت جبرئیل امین شاگرد مولا علیؑ خوش ہوں گے۔

حکیم سید محمد سردار علی رضوی

سکریٹری شیعہ رویت ہلال کمیٹی، گلزار باغ، پٹنہ

محترم شاعرِ ملت حضرت فروغ کاظمی

سلام مسنون

"تفسیر کربلا" کا مطالعہ کر رہا ہوں، اس سے قبل الخلفاء جلد اول کا مطالعہ کر چکا ہوں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ سبحان اللہ مبارک باد کے مستحق ہیں آپ کہ آپ اس دور میں حقیقی اسلام اور اس کے معصوم محافظین پر مخالفین کے ناپاک حملوں کا دنداں شکن جواب دے رہے ہیں۔

آپ واقعی اپنے اس شعر کے مصداق ہیں

میں کہاں لے جاؤں اپنے میثمی کردار کو

فقط والسلام

گدائے در اہل بیت علیہم السلام

واصف عابدی

محلہ انصاریاں، چھوٹا امام باڑہ سہارن پور

(یوپی)

محترم محبی، مشفقی، کرم فرمائے بندہ، محقق و مورخ دوراں، شاعر اہلِ بیتؑ جناب فروغ صاحب

تسلیم نیازمندانہ

امید ہے کہ جناب عالی بفضل ایزدی و بہ تصدق محمدؐ و آل محمدؐ مع متعلقین بخیریت ہوں گے۔ آپ کی تحریری گراں بہا کاوش الخلفاء حصہ دوم کی Deelopment بھی معلوم خدا کرے آپ کی یہ محنت بار آور ہو اور ایک ایسا تاریخی کارنامہ بن جائے جو تاریخ فضائلِ محمدؐ و آل محمدؐ و ردِ وہابیت میں سنگ میل ثابت ہو اور جسے پڑھنے کے بعد کسی بھی دشمنِ اہلِ بیتؑ کو فضائل اہل بیتؑ گھٹا کر پیش کرنے کی ہمت نہ ہو سکے نیز آنے والی نسلیں اس سے فیض اکتساب کر سکیں۔

فقط خیر اندیش

ریاض الحسن

Presented by www.ziaraat.com

اظہارِ تشکر

جناب خورشید آغا صاحب ایڈووکیٹ

اوسط قد، گول چہرہ، کشادہ پیشانی، پُرکشش آنکھیں، گداز جسم کے پیکر کا نام خورشید آغا ایڈووکیٹ ہے۔

آپ کے والد محترم جناب منور آغا صاحب مجنوںؔ لکھنوی کا شمار ہندوستان کے عظیم ترین اور مشہور ہزل گو شعرا میں تھا۔

آپ پیشہ کے اعتبار سے لکھنؤ کے معروف وکلا میں شمار کیے جاتے ہیں اور کھلے ذہن کے ساتھ مولائی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کربلائے معلیٰ، نجف اشرف، خراسان، سامرہ اور ایران کے مقدس مقامات کی متعدد زیارتوں سے مشرف ہو چکے ہیں۔ اور ہندوستان کے اہم مقدس مقامات مثلاً حسین ٹیکری، نجف ہند جوگی پورہ اور بگھرہ وغیرہ کی زیارتوں سے برابر مشرف ہوتے رہتے ہیں۔

اس کتاب کے آپ خصوصی معاون رہے ہیں اور از ابتدا تا انتہا اس کی تالیف میں آپ نے میرا ہاتھ بٹایا ہے۔ خدا ان کے اس جذبہ کو برقرار رکھے۔

فروغ کاظمی

کتابیات

قرآن مجید
نہج البلاغہ
الملل والنحل
الامامت والسیاست
ارجح المطالب
الاتقان
الغدیر
الفتنۃ الکبریٰ
اصابہ
احیاء العلوم
ازالۃ الخفاء
استیعاب
البدایہ والنہایہ
الفاروق
انوار اللغۃ
المامون
انساب الاشراف
آغانی
تاریخ ابوالفدا
تاریخ طبری
تاریخ الخلفاء
تاریخ کامل
تاریخ ابن خلدون
تاریخ خمیس
تاریخ اسلام ذاکر حسین
تاریخ اسلام حسن ابراہیم
تطہیر الجنان
تفسیر غرائب القرآن
تذکرۃ الکلام
تفسیر ابن کثیر
تہذیب التہذیب
تفسیر بیضاوی
تفسیر حقانی
تفسیر معالم التنزیل
تفسیر در منثور
تفسیر الاتقان
تفسیر نیشاپوری
تذکرۃ خواص الامہ
تفسیر کبیر (فخر الدین رازی)
تفسیر کشاف زمخشری
شرح الاوراق
حیواۃ الحیوان
خلفائے راشدین (اعظم گڑھ)
خصائص نسائی
خلفائے ثلاثہ
دیوانِ حسان
روض الانف سہیلی
روضۃ الاحباب
روضۃ الصفار
ریاض النضرہ
صحیح بخاری
صحیح مسلم
قرۃ العینین
فتح البیان

Presented by www.ziaraat.com

سیرۃ النبی ابن ہشام	موطا (مالک)	سیرتِ حلبیہ
فتح الباری	میزان الاعتدال	شرح ابن ابی الحدید
نہج الوصول	کنز العمال	طریق الحکمت
نص واجتہاد	سوانح عمری حضرت عمر	فاروق اعظم
صواعق محرقہ	طبقات ابن سعد	مستطرف
کوکب دری	سرالعالمین	سیرت خلفائے راشدین (عبدالشکور)
مشکوٰۃ المصابیح	شرح بخاری عسقلانی	عثمان ترجمہ الفتنۃ الکبریٰ
شرح مشکوٰۃ	مقتل حسین خوارزمی	شرح تجرید
محاضرات راغب	سیرۃ النبی شبلی	معارف
مسند احمد بن حنبل	عقد الفرید	فائق زمخشری
مدارج النبوۃ	شرح مسلم نووی	

تفسیر کربلا

بہ جواب

واقعۂ کربلا اور اس کا پس منظر (ایک نئے مطالعہ کی روشنی میں)

مولف

محقق بصیر حضرت فروغ کاظمی

ہدیہ مجلد ۶۵ روپئے

منازلِ آخرۃ

مرنے کے بعد کیا ہوگا؟

کیا مردہ حرف ادا کرتا ہے، روحیں کیسے قبض ہوتی ہیں؟ وہ اعمال جن کی وجہ سے سکرات میں آسانی ہوتی ہے، وہ اعمال جو مرنے والے کے لیے راحت کا سبب ہیں۔ آسانی موت کے اعمال۔ وہ چیزیں جو وحشتِ قبر کے لیے مفید ہیں۔

فشارِ قبر کیوں ہوتا ہے؟ منکر نکیر کا قبر میں سوال وجواب، برزخ کی لذت فانی نہیں ہے۔ بدن جسمانی میں روح کی تاثیر اور قبر کے ساتھ تعلق۔ برزخ والوں کے لیے مفید اعمال۔ قیامت کی سختی سے محفوظ رکھنے والے اعمال۔

دوبارہ زندگی، قبروں سے نکلنا، کیفیتِ حشر ونشر، موقف حساب، حساب کون لے گا؟ حساب کن لوگوں کا ہوگا؟ شفاعت کن لوگوں کی ہوگی؟ حوض کوثر، پل صراط سے گذرنے میں آسانی پیدا کرنے والے اعمال، دوزخ اور اہلِ دوزخ کی کیفیت۔ جنت اور لذاتِ جنت وغیرہ کے سلسلے میں معلومات فراہم کرنے والی بہترین معتبر اور مستند کتاب قرآن وحدیث کی روشنی میں۔

مصنفہ: شیخ عباس القمی النجفی علیہ الرحمہ

ملنے کا پتہ:

عباس بک ایجنسی درگاہ حضرت عباسؑ، لکھنؤ

Presented by www.ziaraat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ

اسلام کے حقیقی نظریات اور معارف کے ادراک اور آپ کے علمی، دینی اور روحانی ذوق کی تسکین کیلئے

عالم اسلام کے جید عالموں اور دانشوروں کی تحقیقی کاوشوں پر مبنی اور اپنے مواد کی صحت، دیدہ زیب کتابت عمدہ کاغذ اور خوبصورت طباعت سے مزین ہونے کی بنا پر مندرجہ ذیل مطبوعات کتابوں کی دنیا میں یقیناً گراں بہا اضافہ ہیں

توبہ — دستغیب شیرازی — ۱۵/=

تربیت اولاد — مولانا جان علی شاہ کاظمی — ۲۵/=

اولین موذن اسلام حضرت بلال — سعید عین آبادی — ۴/=

جناب فضہؑ — راحت حسین ناصری — ۷/=

مجالس عظیم — مولانا سید کلب عابد صاحب — ۲۵/=

سیرت امیرالمومنین جلد (۱) — مولانا مفتی جعفر حسین صاحب — ۱۲۰/=

سیرت امیرالمومنین جلد (۲) — " " " — ۷۵/=

الخلفاء (حصہ اول) — فروغ کاظمی — ۳۰/=

تفسیر کربلا — " " — ۶۰/=

درگاہ حضرت عباسؑ تاریخ کی روشنی میں (مرتبہ حسن لکھنوی) — ۲۵/=

آل محمد کا دیوانہ بہلول دانا — نرجس عابدہ — ۲۰/=

عرفان امامت، حالات امام زمانہؑ — ظفر عباس کشمیری — ۷/=

البیان، تفسیر سورہ الحمد — سید ابوالقاسم الخوئی — ۳۰/=

اہل ذکر — ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی — ۷۰/=

انتقام خونیں یا خروج مختار — سید محمد علی انجم اہی — ۸/=

اسلام اور جنسیات — ڈاکٹر محمد تقی علی عابدی — ۳۰/=

کائنات روش مراثی — باقر علی خاں روش لکھنوی — ۲۰/=

تعقیبات نماز (پاکٹ سائز) — ۵/=

اسلام اور عزاداری (مجموعہ مجالس کراچی) — طاہر جروی صاحب — ۲۵/=

علوم القرآن — مولانا سید محمد ہارون صاحب — ۳۰/=

صرف ایک راستہ — عبدالکریم مشتاق (پاکستان) — ۷۰/=

قرآن اور جدید سائنس — موریس بوکائی — ۳۰/=

الخلفاء (حصہ دوم) — فروغ کاظمی — ۵۰/=

حضرت عائشہ کی تاریخی حیثیت — فروغ کاظمی — ۴۰/=

قرآن اور سائنس — مولانا سید کلب صادق صاحب — زیر طبع

منازل آخرہ (مرنے کے بعد کیا ہو گا؟) — شیخ عباس قمی علیہ الرحمۃ — ۳۰/

حقائق القرآن — الحاج سید امتیاز حیدر — ۴۵/

مولیٰ علیؑ — تقاریر مولانا کوثر نیازی (پاکستان) و مولانا سید کلب صادق صاحب — ۴۶/

وظائف القرآن — سورۂ قرآنی جلی حروف رنگین — ۲۵/

امامیہ نماز — رنگین با تصویر — ۲۵/=

قرآن مجید — مولانا سید فرمان علی صاحب رنگین جلی حروف

خطبات حضرت زینبؑ — مولانا ابن حسن نجفی — زیر طبع

ملنے کا پتہ

عباسؑ بک ایجنسی

درگاہ حضرت عباسؑ، رستم نگر، لکھنؤ ۲

Presented by www.ziaraat.com